Pakistanipoint
Learning Point

چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کراچی

جلد نمبر 21 شمارہ نمبر 11 اگست 2020ء

ای میل ایڈریس: Dardigest01@gmail.com

مینجنگ ایڈیٹر خالد علی

چیف ایڈیٹر آصف حسن

ایڈیٹر شاہد علی

سب ایڈیٹر محمد ذیشان

قیمت -/90 روپے

سالانہ قیمت -/1500 روپے

ادارہ کا کسی بھی رائٹر کے خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ڈر ڈائجسٹ میں چھپنے والی تمام کہانیاں فرضی ہوتی ہیں کسی کی ذات یا شخصیت سے مماثلت اتفاقیہ ہوسکتی ہے

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ ادارہ اس معاملے میں کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

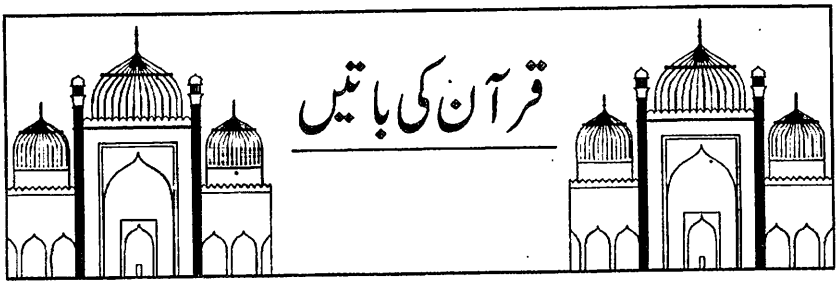

☆ اور اللہ کی خوشنودگی کے لئے حج اور عمرے کو پورا کرو۔ اور اگر رستے میں روک لئے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو کر دو اور جب تک قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ۔ اور اگر کوئی تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں کسی طرح کی تکلیف ہو تو اگر وہ سر منڈا لے تو اس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔ پھر جب تکلیف دور ہو کر تم مطمئن ہو جاؤ تو جو تم میں حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے۔ اور جس کو قربانی نہ ملے وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات روزے جب واپس ہو۔ یہ پورے دس ہوئے یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل و عیال مکے میں نہ رہتے ہوں اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ حج کے مہینے معین ہیں جو معلوم ہیں تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کر لے تو حج کے دنوں زمیں نہ عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی برا کام کرے اور نہ کسی سے جھگڑے۔ اور جو نیک کام تم کرو گے وہ اللہ کو معلوم ہو جائے گا اور زاد راہ یعنی رستے کا خرچ ساتھ لے جاؤ کیونکہ بہتر فائدہ زاد راہ کا پرہیز گاری ہے۔ اور اے اہل عقل مجھ سے ڈرتے رہو۔ اس کا تمہیں کچھ گناہ نہیں کہ حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت اپنے رب سے واپس ہونے لگو تو مشعر حرام یعنی مزدلفے میں اللہ کا ذکر کرو اور اس طرح ذکر کرو جس طرح اس نے تم کو سکھایا اور اس سے پیشتر تم لوگ ان طریقوں سے محض ناواقف تھے۔ پھر جہاں سے اور لوگ واپس ہوں وہیں سے تم بھی واپس ہو اور اللہ سے بخشش مانگو۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔ پھر جب حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو منیٰ میں اللہ کو یاد کرو۔ جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ اے رب ہم کو جو دینا ہے دنیا ہی میں عنایت کر ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور بعض ایسے ہیں کہ دعا کرتے ہیں کہ رب ہم کو دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت بخشیو اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیو۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے ان کے کاموں کا حصہ یعنی اجر نیک تیار ہے۔ اور اللہ جلد حساب لینے والا اور جلد اجر دینے والا ہے اور قیام منیٰ کے دنوں میں جو گنتی کے دن ہیں اللہ کو یاد کرو۔ اگر کوئی جلدی کرے اور دو ہی دن میں چل دے تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو بعد تک ٹھہرا رہے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں یہ باتیں اس شخص کے لئے ہیں جو اللہ سے ڈرے اور تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم سب اس کے پاس جمع

کئے جاؤ گے۔(سورۃ بقرہ 2 آیت 196 سے 203)

☆ بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو دونوں میں سے ہر ایک کو سو درے مارو۔ اور اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو شرع اللہ کے حکم میں تمہیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو بدکار مرد تو بدکار یا مشرک عورت کے سوا نکاح نہیں کرتا اور بدکار عورت کو بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا اور کوئی نکاح میں نہیں لاتا اور یہ (یعنی بدکار عورت سے نکاح کرنا) مومنوں پر حرام ہے۔(سورۃ نور 4 2 آیت 2 سے 3)

☆ اور اگر اللہ برحق ان کی خواہشوں پر چلے تو آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب درہم برہم ہو جائیں بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت کی کتاب پہنچا دی ہے اور وہ اپنی کتاب نصیحت سے منہ پھیر رہے ہیں۔(سورۃ مومنون 23 آیت 71)

☆ لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہے مگر یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں۔ اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے۔(سورۃ آل عمران 3 آیت 14)

☆ مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی رونق و زینت ہیں اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں وہ ثواب کے لحاظ سے تمہارے رب کے ہاں بہت اچھی اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں۔(سورۃ کہف 18 آیت 46)

☆ لوگوں اپنے رب سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور ملک میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرنا اور اللہ سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعائیں مانگتے رہنا۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے۔(سورۃ اعراف 7 آیت 55 سے 56)

☆ اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لئے رزق میں فراخی کر دیتا تو زمین میں فساد کرنے لگتے۔ لیکن وہ جس قدر چاہتا ہے اندازے کے ساتھ نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کو جانتا اور دیکھتا ہے۔ (سورۃ شوریٰ 42 آیت 27)

☆ اور ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا۔ کیا تم صبر کرو گے اور تمہارا رب تو دیکھنے والا ہے۔ (سورۃ فرقان 25 آیت 20)

☆ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم بنجر زمین کی طرف پانی رواں کرتے ہیں پھر اس سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس میں سے ان کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ بھی کھاتے ہیں تو یہ دیکھتے کیوں نہیں۔ (سورۃ سجدہ 32 آیت 27)

(کتاب کا نام "قرآن مجید کے روشن موتی" بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

خطوط

خواتین و حضرات السلام علیکم!

ہمارے ڈردائجسٹ کے مشہور و معروف رائٹر راشد نذیر طاہر کے والد کا 24 جون 2020ء کو رضائے الٰہی سے انتقال ہوگیا ہے، ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ راشد نذیر کے والد کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ان پر اپنا فضل و کرم کرے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قارئین کرام ابھی بھی حالات قابو میں نہیں ہیں۔ ابھی بھی کرونا نے اپنا پنجہ گاڑ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کرونا کو جلد از جلد ختم کردے تاکہ دنیا کے سارے لوگ بخیر و عافیت اپنی زندگی گزاریں اور یہ سب اسی صورت ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی غلطیوں اور گناہوں سے توبہ کر کے اللہ کے حضور گڑگڑائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ دین و دنیا کا خالق و مالک بڑا رحیم و کریم ہے۔

خالد علی
مینجنگ ایڈیٹر

کائنات رشک تنویر لاہور سے، ڈر کے تمام اسٹاف اور قارئین کو السلام علیکم! میں پہلی بار خط لکھ رہی ہوں اب تک تو صرف شاعری ہی لکھتی آئی ہوں۔ ڈر ڈائجسٹ نے میری حوصلہ افزائی کی اس کے لئے ڈر ڈائجسٹ اور تمام اسٹاف کا شکریہ مجھے خوفناک اسٹوریز پڑھنے کا بہت شوق تھا جو کہ ڈر نے پورا کردیا ہے، ڈر پڑھتے ہوئے ایسے لگتا ہے کہ میں کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گئی ہوں۔ ڈر کے تمام لکھاری بہت اچھا لکھتے ہیں۔ میں نے بھی ایک چھوٹی سی کوشش کی ہے جو ''زندگی کے حاصل ڈر'' کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے، مجھے پتہ ہے یہ کہانی خوفناک نہیں ہے لیکن میں نے اس میں معاشرے کے خوفناک چہرے اور امیروں کی بے حسی اور غریبوں کی بے بسی کے ساتھ ساتھ نہ بجھنے والے امید کے دیے کو روشن رکھنے کی کوشش کو دکھایا ہے، امید ہے کہ کہانیوں میں بھی میری حوصلہ افزائی کی جائے گی اور جہاں اصلاح کی ضرورت ہوگی وہاں رہنمائی کی جائے گی۔ اچھا ایک اور بات میں نے آپ سے پوچھنی ہے کہ ڈائجسٹ والے نئے لکھاریوں کو جگہ نہیں دیتے لیکن یہ بات غلط ہے ہم اور ہماری دوستیں اس کا ثبوت ہیں جن کی پہلی بار شاعری ہی آپ کے ڈائجسٹ میں شائع ہوئی اور آج تک ہو رہی ہے، Thanks For All امید ہے کہ اب ہر ماہ باقاعدہ لکھتے رہیں گے۔ اپنا خیال رکھئے گا۔

☆☆ کائنات صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، آئندہ جو کہانی ارسال کریں وہ ہارر ہو، کیونکہ یہ رسالہ ہارر ہے، خیر آپ کی کہانی شائع ہوجائے گی۔ آپ کو ڈر اچھا لگتا ہے اس کے لئے شکریہ۔

ماریہ مسعود بانٹھ گوجرخان سے، السلام علیکم! ماہ مارچ کا ڈر ڈائجسٹ 23 فروری کو مل گیا، جنیفر مشعیل، مون بخاری، کرن خان، ہما خان، عامر شہزاد، پرویز احمد، خانسہ غیور، خانسہ رحمان، عبدالرؤف آپ سب کا بہت شکریہ کہ میری کہانی آپ سب کو پسند آئی، بلال تابش، عامر شہزاد آپ کو میرا خط پسند آیا اس کا بھی بہت شکریہ، کہانیوں میں خوابناک حقیقت شاہ اے شیخ آپ کی کہانی میں تو سمجھ گئی تھی بہت زبردست کہانی لکھی آپ نے، پہاڑوں کی قسم عثمان غنی خان کی ہمیشہ کی طرح بہت اچھی اور الگ کہانی تھی۔ منحوس ڈھانچہ شہزاد خان آپ کی کہانی دل سے انجوائے کی، خطرناک وحشی، ایم الیاس اینڈ اچھا تھا، ناصر محمود فرہاد وادی کا آسیب بہت شان دار کہانی تھی، باقی سب انگوٹھی کا راز، موت کا تعاقب، جہنمی دروازہ، پراسرار وادی، کالا عمل، چاندی چوک، پیانو، بھٹے کا آسیب، موت کی سرگوشی، پراسرار پٹاری، بددعا کا آسیب، پنکی کی گڑیا، یہ سب بھی اچھی کہانیاں تھیں۔

☆☆ ماریہ صاحبہ: جلد از جلد کہانی ارسال کردیں تاکہ رسالے کی زینت بن سکے، حالات کی ستم ظریفی نے ہر فرد کو پریشان کردیا۔ خیر اب امید ہے کہ حالات دن بہ دن قابو میں آجائیں گے اور ڈر ہر ماہ اپنے پڑھنے والوں کے ہاتھ میں ہوگا۔

رابعہ آفرین کراچی سے، السلام علیکم! دعا ہے کہ سب خیریت سے ہوں، میں دو سال اور دو ماہ کے بعد پھر سے حاضر ہوئی ہوں۔ ان دو سال اور دو ماہ میں کسی بھی ڈائجسٹ کو پڑھنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ کہا گیا تھا کہ پہلے میٹرک مکمل کرو، پھر جو چاہے کرنا۔ میٹرک تو کیا تین چار کمپیوٹر کورسز کی شرط رکھ دی گئی لیکن ان دو سالوں اور دو ماہ میں بھی میں نے خود سے ایک بھی ڈائجسٹ مس نہیں کیا لیکن اس بار مجھے اپریل 2020ء اور مئی 2020ء کا ڈائجسٹ باوجود ہزاروں کوششوں کے بھی نہیں ملا اور تو اور آج 10 جون ہو چکا

یان جون 2020ء کا ڈائجسٹ بھی نہیں ملا۔ اتنی لمبی دوری! سچ میں برداشت نہیں ہو رہی۔ وہاں لاک ڈاؤن کا اک فائدہ بہت بڑا ہوا لہ مجھے سب ڈائجسٹ پڑھنے کا ٹائم مل گیا۔ سب سے پہلے سب کے تبصرے پڑھے تھے ہر ڈائجسٹ میں۔ بہت بہت زیادہ شکریہ ان لوگوں کا، ان تمام قارئین ولکھاریوں کا، جنہوں نے میری شاعری کو پسند کیا اور جنہوں نے اصلاحی الفاظ بول کر مجھ میں بہتری کی۔ اینڈ تھینکس ان سب کا جو ہر ماہ میری شاعری پڑھتے ہیں۔ ''ڈرڈائجسٹ'' تمہارا شکریہ! مجھے شاعری کی حیثیت سے پہچان دینے کے لئے..... سب کی اسٹوریز بھی پڑھی ہیں اکتوبر 2019ء، مارچ 2020ء تک کے سب ڈائجسٹس کی۔ کیا کہوں اسٹوریز کے بارے میں؟ سچ تو یہ ہے کہ میں مکمل طور پر فریز محسوس کر رہی ہوں خود کو! کہانیوں کا پلاٹ، روانی، مکالمے، منظر نگاریاں! واہ ماشاءاللہ! سچ بات تو یہ ہے کہ پہلی بار ہی میں ڈائجسٹ کی طرف اس لئے آئی تھی کہ مجھے لکھنے کا جنون تھا لیکن پابندی ہونے کی وجہ سے شاعری سے رشتہ برقرار رکھا، ڈائجسٹ کے ساتھ اس ماہ اپنی ہر پابندی سے آزادی ملی تو ایک کہانی لکھ ڈالی، لیکن آپ سب کی کہانیاں پڑھ کر مجھے اپنی کہانی بہت معمولی محسوس ہو رہی ہے۔ اس لئے فی الحال نہیں بھیج رہی، شاید اس سے بہتر لکھ سکوں ویسے بھی آپ سب سے پرزور اپیل ہے کہ اگر میری کہانیاں آئیں تو میری شاعری کے ساتھ ساتھ کہانی بھی ضرور پڑھئے گا اور تبصرہ چاہے تھوڑا سا ہی صحیح، لیکن اصلاح ضرور کیجئے گا۔ مجھے خود علم ہے کہ مجھے ابھی بہت اصلاح کی ضرورت ہے لیکن نجانے کیوں دل کہتا ہے کہ ''مجھ میں سے اک بہت اچھا رائٹر برآمد ہو سکتا ہے۔'' سو دل کی ایما پر لکھوں گی ضرور، ہاں میری دوست کائنات رشک تنویر بھی آپ سب کی بہت فین ہے۔ اس نے ایک کہانی ''زندگی کا حاصل ڈر'' لکھی ہے، جو پیش خدمت ہے۔ یہ بہت خوفناک تو نہیں لیکن معاشرے کا خوفناک چہرہ اور نئی امید کی صبح کا انتظار ضرور ہے ایک الگ سا ڈر، جو بہت عام بھی ہے۔ مجھے تو میری دوست کی کہانی پسند آئی ہے لیکن خدا جانے یہ ڈر میں جگہ پا سکے گی یا نہیں، کیونکہ اس میں ''الگ قسم کے ڈر'' ہیں خیر اگر شائع ہو گئی تو میری دوست کی بہت حوصلہ افزائی ہو گی۔ میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی تھی تو اب وہ دوسری کہانی لکھنے میں مگن ہے جو ڈر کے ''اصل ڈر'' والی ہے۔ کائنات رشک تنویر بھی آپ سب کے تبصرے ضرور پڑھتی ہے۔ اگر اس کی شاعری پر تنقیدی یا اصلاحی لفاظی ہو تو تب بھی وہ جتنا خوش ہوتی ہے، اس کا حال دیکھنے والا ہوتا ہے۔ آخر میں سب کو سلام، اپنا بہت سا خیال رکھئے گا، سوا اپنی صحت کے متعلق لاپرواہی نہ برتئے گا۔ فی امان اللہ!

☆☆ رابعہ صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، آپ شاعری کے حساب سے کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں اور کہانی ضرور لکھیں اور ارسال کر دیں، اصلاح کی ضرورت ہوئی تو ضرور اصلاح کر کے شائع کر دی جائے گی۔ ''ہمت مرداں مدد خدا'' حوصلہ سے جو کام کیا جائے تو کامیابی ضرور ملتی ہے۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ ایک کہانی لکھ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہیں۔ بلکہ ''لکھتے لکھتے آدمی لکھاری بن جاتا ہے۔'' خط ہر ماہ لکھا کریں۔ Thanks۔

ثریا کنول قادر پور راں سے، السلام علیکم! امید ہے تمام رائٹرز، ریڈرز اور ڈر کا اسٹاف خیریت سے ہوگا۔ میں ڈرڈائجسٹ تقریباً 2017ء سے پڑھ رہی ہوں۔ ڈرڈائجسٹ میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک ہوتی ہے۔ ایس امتیاز احمد میرے فیورٹ رائٹر ہیں۔ ہر کہانی میں کچھ نیا ہوتا ہے۔ ڈرڈائجسٹ میں کہانیوں کا انتخاب لاجواب ہوتا ہے۔ اس ڈائجسٹ میں اچھی بات یہ ہوتی ہے کہ آپ نئے لکھنے والوں کو بھی موقع دیتے ہیں۔ پہلے میں نے دو کہانیاں بھیجی ہیں جو کہ شائع نہیں ہو پائیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ میری حوصلہ افزائی ضرور کریں گے۔ میں نے دو کہانیاں بھیجی ہیں۔ ایک کہانی پرانی حویلی پر ہے جو کہ بہت مختلف ہے۔ یعنی کہ ہے تو حویلی پر لیکن بہت مختلف ہے اور دوسری کہانی ایک درخت کے آسیب پر ہے۔ یہ کہانی بھی بہت مختلف ہے۔ آپ بس ایک بار پڑھ ضرور لیجئے اور انشاءاللہ اگلے ماہ خط اور کہانی لکھنا نہیں بھولوں گی اور میری دعا ہے کہ ''ڈرڈائجسٹ'' ہمیشہ ترقی کرتا رہے۔ (آمین)

☆☆ ثریا صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید، آپ نے ڈرڈائجسٹ پڑھا، جو کہ اچھا لگا اور خط لکھا بہ کہانی کے اس کے لئے شکریہ، کہانی اصلاح کر کے شائع کر دی جائے گی اور ہاں خط لکھنا نہ بھولئے گا۔ شکریہ۔

شرف الدین جیلانی نٹڈوالہ یار سے، السلام علیکم! محترم جناب شاداب سکندر خان صاحب آپ کو میرے خط سے رنج پہنچا جس کے لئے میں آپ سے معذرت کرتا ہوں، سکندر صاحب آپ نے شاید پہاڑوں کی قسم غور سے نہیں پڑھی۔ میرا کچھ کچھ وقت ہر قوم میں گزرا ہے۔ انتہائی قریب رہے ہیں پانچ انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں، آپ کے مطابق عثمان غنی صاحب چترال کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ آپ کو یاد نہیں یہ وادی کیلاش میں ہے۔ ہر قوم اپنے اپنے رواج کے مطابق چل رہی ہے۔ ڈرڈائجسٹ میں برسہا

برس سے پڑھ اور لکھ رہا ہوں۔ انتخاب کئے ہوئے شعر، غزل کی وجہ سے ایڈیٹر صاحب میری تحریر رسالے میں شامل کر لیتے ہیں۔ ڈر والوں کو معلوم ہے کہ میں ان پڑھ آدمی ہوں اپنی خداداد صلاحیتوں سے پڑھ اور لکھتا ہوں۔ آپ دنیا گھومیں آپ کو طرح طرح کے رواج نظر آئیں گے۔ آپ کو میرے خط سے تکلیف ہوئی میں معافی کا طلب گار ہوں۔

☆☆ شرف الدین صاحب: امید ہے آپ کی بات سکندر صاحب سمجھ جائیں گے اور رنج و غم ختم ہو جائیں۔ اچھا وہی شخص ہے جو اپنی بات پر نظر ثانی کر لے تو ایسا آدمی ہر دل عزیز ہو جاتا ہے۔ شرف الدین صاحب آپ کی طبیعت کیسی ہے اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کلی صحت عطا کرے۔ آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ ضرور ارسال کیجئے گا۔ شکریہ۔

اسحار بن ناصر کراچی سے، السلام علیکم! اللہ سے خیر اور رحمت کی امید ہے کہ تمام عملہ اور قارئین بحفاظت اور بخیریت ہوں گے۔ یہ خط لکھتے ہوئے دو غم سرد دل میں ہیں، ایک تو یہ عالمی آزمائش کرونا اور دوسرا یہ کہ ابھی مورخہ 6/6/2020 کو میری پیاری اور بہت ہی زیادہ عزیز نانی کا انتقال ہو گیا ہے! آپ سب سے بہت ہی منت کے ساتھ دعائے مغفرت کی درخواست ہے، جانے اللہ کو کس کی دعا پسند آ جائے۔ میں ڈر میں اپنا شائع شدہ خط دکھاتا تو مرحومہ بہت خوش ہوتی تھیں اور حوصلہ افزائی کرتی تھیں۔ اب یہ کرونا سے بھی بہت ہی زیادہ دہشت اور خوف پھیلا ہوا ہے! ایک بات غور طلب ہے لوگ 'مخلوق' سے تو ڈر رہے ہیں مگر اس کے خالق کو بالکل چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ویسے ماشاء اللہ ڈائجسٹ اپنی آب و تاب سے آگے بڑھ رہا ہے، ابھی جون کا شمارہ پڑھا نہیں لیکن یقین ہے کہ انشاء اللہ بہت اچھا ہوگا۔ آخر میں ایک دفعہ پھر گزارش ہے کہ میری نانی صاحبہ اور تمام مومنین کے ایصال ثواب کے لئے دعائے بخشش کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کرونا کو ختم کر دے۔ (آمین)

☆☆ اسحار صاحب: ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی نانی کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور تمام اہل خانہ کو صبر جمیل عطا کرے۔

عثمان غنی خان پشاور سے، السلام علیکم۔۔۔!! یقیناً امید ہے، ادارہ اور اس سے جڑا ہر فرد خیر و عافیت سے ہوگا۔ اللہ ہمارے ملک پاکستان کو سلامت رکھے، آج کل جو طوفان بدتمیزی سوشل میڈیا پر سرگرم ہے، اس کا جواب تو ہمارے پاس نہیں ہے، ہر بندہ دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں لگا ہوا ہے، تمام دو نمبر کام ہماری عوام شوق سے کرتے ہیں، بچوں کے ساتھ تشدد، جنسی زیادتی، پھر ان کا قتل، یہ سلسلہ کرونا جیسے موذی مرض کے باوجود بھی تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے۔ ان لوگوں پر پتھروں کی بارش ہو جائے، تب بھی یہ سخت دل لوگ نہ گھبرائیں، اللہ کی طرف رجوع کرنے کا وقت ہے، آخری دور ہے، بندہ سفید پوشی سے دو وقت کی روزی کما لے، بہت اچھی بات ہے، مگر میرا دل تو ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا ہے، بہت سارے لوگ جو باہر کے ممالک میں محنت مزدوری کرنے گئے تھے، ان کا کام بالکل رکا پڑا ہے، ایک ایک کمرے میں نو دس بندوں کو بند کر دیا ہے، بہت سارے پاکستانی محنت کشوں کا دم گھٹنے کی وجہ سے موت ہو گئی ہے، پی، آئی اے میں نا اہل جعلی پائلٹس کو بھرتی کر کے اب موجودہ حکومت نکال رہی ہے، حکمرانوں کی جعلی ڈگریاں، ہیں، کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں ہے، دسویں فیل حکمران بی اے کا نقلی اسناد بنا کر عیش و عشرت مزے سے زندگی بسر کر رہے ہیں، پاکستان کا اصل جو تھا، پاکستان نام کا مطلب بھلایا جا چکا ہے، سوشل میڈیا پر عوام ایک ہی نعرہ لگا رہے ہیں، پاکستان کا مطلب کیا؟ جو ملے جیب میں ڈال، وہ آج کی عوام بھلا چکی ہے۔ بس ہر بندہ دو، جمع دو پانچ کرنے کے چکر میں ہے، والدین اپنے بچوں کو دھوکہ دینا سکھا رہے ہیں، ان کا بچہ کسی محلے دار کے بچے کو مارتا ہے تو وہ خوشی سے بچے کو پکڑ کر چوم لیتے ہیں، ٹھٹھہ اڑاتے ہیں، میں یہ نہیں کہہ رہا ہم سب ایسے ہیں، مگر ہم میں اکثریت ایسی ہے، جان بوجھ کر خود کو لولہ لنگڑا ظاہر کر کے بھیک منگے بن جاتے ہیں، ساری زندگی اسی طرز عمل پر گزار دیتے ہیں، عورتیں گلی محلوں میں گھوم پھر کر مدارس کے نام پر چندہ اینٹھ رہی ہیں، کچھ لوگ ہر جمعے کو بیرون ممالک میں مساجد کے نام پر بڑے بڑے چندے اینٹھ لیتے ہیں، یہاں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، غلطی سے کوئی پوچھ لے تو تمام عوام مل کر اس کو وہ گالیاں دیتے ہیں اللہ کی پناہ، ہمارا معاشرہ کس طرف جا رہا ہے؟ تباہی و بربادی کی طرف، مگر ہم آل ریڈی اس طرف جا چکے ہیں، پڑوسی ملک کے گانے بچے بچے کی زبان پر زد عام ہیں، مگر کوئی مر جائے، تو بڑوں کو نماز جنازہ پڑھنا نہیں آتا ہے۔ ہم لوگ شادی بیاہ میں بھی تب شرکت کرتے ہیں، جب ہمیں بھوک لگی ہوں، یہاں سارے پارکس بند ہیں، مگر لوگ پارکس کے باہر جمگھٹا لگا بیٹھے ہیں، ڈر میں تمام کہانیاں بہت پیاری اور اچھی ہیں، ہر بندہ چاہے وہ نیا لکھاری ہو، یا کوئی نامور، سب لوگ بہت محنت سے لکھ رہے ہیں۔ محنت بہت

زیادہ کرتے ہیں، مگر تنقید کرنے والے سوچ سمجھ کر بات نہیں کرتے۔ قوس وقزح میں سب کے کلام اچھے تھے۔ سب کی کہانیاں بہت اچھی ہیں۔ سب لوگوں کو سلام، سب نئے دوستوں کو خوش آمدید، سب پرانے لکھاری بہن بھائیوں کو سلام۔ اللہ سب کو سلامت رکھے۔

☆☆ عثمان غنی صاحب: آپ کی حقیقت پر مبنی باتیں پڑھ کر دل افسردہ ہوگیا، ہمیشہ آپ کی باتیں دل کو چھو لینے والی ہوتی ہیں، آپ ہمیشہ رائٹروں کی دل شکنی نہیں بلکہ حوصلہ بڑھاتے ہیں، حالات اونچے نیچے ہوتے رہتے ہیں، گھبرانا نہیں چاہئے، یہی جوانمردی ہے۔ کاش کہ ہم لوگ دوسرو کا خیال رکھیں اور دوسروں کے ساتھ بھلائی کریں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حوصلہ اور تندرستی دے آپ پر اپنا فضل وکرم کرے۔ اپنا خیال رکھئے گا۔ شکریہ۔

ذیشان سمیر گلاب ٹاؤن سے، جولائی کا شمارہ اس بار جلدی ملا، خطوط کی محفل میں اچھے خطوط تھے، عثمان غنی خان نے بہت اچھی باتیں لکھی ہیں، فلک زاہد کومس کیا، اس ماہ، کائنات بلوچ، امرحہ خان؛ بینا خان، بلال، دل نور، فریال عروج، مہرینہ غلام، کے خطوط پسند آئے۔ پورا ڈر پڑھا۔ اول کہانی کالی شکتی نے خوب رنگ جمایا۔ خبیث بہت اچھی اسٹوری لکھی ہے۔ قاتل لکھاری مجھے بے حد پسند ہے۔ نئی کہانی جلتے گلاب قسط نمبر 2 عثمان غنی خان بھائی بس نام ہی کافی ہے، واہ بہت امیزنگ ونڈرفل کہانی ہے، شیطانی ہوس بہت اچھی کہانی تھی، ایجاد بھی اچھی لگی۔۔

☆☆ ذیشان سمیر صاحب: دل کی گہرائی سے کہانی کی پسندیدگی اور آئندہ ماہ بھی خط لکھنا نہ بھولئے گا۔ آپ کا خط پڑھ کر دل بہت خوش ہوا، Thanks۔

ضیاب عالم ساہیوال سے، اس ماہ کا ڈر بہت مشکلوں سے ملا، قرآن کی باتیں، ہمیشہ کی طرح سب سے بہترین رہیں، سب سے پہلے خطوط کی بات کرتے ہیں۔ عثمان غنی خان آپ نے کمال کا تجزیہ لکھ کر ہمارا دل جیت لیا ہے۔ ڈر کی محفل میں سب دوستوں کو خوش آمدید.....! سب کو سلام۔ اسی لیے تو خان صدر محفل ہے۔ باقی اچھے تبصرہ نگاروں کو کائنات بلوچ، مہرینہ، بسمہ، بینا، ویلڈن...! آپ کے خطوط بہت خوبصورت تھے بہت پسند آئے، بیوفا بے حد مزے دار انوکھی واچھوتی تحریر تھی۔ پہاڑی چڑیل بہت خوبصورت کہانی ہے۔ ناگ ناگن اچھی لگی ہے، جلتے گلاب، عثمان غنی کی دوسری قسط بے حد پسند آئی، تیسری قسط کا بے صبری سے انتظار ہے۔

ضیاب عالم صاحب: ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، آپ کا خط لکھنے کا انداز بہت اچھا ہے، خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، آئندہ ماہ بھی آپ کے خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔

عبدالرؤف ہائی وے تارو جبہ سے، السلام علیکم.....!!! جولائی کا ڈرڈائجسٹ بہت مشکلات سے مل گیا، ٹائٹل اچھا تاثر دے رہا تھا، کہانیوں کی فہرست دیکھی، پھر خطوط کی محفل میں آگئے۔ عثمان غنی خان صاحب جو کچھ بھی کہا، ٹھیک کہا، اور اچھے انداز میں سب کو سمجھایا۔ بلقیس نے بھی جو لکھا اچھا لکھا، این اے کاوش نے بہت اچھا خط لکھا، ساجدہ راجہ کا خط لکھنے کا انداز بہت اچھا ہے، ایس امتیاز میرے خیال میں ڈر آپ کے بنا ادھورا ہے، مہرینہ کا خط بھی پسند آیا۔ اس ماہ کہانیوں میں یہ کہانیاں مجھے بہت اچھی لگیں۔ پہلی کہانی کالی شکتی بہت اچھی تھی۔ خبیث اچھی کہانی تھی، ایجاد بھی اچھی تھی۔ دخل در معقولات میری من پسند رہی۔ واپسی کہانی پسند آئی، قاتل ساحرہ کا لکھاری بہت خوب۔ انوکھا عشق بہت آمیزنگ اسٹوری تھی، جلتے گلاب قسط نمبر 2 عثمان غنی خان، روانی میں پڑھی، بے حد خوبصورت، اور جدید، بالکل الگ کہانی ہے۔ کہانی کا آغاز بہت زبردست تھا۔

☆☆ عبدالرؤف صاحب: ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید، خط لکھنے، کہانیوں کی تعریف اور آئندہ ماہ بھی خط لکھنے کے لئے شکریہ قبول کرے۔

ابرار بشیر یونی ٹاؤن سے، السلام علیکم ڈرڈائجسٹ ماہ مئی اور جون نہیں مل سکا، جبکہ جولائی کا بہت مشکلات سے ملا، اس ماہ کا ٹائٹل کافی شاندار تھا۔ خطوط میں بلقیس خان، عثمان غنی خان کے خطوط بے حد پسند آئے۔ عثمان غنی خان کی کہانی پہلے پڑھی۔ اس ماہ پہلی بار، ایس امتیاز احمد کی کہانی نا پا کر افسوس ہوا، پہلی کہانی کالی شکتی ایک بہت پیاری اور اچھی عمدہ کہانی تھی، قاتل لکھاری بلکہ بہترین عمدہ کہانی ہے۔ واپسی بہترین رہی، قاتل ساحرہ واہ مزہ آگیا۔ انوکھا عشق واہ از بردست، بے وفا بالکل بھی پسند نہیں آسکی، ناگ ناگن اچھی لگی۔ منوت کی سرگوشی بالکل بھی پسند نہیں آئی، جلتے گلاب قسط نمبر 2 بہت زبردست کہانی ہیویلڈن عثمان غنی۔

☆☆ ابرار بشیر صاحب: آپ کا خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، آپ کے خط کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے، آئندہ ماہ بھی خوبصورت خط لکھنا نہ بھولئے گا۔ شکریہ۔

بلال تابش کوہاٹ سے، جولائی کا شمارہ اس بار مشکلات سے بھرپور ملا۔۔۔!! خطوط میں عثمان غنی خان آپ کا خط بہت اچھا اور مثبت ہوتا تھا۔ آپ نے جو کچھ لکھا دل سے لکھا، مہرینہ، امرحہ، روہانیہ، شاداب، عامر شہزاد، سردار رومائصہ، وغیرہ کے خطوط اچھے تھے پسند آئے، سب کے اشعار و انتخابات بھی بہت بہت پسند آئے۔ آرٹیکل بھی اچھے لگے۔ لطائف بہت پیارے تھے۔ ٹائٹل کور پیارا تھا۔ اول صفحات سے کہانی کالی شکتی شروع کردی کہانی اچھی تھی، جلتے گلاب قسط نمبر 2 عثمان غنی خان نے توقعات سے بڑھ کر رسپونس لے لیا، اتنا چھا لکھا کہ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ قاتل لکھاری کہانی میری من پسند رہی، انوکھا عشق اس کہانی نے دل ہی جیت لیا۔ واپسی اچھی بہترین کہانی رہی۔ قاتل ساحرہ میری من پسند کہانی رہی۔ سالگرہ ایک دم زبردست کہانی ہے۔ دخل در معقولات بہت اچھی اسٹوری لکھی۔

☆☆ بلال صاحب: آپ کا خط اچھا لگا اور دل خوشیوں سے جھوم اٹھا، آئندہ ماہ بھی آپ کے دل پسند خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔

ازمیر شاہ میران شاہ سے، ڈرڈ انجسٹ کا شمارہ کافی مہینے سے ملا نہیں، پھر جب ملا، تو دل خوشی سے جیسے پاگل ہوگیا۔ سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں، کافی دل کو سکون عطا کر گئیں۔ پھر خطوط کی محفل میں چلے گئے، عثمان غنی خان نے جاندار تبصرہ کر کے دل جیت لیا۔ ویلڈن بہت زیادہ اچھا لکھا۔ عثمان غنی خان آپ کا خط بہت بہت اچھا لگا۔ این اے کاوش صاحب آپ جو کہہ رہے ہیں۔ ٹھیک کہہ رہے ہیں، ہاں بالکل شاداب سکندر نے درست فرمایا ہے، پہلی کہانی کالی شکتی مجھے پسند آئی، کیونکہ یہ کہانی بہت اچھی اور بہتر ہے۔ ایجاد بھی ایک بہترین اور اچھی کہانی ہے۔ قسط وار تحریروں میں صرف اور صرف جلتے گلاب بہت اچھی جارہی ہے۔ قاتل لکھاری اتنی بھرپور اور مزے دار کہانی واہ مزہ آگیا، ناگ ناگن سیدھی دل میں اتر گئی ہے۔ سالگرہ بہت بھرپور کہانی ہے۔ واپسی کہانی اچھی تھی۔ بے وفا بھی زبردست تھی۔ قاتل ساحرہ کہانی بہت اچھی رہی، انوکھا عشق بھی مجھے مکمل طور پر پسند آگئی۔۔۔

ازمیر شاہ صاحب: ڈرڈ انجسٹ میں ویلکم، آپ کو ڈرڈ انجسٹ اچھا لگا اور کہانیاں بھی پسند آئیں اس کے لئے شکریہ قبول کریں۔ آئندہ ماہ بھی آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔ Thanks۔

موصل خان کراچی سے، السلام علیکم۔۔۔!! امید واثق ہے کہ ادارہ بخیر و خیریت ہوگا ہر طرف کرونا کا بول بالا ہے، بس اللہ کا خیر ہو، ڈر کا نیا شمارہ لیٹ ملا۔ عثمان غنی خان آپ کی ساری باتیں بالکل درست ہیں، آپ میرے فیورٹ رائٹر ہیں، فریال عروج نے بہت اعلیٰ تبصرہ پیش کیا تھا۔ اول صفحات پر کالی شکتی بہت بے مثال تحریر ہے۔ ایجاد نے جادوئی قلم کا بخوبی استعمال کیا، انوکھا عشق مدتوں یاد رہے گی۔ عبرت ناک موت کہانی بھی اچھی تھی، جلتے گلاب نمبر 2 عثمان غنی خان آپ نے بہت پیاری تحریر لکھی۔ نگینے کی طرح فٹ تھی۔ اس کہانی میں مجھے سوہا کا کردار بہت پسند آرہا ہے، زین بھی اپنے کردار کو بہت اچھے انداز میں پیار کر رہا ہے۔ قاتل ساحرہ شاہکار کہانی اس ماہ کی سب سے خاص الخاص تحریر ہے۔ بے وفا ویلڈن یونیک کہانی ہے۔ قاتل لکھاری بہت اچھی ہے، ڈرڈ انجسٹ مجھے بہت پسند ہے، اللہ ڈر کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے۔

☆☆ موصل خان صاحب: ڈرڈ انجسٹ میں بہت بہت خوش آمدید، دل سے لکھا ہوا آپ کا خط پڑھ کر اچھا بلک بہت اچھا لگا، آئندہ ماہ بھی خط لکھنا نہ بھولئے گا۔

شاہین اسلم ٹیکسلہ سے، تین مہینے کے بعد ڈر ملا، تو دل کو کچھ سکون حاصل ہوا، اور اس بار کور بہت پیارا تھا، سب سے پہلے قرآن کی باتوں سے شروعات کی۔ پھر خطوط کی محفل میں آئے، عثمان غنی خان کا خط بے حد پسند آیا، سب کو خوش آمدید، اور سب کو سلام، دل کرتا ہے، مجھے بھی پورے دل سے ویلکم کہا جائے۔ اس بار خطوط میں کافی اچھی باتیں کی گئی تھیں۔ سب کے تبصرے مثبت تھے، اس ماہ اول صفحات پر قابل قدر تحریر کالی شکتی تھی، گڈ پیاری دل سے سراہنے والی کہانی ہے۔ ایجاد کا اچھا نیا موضوع تھا۔ انوکھا عشق اچھی کہانی ہے، جلتے گلاب قسط نمبر 1 تو نہیں پڑھ پائی، قسط نمبر 2 عثمان غنی خان کی لکھی ایک ایسی کہانی ہے جو بہت زیادہ سراہنے کے قابل ہے۔ عثمان غنی خان بہت اچھی عمدہ اور کہانی لکھتے ہیں۔ عبرت ناک موت بہترین کہانی ہے جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ بے وفا اچھی کہانی ہے۔ قاتل لکھاری مجھے دل سے پسند آگئی ہے۔ پہاڑی چڑیل اچھی اور پیاری تھی۔ ڈراؤنی مخلوق بھی بہترین کہانی تھی۔ ناگ ناگن کہانی بہت بہت اچھی لگی۔ واپسی بے حد اچھی لگی۔ قاتل ساحرہ بھی بس خاص تھی، دخل در معقولات اچھی کہانی تھی۔

شاہین اسلم صاحب: ڈرڈ انجسٹ میں موسٹ ویلکم، آپ کا خط پڑھ کر بہت زیادہ دلی خوشی ہوئی، امید ہے آئندہ بھی دلکش خط ارسال کر کے شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔ Thanks۔

عبیرہ گل احمد کوہاٹ سے، ڈیئر ایڈیٹر السلام علیکم! جولائی کا ڈائجسٹ کتنے چکروں کے بعد مل ہی گیا۔ ٹائٹل بہت خوبصورت تھا، لڑکی بہت پیاری تھی۔ ادارے نے جو قرآن کی باتیں دی تھیں، پہلے پڑھیں۔ پھر خطوط کی طرف چلے آئے، ارے واہ، عثمان غنی خان بھائی بہت زبردست تبصرہ کیا ہے، بلقیس خان پیارا تبصرہ کیا ہے، شاداب آپ نے بہت اچھا خط ہے۔ اب ہو جائے کہانیوں پر تبصرہ تو اس مہینے کے شمارے میں پہلے صفحات پر کالی شکتی تحریر بہت دم دار کہانی تھی۔ قاتل لکھاری بہت یونیک کہانی تھی۔ عثمان غنی خان جلتے گلاب قسط نمبر 2 ایک اور بہترین کہانی جس کے ہر کردار نے اپنی الگ انفرادیت دکھائی، کہانی بہت آمیزنگ اور اچھی لگی، کہانی اول سے آخر تک پڑھنے کے باوجود بور نہیں کرتی ہے۔ کہانی کے ہیرو کا کردار واقعی بہت زبردست ہے، جہاں اس کی زندگی میں بہت کچھ ہو رہا ہے، وہ پھر بھی اپنی ہیروئن کی تلاش کسی صورت میں ترک نہیں کرتا ہے، سالگرہ کہانی نے الجھایا، عبرت ناک موت ایک جاندار اور اچھی کہانی تھی، قاتل ساحرہ اس جیسی کہانیاں کم لکھی جاتی ہیں۔ جو کہ زبردست ہے پہاڑی چڑیل بھی بس گزارہ لائق تھی۔ بے وفا بہت پیاری تحریر تھی۔ واپسی بھی بہت اچھی تھی۔

☆☆ عبیرہ گل صاحبہ: موسٹ ویلکم، آپ نے ڈرڈائجسٹ کو پسند کیا پڑھا اور پھر خط لکھا اس کے لئے بہت بہت شکریہ، دل کی گہرائی سے لکھا ہوا خط آئندہ ماہ بھی لکھنا نہ بھولئے گا۔ Thanks۔

امرحہ خان ملتان سے، جولائی کا ڈرڈائجسٹ مل گیا۔ مگر بہت زیادہ لیٹ، اس بار بہت زیادہ نئے دوستوں کے خطوط شامل تھے، سب کو خوش آمدید، ٹائٹل پیج بہت پیارا تھا۔ مجھے اچھا تو بہت لگا، اس بار بھی میری طرح سب کو ٹائٹل پسند آیا ہوگا۔ عثمان غنی خان آپ نے جو بھی لکھا بہت خوب لکھا، بلقیس خان آپ کا خط بے حد پسند آیا۔ خطوط میں جتنے بھی لوگوں نے تبصرے کیے تھے وہ بیحد پسند آئے۔ دل نور کا تبصرہ اچھا رہا۔ فریال عروج آپ کا تبصرہ بھی بہت اچھا لگا۔ خط بھی اچھا لگا اور پسند آیا۔ اس ماہ کی پہلی کہانی کالی شکتی بہت اچھی کہانی ہے۔ خبیث واقعی اسپیشل کہانی لکھی ہے۔ قاتل لکھاری خوبصورت کہانی ہے۔ بے وفا کہانی بھی اچھی لگی۔ جلتے گلاب قسط نمبر 2 عثمان غنی خان کو پڑھ کر بے حد مزہ آیا۔ سوہا کا کردار اب کھل کر سامنے آرہا ہے، پلیز کہانی کے آخر میں سوہا کو کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ سوہا اور زین کو اس بار ایک ہو جانا ہوگا۔۔۔!! شیطانی ہوس امیزنگ کہانی ہے۔ عبرت ناک موت بہت اچھی کہانی لکھی ہے۔ قاتل ساحرہ بہت نائس کہانی ہے۔ انوکھا عشق چونکانے والی تحریر رہی، جنات کا سایہ اچھی کہانی لکھی ہے۔ باقی نہیں پڑھا، مگر بہت اچھا ہوگا۔ قوس وقزح بہت زبردست سلسلہ ہے۔

☆☆ امرحہ صاحبہ: آپ کا دلکش خط پڑھ کر بہت اچھا لگا، آپ کا خط دل میں اتر گیا۔ واہ جواب نہیں آپ کا اندازہ لکھنے کا بہت خوب ہے، آئندہ ماہ بھی آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

بلقیس خان پشاور سے، السلام علیکم! جولائی کا ڈرڈائجسٹ بس مل ہی گیا۔ ٹائٹل اتنا ہارر نہیں تھا۔ ویسے عظیم انکل! ٹائٹل ہارر بنایا کریں۔ خیر اس ماہ کے ڈر پر تبصرہ، پہلے قرآن کی باتیں پھر خطوط اور کہانیوں پر بات کرتے ہیں، عثمان غنی خان کا خط بہت زیادہ پسند آیا، میں سوچ رہی ہوں، ہم کس طرف جا رہے ہیں؟ ہم لوگ ذرا سی سخت بات برداشت نہیں کر سکتے ہیں، تو ہم لوگ ترقی کیسے کر سکیں گے۔ ہم وہ لوگ ہیں، جو دوسروں کی ذاتیات میں گھس کر ان کے کردار کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیتے ہیں، دو لوگ جب بھی کبھی بات کرتے ہیں، وہ چغلی لگا کر خوش ہو رہے ہیں، ہماری تربیت وہ کیوں نہ ہو سکی، جو ہمارے لیے اللہ نے پسند فرمائی ہے، ہمارے ملک کا نام پاکستان ہے، ہمارے ملک میں اسلامی قانون ہے، مگر ایسا نہیں ہے، ہمارے ملک کا قانون انگریز کا قانون ہے، ہم لوگ نہ اسلامک قانون اپنا سکے، نا انگریزی قانون پر عمل کر سکے، قانون کس چڑیا کا نام ہے، عام انسان کی سوچ سے یہ چیز بالکل بالاتر ہے، وہ جس جہالت کے ساتھ پڑھتا بڑھتا ہے، وہی اس کے لیے سب کچھ ہوتا ہے۔ کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی ہو رہی ہوتی ہے، تو دوسرے لوگ اس انسان کو روکنے کے بجائے اس کی ویڈیو بنا کر سوشل میڈیا پر اپلوڈ کر دیتے ہیں، دوسرے لوگ برے بھلے گالی گلوچ کمینٹس میں لکھ کر اپنے آپ کو انصاف پسند ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ویڈیو بنانا اتنا اہم نہیں ہے، جتنا اس شخص کو ظلم سے باز رکھنا، اسے روکنا اہم ہے۔ واہ رے پاکستان کے عوام اور حکمران، عوام آپس میں لڑ بھڑ رہی ہے اور حکمران اقتدار کے لیے برسرپیکار ہیں۔ کے پی پولیس، نے تو کرونا کے دوران وہ کارنامے سرانجام دیے، کہ اس کا ذکر عجیب لگتا ہے۔ جہاں تک پولیس میں بھرتی جوانوں کی بات ہے، تو افسوس کی بات ہے، وہ جوان قانون نہیں جانتے ہیں، جس کا جو دل کرتا ہے، وہ کرتا چلا جاتا ہے، یہاں ایک ان پڑھ انسان سے

کیا گلا کریں، یہاں تو بڑے افسران، خودغرض کا شکار ہیں۔عوام کرونا بیماری کو مانتی نہیں ہے، ہر گلی میں بچے کھیل رہے ہیں، تو پھر اسکولز کیوں بند ہیں؟ لائیو کلاسز میں ٹیچرز کی بے عزتیاں کی جارہی ہیں، کوئی مرغی کی آوازیں نکالتا ہے، کوئی بطخ کی، کوئی گینڈے کی، کوئی کیا کیا۔۔۔!! پہلی کہانی کالی شکتی مجھے بہت پسند آئی۔خبیث بے حد عمدہ طرز تحریر کو لکھ کر باذوق ہونے کا ثبوت دے دیا۔ایجاد بھی پسند آئی۔ پہاڑی چڑیل بالکل بھی پسند نہ آئی۔عبرت ناک موت بھی پسند نہ آئی۔قاتل لکھاری چارم لوز کر گئی تھی، شیطانی ہوس اچھی تھی۔ سالگرہ کہانی بھی بہت اچھی تھی، انوکھا عشق عمدہ اور خوبصورت رہی، پھر جلتے گلاب قسط نمبر 2 عثمان غنی خان کی طرف دوڑ پڑے، سوہا کا کردار بہت اسٹرانگ ہے، اس کردار نے میرا دل جیت لیا ہے، زین بھی بہت اچھا کردار ہے، ہیرو ہو تو ایسا۔۔۔!! اتنا عمدہ لکھنے پر دل سے مبارک باد قبول کریں۔

☆☆ بلقیس صاحبہ: آپ کی تمام باتیں حقیقت پر مبنی ہیں، انہیں پڑھ کر دل بہت افسردہ ہوا، ہم عوام ایک دوسرے کے احساس نہیں کرتے۔اپنی ذمہ داریوں کی پروا نہیں کرتے، قانون، قانون نہیں ہے عمل تو دور کی بات ہے، خیر اللہ ہم پر رحم و کرم کرے اور ہدایت دے۔

بینا خان اسلام آباد سے، ماہ جولائی کا ڈر بہت بلکہ بہت دیر سے ملا۔قرآن کی باتیں بہترین ہیں، خطوط کی محفل بے حد پسندیدہ ہے جہاں آپ سے اور باقی سب سے ملاقات تو ہو جاتی ہے۔مگر یہاں کوئی امن سے رہنا پسند نہیں کرتا ہے۔سیاسی صورتحال ملک میں ابتر ہے۔بلقیس خان، عثمان غنی خان، بہت اعلیٰ تبصرہ لکھتے ہیں، دل نور عبیر، بینا خان، شاداب سکندر، فریال عروج، بسما خان، کائنات بلوچ، کے خطوط دل کی گہرائیوں سے پسند آئے، ڈر کا شمارہ اس ماہ کا اچھا تھا۔کالی شکتی کہانی خوب پسند آئی۔ایجاد بھی پسند آئی۔ناگ ناگن مجھے بالکل بھی پسند نہیں آئی، اسی طرح کافی لکھا جا چکا ہے۔عبرتناک موت بھی پسند نہ آئی۔قاتل لکھاری بہت نائس تھی۔بے وفا اسٹوری! بہت بہت اچھی تھی۔جلتے گلاب دوسری قسط عثمان غنی خان یو آر گریٹ۔بہت زبردست کہانی ہے، میں نے جیسے ہی پڑھی، دل بے اختیار جھوم اٹھا، کہانی میں سوہا اور زین کے ساتھ کچھ بھی برا نہیں ہونا چاہیے۔کہانی کا اچھوتا موضوع تھا۔بہترین منظر نگاری نے کہانی کو نمبرون تحریر کہنے پر مجبور کیا، جلتے گلاب کی تیسری قسط کا شدت سے انتظار ہے۔قاتل ساحرہ بھی بہترین کہانی تھی، خیر میری دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ خوب ترقی کرے۔

☆☆ بینا صاحبہ: اچھا اور دل پذیر خط لکھ کر دل جیت لیا، دل پسند خط پڑھ کر بہت زیادہ اچھا لگا، آئندہ ماہ بھی خط لکھنا نہ بھولئے گا۔شکریہ۔

بسما خان نوشہرہ وا کینٹ سے، السلام علیکم....!! جولائی کا ڈائجسٹ مل تو گیا، مگر بہت لیٹ، سب کو سلام، سب کے خطوط بے حد پسند آئے، عثمان غنی خان نے جو کچھ بھی لکھا، وہ داد کے قابل ہے۔بہت اعلیٰ تبصرہ لکھا ہے، بالکل سچ لکھا ہے۔بلقیس خان بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں، اس ماہ کا شمارہ بے حد اچھا ہے کیونکہ اس میں اچھی کہانیوں کو جگہ دی گئی ہے۔کالی شکتی سب سے پہلے پڑھی۔کہانی بہت اچھی ہے۔خبیث اچھی کہانی ہے، ایجاد آپ کو کہانی پر مبارک باد قبول ہو۔پہاڑی چڑیل کہانی بہت اچھی اور شاندار و جاندار تھی۔قاتل ساحرہ واہ کمال کہانی ہے، واپسی کا جواب نہیں، ویلڈن، جلتے گلاب قسط نمبر 2 عثمان غنی خان۔۔۔!! دل سے پڑھی، عثمان غنی خان بہت یونیک، اور نئے سوچ کی حامل تحریر ہے، کہانی کے دونوں ہیرو ہیروئن بہت زبردست ہیں۔شیطانی ہوس کہانی کو دل سے سراہ رہی ہوں، انوکھا عشق من پسند رہی۔سالگرہ نایاب کہانی رہی۔بے وفا بھی بہترین کہانی لگی۔

☆☆ بسما صاحبہ: آپ کا خط پڑھ کر دل بلیوں اچھلنے لگا، کم لکھا بلکہ بہت کچھ لکھا، امید ہے آئندہ ماہ بھی خط بھیج کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔

کائنات بلوچ بلوچستان سے، السلام علیکم! جولائی کا ڈائجسٹ مل گیا، تو دل خوشی سے جیسے پاگل ہو گیا۔سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھی کافی دل کو سکون عطا کر گئی۔پھر خطوط کی محفل میں چلے گئے، عثمان غنی خان کا خط ٹاپ پر دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو گیا تھا، آپ بے حد اچھا لکھتے ہیں، آپ کا لکھا بے حد اچھا ثابت ہوتا ہے۔بلقیس خان کا بھی جواب نہیں، ملک این اے کاوش گڈ۔ویسے باقی سارے خطوط بھی اچھے تھے۔ذیشان سمیر کا خط بہت بہت اچھا لگا۔بلال کا خط نائس تھا، رومانہ کا خط اچھا ہے، فریال عروج آپ کا خط اچھا ہے، سردار اعظم، شاداب سکندر کا خط اچھا تھا، پہلی کہانی کالی شکتی بہت پیاری رہی، قاتل لکھاری نے نیا انداز اپنا کر دل خوش کر دیا۔پہاڑی چڑیل بہت اچھی لگی۔ناگ ناگن یہ کہانی ڈر کی جان دار کہانی ہے۔بے وفا کہانی خوب تر رہی، انوکھا عشق بہت ہی پیاری تحریر رہی، قاتل ساحرہ کہانی اچھی تھی۔واپسی بھی بس اچھی تھی۔جلتے گلاب قسط نمبر 2 عثمان غنی خان، اس کہانی نے دل جکڑ لیا ہے۔کہانی کے ہیرو ہیروئن کو آخر میں ملوانا ہے، پلیز، سوہا بہت معصوم دکھتی ہے، زین کا کردار بھی بہت اچھا ہے، پلیز، اس بار نو مور سیڈنس۔۔۔!! باقی ڈائجسٹ ابھی زیر مطالعہ ہے۔

☆☆ کائنات صاحبہ: بہت خوب دل سے لکھا ہوا خط پڑھ کر دل جیسے جھوم اٹھا اور آپ کے لئے دل سے دعا نکلی کہ جیو ہزار سال، آئندہ ماہ بھی دل پسند کا شدت سے انتظار رہے گا۔ Thanks۔

خانسہ غیور سوات سے، ماہ جولائی کا ڈر بہت لیٹ ملا، ماہ جولائی کا ڈر جلد ملنے کی خوشی بہت ہوئی، اور اس ماہ خطوط کافی اچھے تھے۔ سب سے پہلے قرآن کی باتوں سے شروعات کی، پھر خطوط کی محفل میں آئی، ارے واہ بہت اچھے تبصرے تھے، سب کو خوش آمدید اور سب کو سلام، اس بار خط عثمان غنی خان نے اچھا اور مثبت تبصرہ لکھ کر دل جیت لیا۔ بلقیس خان آپ کا تبصرہ دیکھ کر خوشی سے بے حال ہوگئی۔ ملک این اے کا تبصرہ بھی بہت عمدہ اچھا، نائس اور پوز یٹو تھا۔ !! مگر ملک بھائی، ملک میں کرونا آل ریڈی موجود ہے، پلیز کہانیوں میں کرونا نہ لائیں، قاتل لکھاری سب سے پہلے پڑھی بہت اچھی مزے دار کہانی ہے۔ کالی شکتی بے حد مزے دار کہانی رہی، سالگرہ بہت عمدہ لکھا۔ بے وفا اس کہانی میں آخر تک کہانی دم خم موجود تھا۔ قاتل ساحرہ اچھی لکھی، جلتے گلاب دوسرا حصہ عثمان غنی خان کی لکھی اس کہانی نے تو مانو دل ہی جیت لیا ہے۔ کہانی کے مین کردار دونوں بہت بھرپور ہیں، کہانی میں اس بار سوہا کے سارے مناظر پسند آگئے ہیں۔ انوکھا عشق بھرپور رہی۔ بے وفا کہانی نے بہترین کہانیوں میں اپنے آپ کو منوایا۔ عبر تناک موت کامیاب رہی۔ ایجاد بہترین اور اچھی لگی۔ خبیث گزارہ لائق تھی۔ ڈراؤنی مخلوق باقی کہانیوں میں قابل ذکر ہے۔

☆☆ خانسہ صاحبہ: آپ کا خط پڑھ کر دل خوش ہوگیا، خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے بہت بہت شکریہ، عثمان غنی حقیقت میں نمبر دن جا رہے ہیں، ان کی جتنی بھی تعریف کریں کم ہے، اللہ تعالیٰ عثمان غنی کو اور بھی زور قلم دے۔ (آمین)

نوری بشریٰ یونی ٹاؤن سے، السلام علیکم، جولائی کا ٹائٹل اچھا تھا، پہلے قرآن کی باتیں دل و دماغ کو فرحت بخش سکون دے گئیں، خطوط میں، عثمان غنی خان اس بار فل فارم میں نظر آئے، بلقیس خان صاحبہ اس بار بہترین تبصرہ کیا، امرحہ خان، کا تبصرے دل کو چھو گئے، شاداب سکندر گڈ آپ کا لکھنے کا انداز بہت اچھا ہے، ویسے ایس حبیب، کی کمی خطوط میں محسوس ہوتی رہی، خانسہ، ایس امتیاز، سردار اعظم، مہرینہ، امرحہ، فریال، دل نور، ذیشان سمیر، رمایسہ کے خط بھی پسند آئے۔ اول صفحات پر موجود کہانی کالی شکتی بے پسند آئی، قاتل لکھاری نے اچھا لکھ کر کہانی کا زبردست اینڈ کیا۔ عبر تناک موت پسندیدہ کہانی مجھے پسند آگئی، سالگرہ بہت اچھی کہانی رہی۔ پہاڑی چڑیل کہانی کافی اچھی لگی، انوکھا عشق بالکل اچھی تھی۔ جلتے گلاب قسط نمبر 2 عثمان غنی خان پڑھ کر کہانی کے بارے میں اتنا کہوں گی۔ بہت نائس، اور دم دار کہانی ہے، تیسری قسط کا ابھی سے بے صبری انتظار کر رہی ہوں، ویسے ڈر جس دو ماہ نہیں ملا، میرا تو مانو وقت ہی پاس نہیں ہو رہا تھا۔

☆☆ نوری صاحبہ: اپ کد دل خوش کرنے والا خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، کم لکھا مگر زبردست لکھا، جواب نہیں، آئندہ بھی خط لکھنا بھولیں گی تو نہیں۔

سائرہ خان کوہاٹ سے، ڈیئر ایڈیٹر صاحب یقین ہے پورا ادارہ اللہ کے کرم سے خیر و عافیت سے ہوگا، کرونا جیسے موذی مرض سے اللہ تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے (آمین)، جیسے ہی جولائی کا ڈائجسٹ ملا۔ دل خوشی سے جیسے باغ باغ ہوگیا۔ قرآن کی باتیں بہت خوبصورت اور دیدہ زیب لگیں، دل میں سکون پہنچانے کا سبب بن گئیں، خیر خطوط کی محفل میں پہنچے، بلقیس خان نے بے حد عمدہ لکھا تھا۔ عثمان غنی خان کا خط بہت پیارا لگا۔ آپ نے اس بار سچائی کو دل سے لکھا ہے، ملک کی حالت بالکل ایک ایسی خراب ریل گاڑی کی ہے، جو بنا ڈرائیور کے چل رہی ہے۔ روہانیہ خط آپ نے اچھا لکھا ہے، شاداب سکندر آپ کا خط بے حد پیارا لگا۔ ذیشان سمیر آپ کا تبصرہ بے حد پسند آیا۔ مہرینہ دل جیت لیا، بلال کا تبصرہ بھی ٹھیک تھا۔ اللہ سب کو خوش رکھے۔ سب کو سلام قبول ہو۔ اس ماہ جولائی کی کہانیاں کافی اچھی تھیں۔ پہلی کہانی کالی شکتی شاہکار تحریر ثابت ہوئی عثمان غنی خان جلتے گلاب لکھ کر میں دل سے آپ کی مشکور ہوں، یہ کہانی تو میری جان بن گئی ہے، اس کے تیسرے قسط کا شدت سے انتظار کر رہی ہوں، خبیث آپ نے جتنی اچھی شروعات کی ہے واؤ۔ ایجاد بالکل بھی پسند نہ آئی۔ ڈراؤنی مخلوق خوبصورت کہانی تھی۔ شیطانی ہوس دل سے پڑھنے والی تحریر ہے۔ جنات کا سایہ اچھی ہے۔ بے وفا بھی پسند آئی۔ انوکھا عشق پسند نہ آسکی۔ قاتل ساحرہ عمدہ تحریر لکھی ہے۔

☆☆ سائرہ صاحبہ: آپ کو ڈر کی کہانیاں پسند آئیں بہت خوب جواب نہیں، آپ کا دل کی گہرائی سے لکھا ہوا خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، اور امید ہے کہ آئندہ بھی خوشی کا خیال رکھیں گی۔ اللہ حافظ۔

☆☆

بے چین روح

رضوان علی سومرو۔ کراچی

اچانک آواز گونجی تمہارا وہم تمہیں ایک دن کہیں کا بھی نہیں چھوڑے گا اور تم نے یہ قدم شیطانی قوت کو سکون دینے کے لئے اٹھایا پھر بھی تم کامیاب نہ ہوئے اور تمہارا انجام تمہیں......

خوف کے افق پر چنگھاڑتی ہوئی...... اپنی نوعیت کی...... عجیب وغریب...... کہانی

رات کے 8 بج چکے تھے۔ ماہ دسمبر کی نہایت سرد رات تھی۔ چاروں طرف ٹھنڈی اور سرد ہواؤں نے ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ اتنی سرد رات میں گھر سے نکلنا نہایت ہی دل گردے کا کام تھا۔ لیکن میری کاروباری مجبوری ہی ایسی تھی کہ میں نہ دن دیکھتا اور نہ ہی رات چنانچہ مجھے کلائنٹ سے ارجنٹ میٹنگ کے سلسلے میں ہوٹل پہنچنا تھا۔ کیونکہ میرے کاروباری دوست اس میٹنگ کے بعد دوسرے ملک کے لئے روانہ ہوجاتے۔ اگر آج یہ میٹنگ رہ جاتی تو اگلے دو ماہ تک کوئی موقع نہ تھا۔ چنانچہ فون آنے پر میں نے فوراً ہی تیاری پکڑلی تھی۔

میرے اس وقت اور اتنی سردی میں باہر جانے کا سن کر نتاشا نے منہ بناتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کیا جانا ضروری ہے......'' اس نے ٹی وی پروگرام سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ فون آنے سے کچھ دیر قبل ہم دونوں ساتھ بیٹھ کر نتاشا کا من پسند ٹی وی پروگرام دیکھ رہے تھے۔

''بالکل......'' میں نے تولیہ اٹھا کر باتھ روم میں گھستے ہوئے کہا۔

''تمہارا یہ کاروبار تو میرا رقیب بن کر رہ گیا ہے۔ جب دیکھو بزنس، جناب کے لئے بیوی کو دینے کے لئے وقت ہی نہیں......'' وہ باتھ روم کے باہر سے ہی چلا کر بولی۔ ''چلانے کا کوئی فائدہ نہیں جان من...... تم جانتی ہو کروڑوں کی ڈیل ہے...... پیرس والی پارٹی پھر نہیں آئے گی......'' میں نے نہا کر باہر نکلتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں سب جانتی ہوں......'' وہ منہ بنا کر دوبارہ سے ٹی وی دیکھنے لگی۔ میں جانتا تھا نتاشا کا ٹی وی دیکھنا تو خفگی کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ اسے منہ بناتا دیکھ کر میں فوراً ہی لپک کر اس کے پہلو میں جا کر بیٹھ گیا اور ایک آزمودہ ترکیب اپلائی کرتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے جانم...... تم اگر نہیں چاہتی تو میں نہیں جاتا...... زیادہ سے زیادہ نقصان ہوجائے گا...... اور میرا آسمان چھونے کا خواب خواب ہی رہ جائے گا......''

میں نے فوراً بیڈ سے اٹھ کر شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے کہا۔

میرا یہ جذباتی حملہ کارگر ثابت ہوا۔ اس نے فوراً ہی مجھے کپڑے بدلنے سے روک دیا اور بولی۔

''آپ کے نہ جانے سے نقصان ہوتا ہے تو ضرور جائیں میں نہیں چاہتی کہ آپ کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنوں۔''

اتنا سننا تھا کہ میں اسے فوراً خود سے لپٹا لیا......

ایک طویل بوسہ کے بعد میں نے اسے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ سب میں تمہارے لئے تو کررہا ہوں..... میں چاہتا ہوں کہ دنیا کی ہر خوشی تم کو ملے.....'' میرا لہجہ جذبات سے بھرپور تھا۔

نتاشا سے رخصت ہونے کے بعد میں کار لے کر نکل پڑا۔ تھوڑی دیر کی ڈرائیونگ کے بعد ہی مجھے اندازہ ہوگیا، یہ سردی سال کی شدید ترین سردی ہے۔

چنانچہ میں نے گاڑی کا ہیٹر جلا دیا..... تھوڑی ہی دیر میں کار کا ماحول اندر سے پوری طرح گرم ہوگیا جو کہ بہت بھلا معلوم ہورہا تھا۔

ہوٹل ہوزون چونکہ شہر سے بہت دور ایک ایسی جگہ واقع تھا جہاں امیر طبقہ ہی قیام پذیر تھا۔

چنانچہ میں نے ہوٹل تک پہنچنے کے لئے ایک ایسے راستے کا انتخاب کیا جو کہ نہایت ہی مختصر مگر کچا تھا۔ اگر میں سیدھے راستے سے جاتا تو ہوٹل تک پہنچنے میں مجھے آدھا گھنٹہ لگتا مگر اس راستے کے انتخاب سے مجھے ہوٹل تک پہنچنے میں صرف 10 منٹ لگتے تھے۔ یہ روڈ چرچ روڈ کہلاتی تھی۔

حکومت کی طرف سے اس سڑک پر گزرنے پر پابندی عائد تھی۔ اس کی وجہ اس روڈ پر بے جا اموات کا ہونا تھا۔ پابندی سے پہلے حکومت نے کچھ عرصہ قبل سڑک کی تعمیر کا ارادہ کیا تھا، مگر کچھ عرصے کے بعد کام روک دینا پڑا تھا۔

اس کی وجہ مزدوروں اور انجینئروں نے عجیب خوف بتائی تھی۔ لیکن انتظامیہ کے دباؤ پر کام جاری رہا، لیکن ایک روز ایک انجینئر کھڑے روڈ رولر کے نیچے آکر کچلا گیا۔ تو لوگوں نے کام کرنے سے صاف انکار کردیا کیونکہ ان کے مطابق روڈ رولر از خود چل پڑا تھا۔

اس کے بعد دوسرے مزدور اور نئے انجینئر لائے گئے۔ وہ بھی کچھ عرصے بعد بھاگ گئے۔ انہیں اس پرانے چرچ کے آس پاس آسیب گھومتا دکھائی دینے لگا تھا، پرانا چرچ جو کہ روڈ سے بالکل ملحق ایک سامنے گراؤنڈ میں واقع تھا جو کہ غیر آباد اور امتداد زمانہ کا شکار ہوچکا تھا۔ اس چرچ کی داستان بھی عجیب وغریب ہے آج سے 50 سال پہلے یہ چرچ بھرپور طریقے سے آباد تھا کرسچن آبادی اپنی مذہبی رسومات بڑی ہی تندہی اور مذہبی عقیدت سے انجام دیتی رہی مگر ایک روز اس علاقے میں شدید طاعون کا شدید ترین حملہ ہوا۔ بے شمار لوگ اس وبا کا شکار ہوکر مارے گئے۔ لوگوں کی بڑی آبادی خوف سے ہجرت کرگئی اور چرچ ویران ہوگیا۔

مرنے والوں میں وہ پادری بھی شامل تھا۔ جس نے آخر دم تک اس چرچ کو چھوڑنے کی کوشش نہ کی اور بے موت مارا گیا۔ لوگوں کے مطابق پادری کا بھوت یہاں دکھائی دیتا ہے اب میں بھی اسی سڑک سے گزر رہا تھا۔ جس کے راستے میں وہ چرچ تھا۔ کرسچن آبادی اس چرچ سے کوئی 20 کلومیٹر دور تھی۔

راستہ نہایت کچا اور دشوار گزار تھا چند لمحوں میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ راستہ میری سوچ سے زیادہ خراب ہے اس سڑک پر مزید آگے بڑھنا ہے گاڑی سلو رکھنی پڑے گی۔ تیز رفتاری میری قیمتی گاڑی کو برباد بھی کرسکتی ہے۔

گاڑی سلو سلو جھٹکے کھاتے آگے بڑھنے لگی۔

دفعتاً مجھے ایک عجیب سی بے چینی محسوس ہونے لگی۔ دل بے حد گھبرانے لگا تھا۔ ایک عجیب سا احساس مجھے ستانے لگا تھا جیسے کوئی کہہ رہا ہو کہ میں گاڑی روک دوں۔ لیکن میں نے ایسا نہ کیا اور گاڑی کی رفتار بڑھادی۔ گاڑی تھوڑی دور آگے گئی ہوگی کہ گاڑی جھٹکے کھانے لگی اور پھر بند ہوگئی۔

رات کے اس اندھیرے میں گاڑی کا بند ہوجانا میرے لئے کسی آفت سے کم نہ تھا۔

اوپر سے مجھے دیر بھی ہوئے جارہی تھی اگر آج وہ ڈیل نہ ہوتی تو پھر مجھے مہینوں انتظار کرنا پڑے گا۔

اسی شش وپنج میں گاڑی سے باہر نکل آیا۔ رات کا اندھیرا بڑھتا ہی جارہا تھا۔ رات کے 9 ہی بجے تھے۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی کافی ہونے کے سبب ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کہ 12 بج چکے تھے، میں اس وقت کو کوسنے

لگا تھا جس وقت میں نے کار اس سڑک پر ڈالنے کا فیصلہ کیا تھا، مگر تقدیر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔

چنانچہ میں یہاں کسی امداد غیبی کا منتظر تھا۔ اچانک میرے ذہن میں موبائل استعمال کرنے کا خیال آیا موبائل دیکھ کر میری امیدیں اپنے آپ فوت ہوگئیں کہ کیونکہ موبائل لو بیٹری کے سبب بند ہو چکا تھا۔

یہاں سے قریبی آبادی بھی 20 کلومیٹر دور تھی۔ چنانچہ اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ مجھے پورا یقین ہو چلا تھا کہ میری ڈیل اب کینسل ہو جائے گی۔ چنانچہ میں امداد غیبی کے سہارے گاڑی کے اندر ہی بیٹھ گیا اور سیٹ کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ مجھے کسی کی درد بھری سسکیاں سنائی دیں۔

سسکیوں میں اتنا درد تھا کہ میرا دل از خود بھر آگیا۔ مجھے ایسا لگا کہ جیسے کوئی قریب ہی میں بہت تکلیف میں ہو۔ میرا دل خود بہ خود اس کی مدد کرنے پر راضی ہوگیا اور میں فوراً ہی گاڑی سے باہر نکل آیا۔

باہر سناٹے اور سردی کا راج تھا۔ سسکیوں کی آوازیں بدستور جاری تھیں جیسے کوئی عورت شدید کرب میں ہو...... پہلی بار مجھے نہایت خوف محسوس ہونے لگا، رات کے اس سناٹے اور سردی میں کون عورت تھی جو یوں رو رہی ہے۔

''کک...... کون ہے......'' میں کانپتی ہوئی آواز میں چلایا۔

میری آواز لگانا ہی تھا کہ سسکیوں کی آوازیں تھم گئیں...... میں نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا وہاں کوئی نہ تھا۔ مجھے اس سڑک سے منسلک سارے واقعات ایک ایک کرکے یاد آنے لگے۔

تو واقعی یہ سڑک آسیب زدہ تھی۔ جہاں کسی کا آسیب گھومتا ہے۔ اچانک مجھے پائلوں کے چھنکنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں، یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی عورت گھنگرو باندھے رقص کر رہی ہو، اتنی سردی میں بھی پسینہ مجھے اپنی کنپٹیوں پر بہتا محسوس ہوا۔

کک...... کون ہے...... سامنے آؤ...... میری آواز میں لرزش تھی۔

جواب میں ایک کھنکتا ہوا قہقہہ میں نے سنا، جو کہ غالباً یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ تم ہوکون جو میں تمہارے سامنے آؤں۔

مجھے دل ہی دل میں جتنی آیات یاد تھیں ان کا زیر لب ورد کرنا شروع کر دیا۔

میں آیات کی تلاوت کرتے ہوئے گاڑی میں جا بیٹھا آیات کی تلاوت کرنے سے میرے دل کی بے چینی اور خوف دور ہوگیا، سکون کا احساس مجھے اپنے اندر ڈوبتا محسوس ہوا۔

میں فوراً کار میں جا بیٹھا کار خراب اور باہر کا ماحول آسیب زدہ تھا۔ میں نے قہقہے کی آواز اور گھنگھروؤں کی جھنکار اپنے کانوں سے سنی تھی یہ میرا وہم نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ سوچ کر میرا دل بیٹھا جا رہا تھا کہ اس بھوتنا سڑک پر رات گزارنی پڑے گی۔

اچانک کسی خیال کے پیش نظر میں نے کار کی چابی گھمائی اور کار کا انجن اسٹارٹ ہوگیا۔ یہ میرے لئے نہایت حیرت انگیز تھا۔

چنانچہ میں نے فوراً ہی گاڑی آگے بڑھا دی۔ میری گاڑی کی رفتار اب بھی آہستہ تھی۔ یہی میرے لئے غنیمت تھا، میں جانتا تھا کہ ہوٹل جانا اب میرے لئے بے وقوفی تھا، کیونکہ میرا کلائنٹ جا چکا ہوگا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مجھے کار چلاتے ہوئے گاڑی کی مدھم روشنی میں مجھے سڑک پر کوئی کھڑا دکھائی دیا جو کہ لفٹ کے لئے اشارہ کر رہا تھا۔

نہ جانے کس جذبے کے تحت میں نے گاڑی بالکل اس کے پاس جا کر روک دی۔ میں نے جس جگہ گاڑی روکی تھی اس کے بالکل بائیں طرف وہی پرانا چرچ تھا جو کہ زمانے کی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا تھا۔

میری گاڑی رکتے ہی نوارد تیزی سے میرے قریب آیا۔

وہ چہرہ دیکھتے ہی میں گم صم سا ہوگیا۔ اس قدر معصوم اور خوبصورت چہرہ میں نے زندگی میں نہیں دیکھا

تھا۔اس کی آنکھیں سب سے زیادہ خوبصورت تھیں ان آنکھوں کو دیکھ کر ایسا لگا کہ جیسے وہ میری شناسا ہیں جیسے میں ان آنکھوں کو جانتا ہوں۔ جیسے وہ آنکھیں کبھی میری ہم راز رہی ہوں۔

''جج..... جی فرمایئے.....'' میں نے شائستہ لہجے میں پوچھا۔

''وہ..... کچھ غنڈے میرے پیچھے پڑے ہیں.....'' اس کی آنکھوں میں وحشت اور لہجے میں خوف تھا۔

اس کے حسن سے متاثر ہو کر سوچے سمجھے بغیر کہ اس ویران اور پراسرار سڑک ایک لڑکی کا کیا کام، میں نے اس کے لئے گاڑی کا گیٹ کھول دیا۔ اس کے بیٹھتے ہی مجھے اپنے ارد گرد نہایت تیز قسم کی خوشبو محسوس ہوئی..... مجھے ایسا لگا کہ جیسے ان آنکھوں کی طرح خوشبو بھی میری شناسا ہے۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ..... اگر آپ لفٹ نہ دیتے تو وہ ہوس کے بھوکے کتے مجھے نوچ لیتے۔''

اس کی کوئی ضرورت نہیں وقت پڑنے پر ایک انسان ہی دوسرے انسان کے کام آتا ہے مگر آپ اس ویرانے میں اور غنڈے سمجھ نہیں آیا..... میں نے مسکرا کر کہا۔

جی..... بس میری بدقسمتی آج انہوں نے مجھے یونیورسٹی سے اغوا کیا..... اور یہاں لا کر اپنے اڈے پر قید کر دیا..... ان کو پتہ تھا کہ یہ سڑک آسیب زدہ ہے جس کا ان غنڈوں نے فائدہ اٹھایا..... میں موقع دیکھ کر وہاں سے بھاگ نکلی۔

اس کی بات سن کر میں نے بغور اس کا جائزہ لیا۔ مجھے ایسا لگا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

اس کے لباس سے کہیں بھی ابتری ظاہر نہیں ہو رہی تھی، کہیں سے بھی ایسا نہیں لگا کہ وہ کسی گروہ سے بھاگ کر آ رہی ہے اس کا لباس صاف ستھرا بے شکن تھا، جبکہ چہرہ بھی تر و تازہ محسوس ہو رہا تھا۔ بلکہ وہ اپنے لباس سے اس کی دنیا کی معلوم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

مجھے اس کی جھوٹ کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ مجھ سے جھوٹ کیوں بول رہی ہے خیر مجھے کیا۔ میرا کام اس مختصر مگر حسین سفر کو یادگار بنانا تھا۔

اگر آپ ناراض نہ ہوں تو..... ڈنر کے بارے میں کیا خیال ہے۔

جی..... بہت شکریہ..... میں گھر جانا چاہتی ہوں..... گھر والے پریشان ہوں گے۔

وہ مسکرا کر بولی۔

لڑکی کافی اسمارٹ معلوم ہوتی تھی اس نے نہایت صفائی سے مجھے منع کر دیا تھا، میرا دل چاہا کہ میں اس سے پوچھوں کہ تم مجھ سے جھوٹ کیوں بول رہی ہو اور اس ویرانے میں کیا کر رہی ہو۔ لیکن میری ہمت نہ ہوئی، نہ جانے کیوں میرے دل میں بنی اپنی بیوی کی تصویر کے ساتھ اس کی تصویر کا اضافہ ہو گیا تھا۔ میری ڈیل تو کینسل ہو چکی تھی کیوں کہ کافی وقت نکل چکا تھا، چنانچہ میں نے اسے چھتیس روڈ جہاں اس کا گھر تھا اسے چھوڑ کر اپنے گھر کی راہ لی۔

☆.....☆.....☆

قارئین کرام! اس داستان میں آگے بڑھنے سے پہلے میرا آپ کا تعارف ہو جائے، واقعات میں آگے بڑھنے سے پہلے میرا ماضی میرے پڑھنے والوں تک پہنچنا زیادہ ضروری ہے تاکہ آپ لوگوں کو معلوم ہو کہ اتنی بڑی دولت مجھے کیسے ملی۔

میرا نام ظفر علی خان ہے۔ میرا تعلق جس خاندان سے ہے اس کا شمار کسی زمانے میں شرفا میں کیا جاتا تھا کہتے ہیں جوا، شراب اور عورت، بڑے بڑے پھنے خان کو ٹھکانے لگا گئے، پھر دادا جی بھی کس کھیت کی مولی تھے، انہیں ایک طوائف سے عشق ہو گیا کہتے ہیں کہ عورت کی جوانی اور سمندر کے بھنور میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں میں بربادی لازم و ملزوم ہے۔ پہلے تو سب دولت جائیداد ٹھکانے لگی اس کے بعد طوائف کا شوق ساری شرافت نگل گیا، دادا جی اس صدمے کو برداشت نہ کر سکے اور طوائف کی بے وفائی کی طرح انہوں نے اپنی زندگی سے بھی بے وفائی کر ڈالی، والد

صاحب جو اس جہان فانی میں موجود نہیں خدا انہیں غریق رحمت کرے، انہوں نے بہت محنت کی ساری زندگی انہوں نے اپنے آپ کو محنت کی بھٹی میں جھونک کر مجھے اسکول اور کالج اور یونیورسٹی کا راستہ دکھایا۔

☆.....☆.....☆

نتاشا سے میری ملاقات یونیورسٹی میں ہوئی، جہاں اس سے نظر ملتے ہی محبت کے کیوپڈ نے مجھے زخمی کر دیا تھا نتاشا کا تعلق ایک بہت ہی امیر و کبیر خاندان سے تھا، اس لئے اس سے اظہار محبت کرنے کی مجھے کبھی ہمت ہی نہ ہوتی، لیکن کہتے ہیں کہ اگر عشق سچا ہو تو اس کا اثر تو دوسرے تک بھی پہنچتا ہے۔

میں نتاشا سے کٹنے کی کوشش کرتا، لیکن وہ اپنے طرز عمل سے مجھ سے جڑنے کی کوشش کرتی جلد ہی بیگانگی اور ہمارے درمیان شادی کے عہد و پیمان بھی ہو گئے۔ اب اس سے شادی کرنے کے لئے مجھے امیر بننا تھا، میں جانتا تھا کہ نتاشا کے والدین مخمل میں ٹاٹ کا پیوند کبھی برداشت نہیں کریں گے۔ اس کے لئے مجھے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا ضروری تھا۔

لیکن شاید قسمت کو منظور نہ تھا، میری والدہ کا انتقال ہو گیا، والدہ کی موت نے والد صاحب کی رہی سہی ہمت کو توڑ کر رکھ دیا۔ کچھ دنوں تک والد صاحب چپ رہے، پھر انہیں چھوٹا اور مختصر سا گھر ویران لگنے لگا، چنانچہ انہوں نے مجھ سے شادی کی ضد شروع کر دی۔ والد صاحب کے مزاج مین کافی چڑچڑاپن آ چکا تھا میں نے ٹالنا چاہا لیکن انہوں نے صاف کہہ دیا کہ انہوں نے ایک لڑکی دیکھ لی اور مجھے شادی کرنی ہی ہوگی۔

چنانچہ والد صاحب کی ضد کے آگے مجبور ہو کر 29 اگست 2011ء کو میری شادی کرا دی گئی۔

میرا خیال تھا کہ جب میری شادی کی خبر نتاشا کو ملے گی تو وہ مجھ سے نفرت کرے گی کہ وفا کے میدان میں جفا کا شکوہ کرے گی۔ لیکن میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔

ایک روز میری ملاقات نتاشا سے ہو گئی۔ جس شاپنگ مال میں جاب کرتا تھا، وہ وہاں شاپنگ کے لئے آتی تھی مجھے دیکھ کر وہ سیدھا ہی میرے کاؤنٹر پر آ گئی، میں نے کترانا چاہا لیکن میں کترا نہ سکا، کاؤنٹر تو چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ ''مانتی ہوں..... ظفر تم نے شادی کر لی ہے..... لیکن میں اپنے دل کا کیا کروں جو کہ ہر وقت تمہاری ہی پرستش کرتا ہے، محبت تو روحوں کا تعلق ہے، اس میں جسمانی ملاپ کا کوئی دخل نہیں سچی محبت تو وہی ہیں جہاں روحیں ملیں جسم نہیں..... میری دعا تم ہمیشہ خوش رہو۔''

نتاشا کے اس رویے نے میرے دل پر خاصی چوٹ کی تھی۔ میرا ضمیر مجھے ہر وقت ملامت کرتا رہتا۔ ہر وقت میں بس نتاشا کے بارے میں سوچتا ہے۔ بیوی سے بستر میں حصے داری کے سوا اور کوئی تعلق نہیں تھا۔ ذہنی طور پر میں اس سے ہم آہنگ ہو نہ سکا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ صرف میرے باپ کے ایک وعدے کا نتیجہ تھی۔ بس میں کسی طرح سے اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔

لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ والد صاحب کی طبیعت اچانک خراب ہوئی، مرتے وقت انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا، جب تک سائرہ زندہ ہے میں اسے چھوڑنے کے بارے میں سوچوں گا ہی نہیں۔ شاید انہیں اندازہ تھا کہ میں سائرہ کو پسند نہیں کرتا، چنانچہ بادل نخواستہ مجھے وعدہ کرنا ہی پڑا۔ والد صاحب کی موت کے بعد وہ فلکسڈ ڈپازٹ کی طرح مجھ سے چپک ہی گئی۔

میری نظر میں وہ ایک ایسی جونک تھی جو کہ خون چوسنا جانتی تھی۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں کیسا انسان ہوں کہ اپنی بیوی کے لئے کس طرح کے الفاظ استعمال کر رہا ہوں۔ مگر میں کیا کروں کہ وہ مجھے بالکل ہی پسند نہ تھی میں تو اس سے جان چھڑانا چاہتا تھا اس کو دیکھتا تو نتاشا کا معصوم چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتا۔ اپنی اجڑی اور برباد محبت یاد آنے لگتی تھی۔

نتاشا سے ملاقات کے بعد اس سے نفرت اور مزید گہری ہونے لگی تھی۔ میں ہر وقت اسی کے بارے میں سوچتا رہتا کہ وہ اب بھی مجھے چاہتی ہے۔ میرا دل ہر وقت اسی کے بارے میں سوچنے لگا، جس کی وجہ سے

ایک تو میرے تعلقات سائرہ سے کشیدہ ہوئے اور اس کے بعد کام میں بھی بے دھیانی ہونے لگی جس کی وجہ سے مجھے نوکری سے نکال دیا گیا، جس کا ذمہ دار بھی میں اپنی بیوی کو سمجھنے لگا تھا۔

میری تو قسمت اچھی تھی کہ گھر ہمارا اپنا تھا۔ جو کہ دادا جی اس طوائف پر نہیں لٹایا تھا۔ گھر اچھا خاصا بڑا تھا جس میں صرف ہم دو لوگ ہی رہتے تھے۔ بے روزگاری اور پیسوں کی تنگی نے مجھے مزید چڑچڑا بنا دیا تھا۔

ایک روز سائرہ نے کہا اتنے بڑے گھر کو بیچ کر آپ ان پیسوں سے کچھ کاروبار شروع کر دیں ہم کرائے کے گھر میں چلے جاتے ہیں۔ بعد میں جب پیسے آ جائیں تو اپنا مکان واپس خرید لیں گے۔''

سائرہ کی بات میرے دل کو لگی پہلی بار مجھے ایسا لگا میں واقعی اس کے ساتھ زیادتی کر رہا ہوں۔ لیکن وہ وفا کی پیکر کوئی شکوہ تک زبان پر نہ لاتی میری بدزبانی، جھڑکنا، بے عزتی کرنا سب سہہ جاتی، منہ پر اب تک نہ لاتی، چند دنوں کی تگ و دو کے بعد میں نے ایک دلال کی مدد سے اپنا مکان بیچ دیا، مکان کافی اچھی قیمت میں بکا مجھے یقین نہ تھا کہ میرا مکان 85 لاکھ کی خطیر رقم دے جائے گا۔

چنانچہ میں نے سائرہ کو اس بات کا علم ہی نہ ہونے دیا کہ مجھے اچھا منافع ہوا ہے اور سائرہ کو لے کر ایک غریب سے علاقے میں کرائے کے مکان میں شفٹ ہو گیا اس علاقے کا نام بنجر کالونی تھا۔ واقعہ وہ علاقہ بنجر کالونی ہی تھا جس نے بھی اس کا نام بنجر کالونی رکھا تھا ٹھیک ہی رکھا تھا، جگہ جگہ ابلتے گٹر، کچرے کے بڑے بڑے ڈھیر، چھوٹی چھوٹی گلیاں اور گلی کے کونوں میں بیٹھے اوباش نوجوان آتی جاتی لڑکیوں کو دیکھ کر سیٹیاں بجاتے، بیہودہ قسم کے تبصرے کرتے، میرا سائرہ کو اس گندی کالونی میں لانے کا مقصد صرف اور صرف اس کو تنگ کرنا اور اذیت دینا تھا، اسے تنگ کر کے اور اذیت دے کر مجھے ذہنی سکون حاصل ہوتا ہو سکتا تھا وہ تنگ آ کر مجھ سے خود ہی خلع مانگ لے مگر میں نے اپنی زندگی میں اس کی جیسی صابر اور شاکر عورت نہیں دیکھی تھی میرے ہر ظلم کو وہ میری محبت سمجھ کر خاموش ہو جاتی، شاید اسے مشرقی بیوی کا فرض نبھانا بہت اچھا لگتا تھا۔

ہم جس مکان میں شفٹ ہوئے تھے اس کے مالک کا نام گوبندرام تھا۔ گوبندرام شکل وصورت سے گوبردام معلوم ہوتا تھا۔ چھوٹا سا قد منحنی سا جسم، چہرہ اس کا کالا سیاہ کہ توے کا گمان معلوم ہوتا تھا، اس کے پورے وجود میں صرف اس کی آنکھیں ایسی تھیں کہ جو کہ جسم کے آر پار گزرتی معلوم ہوتی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کہ اس کی آنکھیں نہیں ایکسرے کی مشین ہوں، جو کہ بندے کو دیکھ کر اس کے دل کا حال بتا دیتی ہوں، الغرض ہم اس مکان میں شفٹ ہو گئے۔

وہ مکان بالکل ویسا ہی تھا کہ جیسے کہ عام ہندوؤں کے ہوا کرتے ہیں۔ بس اس مکان کے صحن میں ایک پرانا کنواں تھا جس سے پانی نکالنے کا کام لیا جاتا تھا۔

سائرہ کو میں نے اس مکان میں پہنچا دیا تھا اور خرچ کرنے کے لئے کچھ رقم بھی دے دی تھی تاکہ اسے پیسوں کی تنگی نہ ہو۔

چنانچہ میرے پاس اتنی بڑی رقم تھی تو میرے دل میں بھی مستی سوجھنے لگی تھی۔ چنانچہ میں نے نتاشا کو فون کیا اور اسے سب سے ہائی کلاس ریسٹورنٹ میں ڈنر پر انوائٹ کیا۔

پٹو ریسٹورنٹ شہر کا سب سے مشہور اور مہنگا ریسٹورنٹ تھا۔ نتاشا کو مین نے کال کر کے پٹو ریسٹورنٹ کی دعوت دی تو وہ چونک پڑی دوسرے ہی لمحے اس کا یہی سوال تھا پیسے ہیں بھی کہ نہیں۔

تم آؤ..... تم سے ضروری بات کرنی ہے..... میرا جواب تھا۔

تمہاری بیوی کو معلوم ہے..... تم نے مجھے دعوت دی ہے یہ دعوت تو اس کا حق ہے..... وہ طنز کرتے ہوئے بولی۔

اس کے اس گہرے طنز پر میں تلملا گیا اور میں نے شدید غصے میں جواب دیا۔

میں تمہارا انتظار کروں گا نتاشا...... تم کو آنا ہی ہوگا...... میری بات سن کر وہ چند لمحے چپ رہی اس کے بعد پھر بولی اس کا لہجہ کافی گھمبیر تھا۔

دیکھو ظفر یہ سچ ہے...... میں تم کو چاہتی ہوں...... مگر یہ بھی سچ میں ایک عورت ہوں۔ ایک عورت ہو کر دوسری عورت کی بربادی کا سبب نہیں بننا چاہتی۔ میں کچھ نہیں جانتا...... اگر تم نہیں آئیں تو میرا مرا منہ دیکھو گی...... میں نے چلاتے ہوئے کہا اور فون کاٹ دیا۔

شادی شدہ مردوں کے لئے سب سے آسان کام اپنی بیوی کو دھوکا دینا ہے۔ میں سارے شادی شدہ حضرات کی بات نہیں کر رہا۔ بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو کہ اپنی بیویوں سے بے حد محبت کرتے ہیں لیکن میں ان مردوں میں سے نہیں تھا۔ مجھے تو اس کی صورت سے ہی نفرت تھی۔ چنانچہ مکان سے ملنے والے پیسوں سے میرا ارادہ نتاشا کے ساتھ شادی کر کے سائرہ کو ویسے ہی چھوڑ کر چمپت ہو جانے کا تھا اس لئے میں نے نتاشا کو دعوت دی تھی۔

☆......☆......☆

پٹو ریسٹورنٹ سب سے مہنگا اور امرا کا پسندیدہ ریسٹورنٹ تھا، اس ریسٹورنٹ کی سب سے مخصوص ڈش "مغلئی چوزے" کے نام سے مشہور تھی۔

چھوٹے چھوٹے چوزوں کو روسٹ کر کے خاص قسم کے زیتون کے تیل سے تڑکا دیا جاتا تھا جسے اچار سلاد کے ساتھ نوش کیا جا سکتا تھا۔ مجھے ریسٹورنٹ میں آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا۔ مگر نتاشا کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ میں ان تمام روایتی عاشقوں کی طرح انتظار کے سارے ریکارڈ توڑ دیتا پونے گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد بالآخر مجھے وہ آتی دکھائی دی۔ اسے دیکھ کر یونیورسٹی کی ساری یادیں میرے ذہن میں تازہ ہو گئیں۔

گلابی رنگ کے شلوار سوٹ مجھے وہ اس دنیا کی معلوم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ اس کی سادگی بھی نہایت متاثر کن تھی جو کہ سامنے والے پر نہایت گہرا اثر چھوڑ جاتی۔

وہ یونیورسٹی میں زیادہ گلابی رنگ استعمال کرتی تھی پہلی بار جب ہمارے درمیان عہد و پیمان ہوئے تھے اس نے گلابی رنگ پہن رکھا تھا۔

وہ کرسی کھینچ کر میرے سامنے بیٹھ گئی اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی آج تم نے وہی لباس پہن رکھا ہے۔ جو اس وقت پہنا تھا جب میں نے اپنے دل کی بات کہی تھی۔

وہ میری بات سن کر نہایت سنجیدگی سے گویا ہوئی۔ دیکھو ظفر...... میں ایک عورت ہوں...... عورت کے دکھ کو سمجھتی ہوں میں کسی دوسری عورت کی بربادی کا سبب نہیں بن سکتی۔ لیکن سائرہ کو میں اپنی بیوی نہیں سمجھتا...... اسے دیکھتا ہوں تو مجھے اپنی محبت کی قبر یاد آتی ہے...... میں نے تھوڑے تیز لہجے میں کہا۔ تو اس میں اس معصوم کا کیا قصور ہے...... وہ پھیکے لہجے میں بولی۔

"سارا قصور میرا ہے...... میں نے تم سے محبت کی۔ میں یہاں اس لئے ہوں کہ میرے پاس بہت سارے پیسے ہیں ہم دونوں شادی کر کے یہاں سے دور چلے جاتے ہیں۔" میں نے لجاجت بھرتے کہا۔

اور اس کا کیا ہوگا...... اتنے خود غرض تم کب سے ہو گئے۔ اگر مجھ سے شادی کرنی ہے تو اس کے مرنے کا انتظار کرو۔ میں اس وقت تک تمہارا انتظار کروں گی...... اور اس کے حق پورے کرو...... یہ کہہ کر وہ ٹھینگا دکھا کر چلتی بنی۔

اس کی سرد مہری اور بے اعتنائی نے مجھے کھولا دیا تھا۔ اس دن پہلی بار میں نے شراب پی جب نشہ زیادہ ہو گیا تو میں نے گھر کی راہ لی وہ غریب گھر کے دروازے پر میری راہ تک رہی تھی۔ مجھے اس طرح لڑکھڑاتے دیکھ کر وہ چونک گئی۔

یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔ شراب پی کر آتے ہیں میرے کپڑوں سے اٹھتے بدبو کے بھبھکے محسوس کر کے وہ بولی۔

ہاں...... تم سے مطلب...... ہر وقت کی ٹیں ٹیں اچھی نہیں ہوتی۔ میں نے اسے چیختے ہوئے جواب دیا اور لڑکھڑاتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔

آہ...... میری آنکھوں کے سامنے نتاشا کی

تصویر گھوم رہی تھی اسی عالم میں بیڈ پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مجھے کمرے میں کوئی آتا دکھائی دیا نیم وا آنکھوں سے میں نے نو وارد کو دیکھا تو چونک پڑا تو وہ کوئی اور نہیں نتاشا تھی اس کی آنکھیں سوجھی تھیں چہرہ پرنم تا شاید وہ بہت دیر تک روئی تھی۔ تم آ گئی میری جان..... میں نے نشے میں جھومتے ہوئے کہا۔

میری بات سن کر اس کی سوجھی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں اس کے غم زدہ چہرے پر جیسے بہار آ گئی۔

اس نے ہاتھ میں پکڑا دودھ کا گلاس تپائی پر رکھ دیا۔

آپ بھی نا..... کبھی غصہ کرتے ہیں۔ کبھی پیار..... وہ میرے نزدیک آ کر بولی۔

نہ میری جان..... میں تم پر کبھی غصہ کر ہی نہیں سکتا۔ میں نے ہمیشہ تم سے پیار کیا ہے۔ اتنا کہہ کر میں نے اس کے سلگتے لبوں کو چوم لیا وہ کسمسائی لیکن میں نے اس کی کمر کے گرد گھیرا مزید تنگ کر دیا تھوڑی دیر کے بعد اس نے خود مجھے الگ کرتے ہوئے بولی۔ ''میں اگر مر بھی گئی..... تو آپ کو چاہتی رہوں گی..... میری موت کے بعد بھی میری روح آپ کا سایہ بنی رہے گی۔''

مریں تمہارے دشمن نتاشا..... اتنا کہہ کر میں نے اسے پلنگ پر دھکیل دیا۔

میں نے دیکھا کہ میرے منہ سے نتاشا نام سن کر وہ چونک پڑی۔ چل میں نے دیکھا اس کا چہرہ جیسے سفید پڑ گیا ہے۔

اس کے چہرے پر لامتناہی سا سناٹا نظر آنے لگا تھا۔ اس نے بیڈ سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے ناکام بنا دیا۔ چند لمحے تک وہ میرے شکنجے سے نکلنے کی سعی کی۔ لیکن ناکام رہی۔ میری بیش قدمی میں شدت آتی گئی پھر کمرے میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ شاید لائٹ چلی گئی تھی لیکن مجھے اس کی ضرورت نہ تھی۔

☆.....☆.....☆

دوسری صبح میری آنکھ کھلی تو سر شدت درد سے بھاری ہو رہا تھا آنکھوں کے گرد جیسے اندھیرا سا محسوس ہو رہا تھا۔ چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ میں نے دیکھا کہ سائرہ کمرے میں داخل ہو رہی ہے اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔ چائے کا کپ لیتے ہوئے میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر خفگی کے آثار تھے۔

چائے کا کپ دے کر وہ میرے برابر میں بیٹھ گئی..... میں چپ چاپ چائے پیتا رہا، گزشتہ رات کے واقعات کے دھندلے دھندلے نقوش میرے ذہن میں تھے میں سمجھ رہا تھا کہ سائرہ ابھی کچھ کہے گی، شاید وہ رات کے گزشتہ واقعات کا تذکرہ کرے گی میں اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

یہ نتاشا کون ہے..... اس کا لہجہ سرد تھا۔

اتنا سننا تھا کہ میرے ہاتھ کانپ گئے اسے کیسے نتاشا کے بارے میں پتہ چلا گیا۔ غالباً وہ میرے چہرے سے سمجھ گئی کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔

رات آپ تھے میری آغوش میں یاد نتاشا کو کر رہے تھے..... اس کا لہجہ چبھتا ہوا تھا چند لمحے تک کوئی بھی جواب مجھے بن نہ پڑا میں اسے کیسے بتاتا کہ تمہاری آغوش میں مجھے نتاشا دیکھ رہی تھی۔

مجھے خاموش دیکھ کر اس کے چہرے پر پھیلا دکھ اور گہرا ہو گیا چند لمحے تک وہ خاموش رہی۔ پھر بولی اس کی آواز سے دکھ جھلک رہا تھا۔

''میں آپ کی بیوی ہوں..... اپ کی نوکرانی..... آپ کی غلام نہیں۔ آپ کا رویہ شروع سے مجھ سے اچھا نہیں رہا..... میں سمجھتی تھی کہ آپ عادتاً ایسے ہیں..... لیکن مجھے پتہ چل گیا کہ آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔'' اتنا کہہ کر اس کی آنکھوں سے آنسو جھلکنے لگے۔ میں نے اسے رونے دیا چونکہ میں چائے ختم کر چکا تھا۔ اس لئے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ میں اسے بہلاؤں گا۔ لیکن میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔ میں نہانے جا رہا ہوں..... اس کے بعد مجھے کہیں کام سے جانا ہے..... میرا لہجہ خشک تھا۔ ''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' وہ منمنائی۔

''کیا جواب دوں..... تمہاری فضول ٹیں ٹیں کا..... جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔'' اتنا کہہ کر میں غسل خانے

میں گھس گیا۔

سچ بات یہ تھی کہ اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو نہ جانے کیوں مجھے سکون دے رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

نتاشا کی بے رخی اور سائرہ کی فضول بکواس نے آگ پر تیل کا کام کیا تھا، چنانچہ میں پھر شراب کے اڈے میں گھس گیا۔

شراب کے اڈے پر میں نے ٹی وی میں دیکھا کہ ملک کی سب سے بڑی گھوڑوں کی ریس ہونے والی ہے۔ میں نے سوچا چلو وقت گزارنے کا اچھا ذریعہ ہے کہ کوئی کام دھام تو میں کرتا نہیں تھا۔ چنانچہ میں ریس کورس پہنچ گیا۔

پہلے دن صرف میں نے دیکھا کہ ریس کیسے ہوتی ہے کون سے گھوڑوں پر داؤ لگائے جاتے ہیں۔ مجھے یہ کھیل کافی دلچسپ لگا۔ نتاشا اور سائرہ کو بھول جانے کا اچھا بہانہ تھا۔

دوسرے دن 12 بجے میں پھر ریس کورس پہنچ گیا۔ اس دن اتوار تھا شدید گرمی تھی لیکن لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر بڑھتا ہی جارہا تھا۔

ممبر انکلوژر کے سامنے پھاٹک پر بڑی بڑی گاڑیوں کی قطاریں دور دور تک دکھائی دے رہی تھیں۔

دفعتاً مجھے ایک ہجوم نظر آیا..... ممبر انکلوژر کے سامنے بڑے میدان میں لوگوں کا اژدہام تھا، سب کی نظریں اس میلے کچیلے فقیر پر تھیں جو پیپل کے پیڑ کے نیچے کھڑا تھا، اس پیڑ کے نیچے پان کا کیبن اور تھوڑے فاصلے پر گنے کے شربت والا بھی کھڑا تھا۔

وہ فقیر حد درجہ میلا کچیلا اور گندا تھا۔ اس کے جسم سے بے حد باس آرہی تھی جو کہ ہجوم بنائے لوگوں کے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی وہ فقیر اچھا خاصا گندگی کا ڈھیر تھا، اس کا پورا جسم میل کچیل سے چٹکا تھا۔ اس کے پورے جسم پر کپڑوں کی جگہ چیتھڑے لٹک رہے تھے۔

اس کے باوجود بھی لوگ اسے دلچسپی کی نظروں سے گھور رہے تھے۔ میری حیرت کا ٹھکانہ تھا اس قدر گندے اور میلے کچیلے انسان میں ایسا کیا تھا جو کہ اس قدر معزز قسم کے لوگ اس کے لئے عقیدت مندانہ جذبات لئے موجود تھے۔

لوگ چاروں طرف اس میلے کچیلے بوڑھے کو گھیرے کھڑے تھے وہ بوڑھا اپنی لال سرخ آنکھوں سے مجمع کو گھور رہا تھا نہ جانے ان آنکھوں میں ایسی کیا بات تھی جنہیں دیکھ کر میری کپکپی سی چھوٹ گئی وہ آنکھیں نہایت خوفناک تھی دفع ہوجاؤ..... بوڑھا ہاتھ اٹھا کر چلایا..... اور اپنے گندے اور غلیظ بالوں کو کھجانے لگا۔

ماں کالی نے چاہا۔ تم سب برباد ہوگے.....

میری مانو تو واپسی کا رخ کرلو۔ گولڈن ٹمپل کو آج ہر صورت میں ہارنا پڑے گا۔'' گولڈن ٹمپل شاید گھوڑوں کے نام تھے۔'' بوڑھا سر کھجاتا ہوا بولا۔

بوڑھے کی بات سن کر عوام کا جوش وخروش اور بڑھ گیا۔ کون ہے یہ..... جو بددعائیں دے رہا ہے..... میں نے پان والے سے سگریٹ لیتے ہوئے، کوئی ہندو جوگی ہے، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جو بھی بات منہ سے نکال دے وہ ہوجاتی ہے۔ مجھے تو کوئی جادوگر لگتا ہے۔ پان والا رازدارانہ لہجے میں بولا۔

بھائی..... یہ بتاؤ..... یہ کب سے یہاں پر ہے..... میں نے پان والے سے سوال کیا۔ بھائی..... یہ دو ہفتوں سے یہاں پر ہے..... پہلے تو کسی نے اس پر دھیان نہیں دیا..... لوگ اسے بھکاری سمجھتے تھے، انتظامیہ نے اسے یہاں سے نکالنے کی کوشش بھی کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے..... بھائی سنا یہ ہے جس آدمی نے اسے دھکے دے کر باہر نکالا تھا اگلے دن وہ خون تھوکتے ہوئے اسی میدان میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرگیا..... لوگوں نے اسے اسپتال لے جانے کی کوشش کی لیکن وہ اسے زمین سے اٹھا بھی نہ سکے۔ اتنا کہہ کر وہ پان والا خاموش ہوگیا۔ لیکن اس بوڑھے کی شخصیت میری نظر اور زیادہ دلچسپ اور پراسرار ہوگئی۔ حقیقتاً میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہ بوڑھا مجھے سائرہ سے نجات دلاسکتا ہے۔

پانچ منٹ کے اندر اندر ریس شروع ہوگئی، لوگ اس بوڑھے کو چھوڑ کر ریس کورس کے اندر چلے گئے۔

وہی ہوا جو بوڑھے نے کہا تھا سب سے فیورٹ گھوڑا میدان میں 12 نمبر والا گھوڑا ہار گیا تھا، گولڈن ٹمپل کے مالک پر غشی کے دورے پڑ رہے تھے اب تو لوگ دوسری ریس کے لئے بوڑھے کی جانب دوڑ پڑے تھے، میں نے بھی گولڈن ٹمپل پر پیسے لگائے تھے، جس کے نتیجے میں کافی نقصان ہوا تھا، لوگ ٹڈیوں کی طرح بوڑھے کو گھیرے میں لئے ہوئے تھے، اور بوڑھے سے دوسری ریس کا حال جاننا چاہتے تھے۔ لیکن بوڑھا جواب دینے کے بجائے پیسوں کی فرمائش کرنے لگا، چند ہی لمحوں میں اس کے سامنے ہزار ہزار کے نوٹوں کا ڈھیر لگ گیا۔

آج کا میدان صرف ''کوسو'' کا ہے، کالی کی کرپا سے کوسو ہی جیتے گا، لوگوں کے منہ حیرت سے کھل گئے کیوں کہ کوسو کا ریٹ بھی کم تھا اور وہ سب سے آخری نمبر کا گھوڑا تھا۔

تو جھوٹ بولتا ہے..... بوڑھے پتھر کو کوئی نہیں ہرا سکتا ہے..... دفعتاً مجمع میں سے ایک شخص بوڑھے کی جانب دیکھ کر چلایا۔

وہ 40,45 سالہ شخص تھا، جس کے سارے آدھے سفید بال اور آدھے سیاہ اس نے انتہائی قیمتی شلوار سوٹ زیب تن کر رکھا تھا اس کا تن و توش بھاری ہونے کے سبب وہ انتہائی جاذب نظر معلوم ہو رہا تھا۔

بوڑھے نے اس کی طرف ایسے دیکھا جیسے کوئی بزرگ شرارتی بچے کو دیکھتا ہے۔ ''تو نادان ہے بچہ..... بھگوان سے جتنی پرارتھنا کرنی ہے کر لے..... پر نتو مجھے تیرے بھوش میں یم دوت (موت کا فرشتہ) بیٹھا نظر آتا ہے۔ آج پتھر کے بعد تو بھی اس میدان میں دکھائی نہیں دے گا۔

چپ کر..... بوڑھے خان شہباز کوئی کمزور نہیں..... جو تیرے جیسے کی دھمکیوں سے ڈر جائے۔

وہی ہوا جیسا اس پراسرار بوڑھے نے کہا تھا۔ پتھر ہار گیا تھا، پتھر کی شکست نے خان شہباز کو بہت صدمہ دیا اور اسے ریس کورس میں دل کا دورا پڑا اور وہ وہیں انتقال کر گیا۔

اس بوڑھے کی شخصیت اور زیادہ پراسرار ہو چکی تھی، ریس ختم ہو چکی تھی ریس کورس خالی ہو چکا تھا۔

اس کے عقیدت مند اب بھی اس کے گرد جمع تھے، آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد بوڑھے نے اپنی بازیگری سمیٹی اور ریس کورس کے گیٹ سے باہر نکلنے لگا تو میں اس بوڑھے کے پیچھے چلنے لگا۔

گیٹ سے باہر نکل کر وہ تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ وہ رک گیا اور یکدم ڈرامائی انداز میں پیچھے مڑا اس کے پیچھے گھومتے ہی میں گھبرا گیا، وہ چند لمحے تک مجھے دیکھتا رہا، دوسرے لمحے اس کے بھدے ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے اپنے پاس بلایا۔ اور میں فوراً اس کے پاس پہنچ گیا۔

میں جانتا ہوں تو کس کارن میرے پاس آیا ہے وہ شیطانی مسکراہٹ سے بولا۔

آپ تو بہت مدد کرنے والے ہو بابا..... میری مدد کرو میں نتاشا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

تیرا سارا بھاگیہ میرے سامنے کھلا ہے..... تو میرے ہاتھوں اپنی دھرم پتنی کو مروانا چاہتا ہے..... پر نتو تجھے اس سے کبھی شانتی نہیں ملے گی..... نرک کے سارے دوار تیرے لئے کھل جائیں گے..... بڈھا دیدے گھماتا ہوا بولا۔ بابا..... میری مدد کرو..... میں تم کو بہت دولت دوں گا..... میں نے اس کے ہاتھ پکڑ کر گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

ہوں..... بوڑھا کھنکارا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں کافی دیر بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں۔

میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں جیسے انگارہ ہو رہی تھیں۔

تو بہت بدنصیب ہے پر یہی تیرے بھاگیہ کا لکھا ہے..... تیری منو کامنا تیرے گھر میں ہی پوری ہوگی مگر اس کے بعد تیری کھٹائیاں اور بھی بڑھ جائیں گی۔ میں

تجھے اندھیرے میں دیکھتا ہوں..... جا گھر جا..... تیری بدنصیبی تیرا انتظار کررہی ہے۔'' اتنا کہہ کر بڈھا واپس پلٹ گیا چند لمحوں میں وہ میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

بوڑھے کی بات سمجھنے سے میرا ذہن بالکل قاصر تھا بھلا ایسا کیسے ہوسکتا تھا کہ میری پریشانیوں کا حل گھر میں ہی ہو۔ پریشانی تو خود میرے گھر میں موجود تھی۔ میری تو کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا تھا میں اسے طلاق دے نہیں سکتا تھا۔ باپ سے کیا عہد سامنے تھا، مار کر میں خود کو قانون کے جال میں پھنسانا نہیں چاہتا تھا۔

بہرحال اس واقعے کے 2 دن بعد سائرہ نے مجھ سے عجیب وغریب بات کی اس پر کسی چیز کے خوف کا اثر تھا، اس رات وہ ضرورت کے وقت وہ صحن میں گئی تھی اس کی وجہ باہر کی ٹھنڈی ہوا تھی اور اسے ٹھنڈی بہت بھلی اور پیاری محسوس ہوتی تھی وہ صحن میں پرانے کنویں کے پاس بیٹھ جاتی اس رات وہ صحن میں گئی تو اس کا موڈ اچھا تھا نہ شادی والی بات بھول چکی تھی۔

ایک یا دو منٹ کے بعد جب وہ بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے چہرے پر دہشت و خوف کے تاثرات تھے، اس کا دل دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

کیا ہے..... باہر اولمپک کا مقابلہ چل رہا ہے جو بھاگ رہی ہو..... میرا لہجہ سرد تھا۔

وہ..... وہ..... باہر..... وہ خوفزدہ انداز میں قدم بڑھاتی میرے قریب آگئی۔ اس کی دہشت زدہ نظریں بار بار بند دروازے کی جانب اٹھ رہی تھیں۔

کیا ہوا باہر..... میں نے قدرے نرمی سے دریافت کیا۔

پتا نہیں وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف اور دہشت تھی۔ کیا بات ہے میں نے چڑ کر کہا۔

وہ..... آواز اس کا لہجہ میں خوف تھا۔ کیسی آواز..... ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی گہرے کنویں سے بول رہا ہو..... کسی نے حلق میں سیٹی ڈال رکھی ہو۔ عجیب غیر انسانی آواز تھی خدا کے لئے..... سائرہ..... کون آئے گا یہاں..... حلق میں سیٹی ڈال رکھی ہو..... چپ چاپ سوجاؤ کوئی نہیں ہے وہاں، میں نے ترش روئی سے جواب دیتے ہوئے اس کی بات کو ٹال دیا۔

لیکن وہ بدستور خوف زدہ تھی۔ سہمے ہوئے انداز میں دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے سہمے ہوئے انداز میں بستر پر جا کر لیٹ گئی وہ بالکل ایسی چڑیا معلوم ہورہی تھی جو کہ باز سے خوف زدہ ہو۔

اس حادثے کو آٹھ یا دس روز گزرے ہوں گے، ایک رات سوتے میں وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھی پھر مجھ سے لپٹ کر خوفزدہ انداز میں کانپنے لگی۔ کیا بات ہے..... کوئی برا خواب دیکھا۔

خواب..... اس نے مجھ گھور کر دیکھا اور پھر پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی۔ مجھ سے غلطی ہوگئی جو میں تنہا اٹھ کر باہر چلی گئی۔

باہر چلی گئی تھی..... میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔

میں کافی دیر سے جاگ رہا ہوں تم ایک دفعہ بھی باہر نہیں گئی میں نے صرف تم کو چیخ مار کر بیدار ہوتے دیکھا ہے۔

ایں..... اب منہ کھلنے کی باری اس کی تھی۔ اس کے چہرے پر بے یقینی تھی۔ تو کیا میں صحن میں نہیں گئی تھی۔

ارے..... نہیں میں نے تنک کر کہا۔

مگر..... آپ کو یقین نہیں آیا..... اگر مگر کچھ نہیں..... ایک آواز نہیں سنوں تمہاری۔

میرے تلخ رویے سے مجبور ہو کر وہ مہر بلب ہوگئی اور جا کر سوگئی، تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ مجھے نیند نے آلیا..... ابھی میں غنودگی کی کیفیت میں ہی تھا کہ ایک تیز چیخ کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی، میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ وہ پھر ڈر گئی ہے..... لیکن وہ بے خبر ہورہی تھی، لیکن میں نے چیخ کی آواز ضرور سنی تھی جو کہ کسی عورت کی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نے حلق میں سیٹی ڈال رکھی ہو۔

میں بستر سے اٹھ بیٹھا۔

وہ چیخ کی آواز پھر میرے کانوں سے ٹکرائی، میں نے غور کیا تو آواز ضرور باہر سے آرہی تھی میں اسے بے خبر ہوتا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

آواز اس پرنے کنویں کے پاس سے آرہی تھی آواز اب سسکیوں میں بدل گئی تھی میں ڈرتا ڈرتا کنویں کے پاس آیا تو وہ آواز یقیناً کنویں کے پاس سے آرہی تھی وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ میں نے غور سے سنا تو وہ آواز غالباً کچھ یوں تھی۔

''مکتی دو..... دھن لو..... مکتی دو..... دھن لو.....''

میری کچھ سمجھ میں نہ آیا یہ آواز کیا کہنا چاہ رہی تھی۔ چند لمحوں تک تو وہ آواز آتی رہی پھر خاموش ہوگئی۔

وہ تین دن اسی طرح اور گزرے کبھی وہ مکتی مجھ سے مانگتی کبھی سائرہ سے، سائرہ نے اس مکان کو آسیب زدہ کہہ کر اس کو چھوڑ دینے کی رٹ لگائی تھی۔ چنانچہ مجھے مجبوراً مالک مکان گوبندرام سے ملنا پڑا۔

جب میں نے اس کو اپنا مدعا بتایا کہ میں یہ مکان چھوڑنا چاہتا ہوں اس سے پراسرار قسم کی آوازیں آتی ہیں۔

''کیسی آوازیں..... بھگوان جھوٹ نہ بلائے تم میرے مکان کو بدنام کرنا چاہتے ہو۔ وہ اپنی ایکسرے مشین میں آنکھیں گھماتا ہوا بولا۔

نہیں..... نہیں..... گوبندرام ایسی بات نہیں تمہارا مکان اچھا ہے..... میں جھوٹ نہیں بول رہا:.....

چند لمحے تک گوبندرام مجھے دیکھتا رہا شاید اسے میری سچائی پر یقین آ گیا تھا۔

ٹھیک ہے..... تم خالی کردو..... مگر اس واقعے کا ذکر کسی سے نہیں کرنا۔

شکریہ..... گوبندرام ایڈوانس تم رکھ لو..... میں جانے لگا تو گوبندرام نے مجھے آواز دی۔

بات سنو..... وہ آواز کہتی کیا ہے..... اس کی آواز سن کر میں رک گیا۔

مکتی دو..... دھن لو..... مکتی دو۔ دھن لو۔

میری بات سن کر گوبندرام اچھل پڑا۔

تت..... تم قسمت کے دھنی ہو..... مہاراج.....

وہ شدت مسرت سے لرزتے ہوئے بولا۔

کیا مطلب..... میں چونک کر بولا۔

یہ آواز بلی دان مانگ رہی ہے..... چند سال پہلے میرے اس مکان میں ایک تانترک (جادوگر) رہنے آیا تھا۔ میرا اس سے بڑا یارانہ تھا وہ کہتا تھا تیرے اس مکان میں ''لونا چماری'' کی آتما ہے..... جو مکت ہونا چاہتی ہے۔'' وہ سانس لینے رکا۔

اچھا..... پھر..... میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

اس تانترک کا کہنا تھا میں اس آتما کو مکت کروں گا..... مگر اس سے پہلے وہ کچھ کر پاتا اسے پولیس پکڑ کر لے گئی۔

وہ کیوں.....

یار..... اس نے کسی مسلمان کی بچی کو اغوا کیا تھا..... اغوا کر کے لے جا رہا تھا کہ پولیس نے شک کی بنیاد پر بوری چیک کی تو بچی بے ہوش حالت میں نکلی غالباً وہ تانترک اس بچی کو اس کنویں میں ڈال کر اسے مکت کرنا چاہتا ہوگا۔ گوبندرام ایک ہی سانس میں اپنی بات مکمل کر کے بولا۔

اوہ..... واقعی یہ بڑی حیرت انگیز بات بتائی تم نے..... مگر یہ لونا چماری ہے کون..... میں نے گوبند رام سے پوچھا۔

پتہ نہیں..... مجھے کیا پتہ۔

اچھا گوبندرام میں چلتا ہوں..... یہ کہہ کر میں جانے لگا، تو گوبندرام نے پیچھے آواز دی۔ اس کا لہجہ پرتجسس تھا۔

ظفر بابو..... کہیں تم تو ایسا کچھ نہیں سوچ رہے..... دھن کا لالچ بہت بُرا ہوتا ہے۔ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے چل پڑا۔

☆.....☆.....☆

گوبندرام کی بات سچ تھی نتاشا کو پانے کا اس

سے اچھا موقع نہ تھا۔

سائرہ کی قربانی..... لونا چماری کی مکتی..... وہ بڈھا ٹھیک کہتا تھا تمہاری پریشانیاں تمہارے گھر میں ہی حل ہونگی۔

☆.....☆.....☆

کوئی دو تین روز بعد میں نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا شروع کردیا۔ اس لئے میں نے سائرہ سے پیار محبت سے کام لیا، سائرہ کو گھمایا پھرایا، اچھے ہوٹل میں کھانا کھلایا، خوب ساری شاپنگ بھی کرائی وہ سمجھ رہی تھی کہ اس کا شوہر بدل گیا ہے لیکن وہ بدنصیب یہ نہیں جانتی تھی کہ محبت اور جنگل میں سب جائز ہے، محبت میں غلط چیز بھی اصولی طور پر ٹھیک ہوتی ہے اور میں تو اس سے محبت کرتا ہی نہیں تھا، وہ تو میرے لئے صرف اور صرف بستر کی چادر تھی اور کچھ نہیں۔

دوسرے دن رات کو سائرہ کو لے کر میں صحن میں بیٹھ گیا ہمارا رخ کنوئیں کی طرف تھا۔ آپ نے مکان چھوڑنے کا کیا سوچا..... وہ کرسی کے پائے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ مکان بھی لے لیں گے..... اس میں جلدی ہے..... میں نے مسکرا کر کہا۔

نہیں..... نہیں..... میں اور بس آسیب زدہ مکان میں نہیں رہ سکتی ہر وقت عجیب وغریب آوازیں آتی رہتی ہیں..... وہ جلدی سے بولی۔

نہیں..... میری جان اب تمہیں اس مکان میں رہنے کی ضرورت بھی نہیں میرا لہجہ ڈرامائی تھا۔

سچ..... اس کا لہجہ پرمسرت تھا۔

ہاں میں بالکل سچ بول رہا ہوں..... یہ کہہ کر میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور تقریباً کھینچتا ہوا اسے لے کر کنوئیں کے پاس جا کر کھڑا ہوگیا کیا کررہے ہو..... مجھے درد ہورہا ہے۔

میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور کنوئیں کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اب میں نے اس کی جانب دیکھا..... مجھے وہ صرف ایک ایسی مرغی نظر آرہی تھی جو کہ چند ہی لمحوں میں ذبح ہونے والی تھی میرے ہونٹوں پر پراسراری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

سائرہ..... میں نے سرد لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی نظریں سوالیہ تھیں۔

تم جاننا چاہتی تھی ناں..... تاشا کون ہے..... میں نے چیخ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ میری محبت ہے..... وہ میری جان ہے..... ہماری محبت جسموں کا نہیں روحوں کے ملن کا نام ہے..... تم جس سے میں نفرت کرتا ہوں.....

میں نے دیکھا کہ میری بات سن کر اس کا چہرہ دکھ اور کرب کی تصویر بن گیا اس کی آنکھیں بہنے لگیں لیکن میں نے اس کے رونے کی پرواہ نہ کی اور میں بولتا رہا۔

''تم صرف اور صرف..... میرے باپ کا وعدہ ہو..... آج میں تمہیں آزاد کرتا ہوں لونا چماری..... تیری بلی حاضر ہے..... مکت ہوجا..... مکت ہوجا..... مکت ہوجا..... میری بیوی حاضر ہے، میں اس کی بلی دیتا ہوں.....'' میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

اتنا سننا تھا کہ سائرہ بھاگی..... ابھی وہ دروازے کی جانب ہی نہ پہنچی تھی کہ فضا میں بلند ہوگئی۔

اس کی کرب ناک چیخیں پورے گھر میں گونج رہی تھیں۔ کچھ ہی لمحوں میں سائرہ فضا میں تیرتی کنوئیں میں داخل ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

سائرہ کی موت کے بعد میں نے محلے میں یہ مشہور کردیا کہ وہ کسی آشنا کے ساتھ فرار ہوگئی دو تین روز سوگ منانے کے بعد میں نے اس مکان سے سارا سامان سمیٹ لیا اور میں نے کسی خیال کے تحت سائرہ کا پرس کھول لیا پرس میں وہی کچھ تھا جو عموماً لڑکیوں کے پرس میں ہوتا ہے اچانک مجھے ایک پرائس بانڈ نظر آیا جو کہ 15,000 والا تھا میں نے اسے رکھ لیا..... اور گھر سے باہر نکل آیا، چند ہفتوں کے بعد اس کی قرعہ اندازی ہوئی اور میرا پہلا انعام نکل آیا۔ لونا چماری کا وعدہ پورا

ہوااور میں کروڑ پتی ہوگیا۔

اس کے بعد میں نے نتاشا سے شادی کی اور ایک بہت بڑا کاروبار کھڑا کیا۔ نتاشا اور میرے درمیان پیار سے کٹنے لگی تھی، دیکھتے ہی دیکھتے 4 سال کا طویل عرصہ بیت گیا، میری اور نتاشا کی محبت اور گہری ہوگئی میں زیادہ لمبا جاتا تو نتاشا کو برا لگتا تھا۔ ہوٹل ہوز ون کی میٹنگ تو نہ ہوسکی، لیکن میری ملاقات اس لڑکی سے ضرور ہوئی جسے غنڈے اٹھالے گئے تھے اسے میں نے اس کے گھر کے پاس چھوڑ کر میں نے اسے گھر کی راہ لی۔

آ گئے..... آپ..... کمرے میں داخل ہوتے ہی نتاشا کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی..... جو کہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔

ہاں..... جان تھک گیا..... جانے کا فائدہ بھی نہ ہوا.....

کیوں..... کیا ہوا..... وہ بیڈ سے اٹھ کر کمر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

کچھ نہیں یار..... کلائنٹ جاچکا تھا گاڑی خراب ہوگئی تھی اتنا کہہ کر میں واش روم میں گھس گیا۔

نہادھو کر فریش ہونے کے بعد میں بیڈ پر آ بیٹھا اور ٹی وی آن کردیا۔

ٹی وی پر انتہائی دلچسپ انگریزی فلم نشر ہورہی تھی۔ نتاشا بھی میرے ساتھ ہی بیڈ پر لیٹی تھی۔

کیا تم..... ہر وقت فلمیں دیکھتے رہتے ہو..... وہ بیزاری سے بولی۔

تم جانتی ہو..... نتاشا..... ایکشن فلمیں میری کمزوری ہیں.....

بالکل جانتی ہوں..... اس نے میرے ہاتھ سے ریموٹ چھین لیا اور ٹی وی بند کرتے ہوئے مجھ پر لدگئی۔

کیا چاہتی ہو..... میں نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

تم کو ایکشن فلمیں بہت پسند ہیں نا..... اس نے اپنی مخروطی انگلیاں میری آنکھوں پر پھیرتے ہوئے کہا۔

اگر..... ہم دوسرے طریقے کا ایکشن کریں..... تو..... اس کا لہجہ معنی خیز تھا..... دوسرے طریقے کا ایکشن..... میں ہنس پڑا..... اس کی بات میں پوری طرح سے سمجھ چکا تھا۔

ہاں..... فل سسپنس..... اور تھرلر سے بھرپور..... اس کی آواز خمار آلود تھی اب سسپنس کہاں رہا..... ہاں تھرلر ضرور ہے..... میں مسکرایا اور لائٹ بند کردی۔

کمرے میں نتاشا کی مہکی مہکی سانسوں کی آواز آنے لگی..... ابھی مجھ پر خود فراموشی کی کیفیت طاری ہی تھی۔

کہ نتاشا نے مجھے چونکا دیا.....

وہ..... وہ..... آواز تیز..... آواز نتاشا کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔ سرشاری کی اس کیفیت میں نتاشا کا یوں پکارنا مجھے بے حد کھلا۔ کیسی آواز میں جھلا کر بولا۔

بہت تیز آواز..... اس نے مجھے خود پر سے ہٹا کر بولی۔

اس کے یوں ہٹائے جانے پر مجھے برا تو لگا مگر میں جانتا تھا، نتاشا حقوق زوجیت کے وقت ایسی حرکت نہیں کرتی۔

چنانچہ میں سنجیدہ ہوکر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

کیا سن رہی ہو..... کیسی آواز ہے..... میں نے بوکھلا کر پوچھا۔

تیز آواز..... جیسے ریل کا انجن..... چلتے وقت ہوتا ہے..... اس نے اپنی کنپٹیاں دونوں ہاتھوں سے تھام لیں۔

اس کے اس طرح کرنے پر جیسے میں گھبرا گیا چند لمحوں بعد اس نے کانوں سے ہاتھ ہٹائے..... اور خوفزدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی، اچانک اس نے چھت کی طرف دیکھا، دوسرے ہی پل چھت میں شگاف ہوا چیخیں پورے کمرے میں گونجنے لگیں۔

کک..... کیا ہوا.....

خون..... خ..... خ..... خون..... چھت پر خون.....

کہاں ہے خون..... میں نے چھت پر دیکھا تو

وہاں کچھ نہ تھا، مجھے تو کوئی آواز بھی سنائی نہیں دی تھی۔

چھت پر تو کچھ نہیں ہے نتاشا.....

لیکن نتاشا نے جواب نہیں دیا وہ بے ہوش ہوچکی تھی۔

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر کی بروقت طبی امداد نے نتاشا کی بے ہوشی توڑ دی تھی ڈاکٹر کے مطابق وہ کسی شدید خوف کے زیر اثر بے ہوش ہوئی تھی میں نے نتاشا کے ساتھ تھوڑی سی پیار بھری باتیں کیں اور اس کو سلا کر روم سے باہر نکل آیا۔ ہوسکتا ہے کہ نتاشا نے واقعی کچھ دیکھا ہو یا پھر کوئی نفسیاتی بیماری ہو۔

بہر حال میری تو کچھ سمجھ نہ آیا آفس میں بھی اسی ادھیڑ بن میں مبتلا رہا یہاں تک کہ لنچ کا وقت ہوگیا۔

لنچ میں ہمیشہ گرانڈ ہوٹل میں ہی کرتا تھا۔ گرانڈ ہوٹل کا ریسٹورنٹ اچھے لنچ اور ڈنر کے لئے بہت مشہور تھا۔

ریسٹورنٹ میں ایک بڑا ریکریشن ہال بھی تھا، جہاں مختلف اوقات میں مختلف افکار اپنے اپنے کمالات کا مظاہرہ کرتے تھے، سارے ویٹر جانتے تھے کہ میں کیا کھاتا ہوں۔

چنانچہ میں اپنی ریزرو ٹیبل پر آ کر بیٹھ گیا۔

اچانک میری نظر ہال کے داخلی دروازے پر پڑی.....

مجھ سمیت ہال میں بیٹھا ہر شخص اندر آنے والی نووارد کو دیکھنے لگا، سبز رنگ کی سائن شلوار قمیض جس میں تھا، جو کہ اس پر بہت بھلا لگ رہا تھا، میک اپ سے طاری چہرہ ہال میں موجود تمام خواتین پر بھاری تھا، ہونٹوں پر لپ اسٹک کی ہلکی سی تہہ موجود تھی۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی، واقعی بے حد جاندار اور حسین مسکراہٹ تھی، یہ وہی لڑکی تھی جسے میں نے کار میں لفٹ دی تھی۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ یہ لڑکی مجھے ویرانے میں ملی تھی۔

میں بھی جواباً مسکرایا وہ سیدھی میری طرف چلی آئی۔

السلام علیکم.....

وعلیکم السلام.....تشریف رکھیں۔

جی..... وہ میں معذرت چاہتی ہوں..... اس رات میں آپ کا شکریہ ادا نہ کرسکی۔

اوہ.....کوئی بات نہیں..... مجھے تو یاد بھی نہ تھا، کہ آپ نے شکریہ کیا بھی ہے یا نہیں لنچ میں کیا پسند کرتی ہیں آپ.....میں مسکرایا۔

سوری.....میں بن بلائے چلی آئی.....تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں مہمان بھی بن جاؤں آپ کی..... وہ بھی مسکرائی۔

یہ تو میری خوش نصیبی ہوگی.....میں نے انکساری کا مظاہرہ کیا۔

سوری مسٹر.....

ظفر علی خان.....میں نے نام بتایا۔

ظفر صاحب.....میں انوائٹ ہوں.....

پھر کل ہماری دعوت آپ کو قبول کرنی پڑے گی۔

ضرور وائے ناٹ.....

میں کچھ کہنا چاہ رہا تھا کہ موبائل بجنے لگا۔ فون نتاشا کا تھا۔

مجھے ڈر لگ رہا ہے.....ظفر.....ایسا لگ رہا ہے کہ کمرے میں کوئی ہے.....فون ریسیو کرتے ہی نتاشا کی سہمی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

ریلیکس..... نتاشا..... گھر میں نوکر وغیرہ ہیں.....تو ڈر کس بات کا.....

مجھے نہیں پتہ تم جلدی آؤ.....میرے کانوں میں عجیب عجیب آوازیں سنائی دے رہی ہیں.....تم جلد آؤ.....ایسا لگ رہا ہے کوئی ہے کمرے میں.....نتاشا نے اتنا کہا اور فون ڈی سی کردیا.....میں اسے پکارتا ہی رہ گیا۔

فون جیب میں رکھتے وقت میں نے دیکھا اس لڑکی کے ہونٹوں پر پراسرار سی مسکراہٹ تھی جسے میں کوئی نام نہ دے سکا۔

مجھے جانا ہوگا.....مس.....صوفیہ۔

مس.....صوفیہ سوری مجھے جانا ہوگا.....میری وائف کی شاید طبیعت ٹھیک نہیں۔

نو پرابلم.....مسٹر ظفر گو.....ڈونٹ ویسٹ یور

ٹائم (Dont West Your Time) وہ مسکرائی۔

نہ جانے کیوں ایک بار پھر مجھے ایسا لگا کہ جیسے میں اس مسکراہٹ کو جانتا ہوں۔ جیسے کہ کبھی یہ میری رفیق رہی ہو۔

گھر پہنچا تو کمرے کا نظارا ہی عجیب تھا نتاشا بیڈ کے ایک کونے میں اکڑو بیٹھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان دبائے ہوئے تھے۔

میں دھیرے سے چلتا ہوا اس کے نزدیک جا کر بیٹھ گیا۔

نتاشا..... نتاشا..... میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

میری آواز سن کر نتاشا نے سر اٹھایا.....

نتاشا کو دیکھ کر میں چونک اٹھا۔

اس کی آنکھیں خون کبوتر ہو رہی تھیں..... ان میں نہایت بیگانگی موجود تھی بالکل ایسی جیسی کہ چوپایوں کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔

کون ہے..... کون ہے..... تو..... وہ غرائی۔

کیا..... میں حیرت میں پڑ گیا۔

دوسرا لہجہ میرے لئے مزید حیرتیں لے کر آیا۔

نتاشا نے ایک بھرپور ہاتھ میرے چہرے پر جڑ دیا۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس میں اتنی طاقت ہے..... میرا پورا منہ گھوم گیا۔

دوسرے لمحے اس نے اٹھ کر مجھے گریبان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

اس کی آنکھوں میں شدید وحشت اور دیوانگی تھی۔

سالے..... کتے..... بے غیرت..... وہ گالیاں دینے لگی۔

نتاشا..... یہ کیا کر رہی ہو..... میں چلایا۔

لیکن اس نے میری بالکل نہ سنی اور پانچ منٹ میں ہی کسی کپڑے کی طرح مجھے دھو کر رکھ دیا۔

اسے قابو کرنے کے لئے مجھے نوکروں کو بلانا پڑا..... عجیب ماحول تھا کہ جس سے میں اتنی محبت کرتا تھا آج اسی کے ہاتھوں پٹا تھا۔ میرا چہرا زخمی اور لہولہان تھا، جگہ جگہ خراشیں پڑ چکی تھیں۔

نوکروں کے لئے وہ کوئی خبیث روح ثابت ہوئی تھی، نوکر خود بھی حیران تھے ایک دھان پان سی لڑکی ان کے قابو نہیں آ رہی، نوکروں کو بھی اس نے بری طرح سے مارا کاٹا تھا، جب وہ کسی طرح قابو نہ آئی، مارفیا کا انجکشن دے کر اس کو قابو کرنا پڑا تھا۔

ڈاکٹروں کے مطابق وہ منٹل ڈس آرڈر (Mental Dis Order) کی بیماری کا شکار تھی، جس میں مریض کو آوازیں وغیرہ سنائی پڑتی ہیں، پھر وہ مار کوٹ سے لے کر اپنی یادداشت بھول جانے اور قتل جیسے فعل تک جا سکتا ہے۔

دو تین گھنٹے کے بعد نتاشا کو ہوش آیا تو وہ بالکل نارمل تھی، اس نے اپنے آپ کو اسپتال میں پا کر اور میرے چہرے کو خراشوں اور زخمی دیکھ کر شدید حیرت کا یہ جناب کی مہربانی ہے..... میں مسکرایا۔

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا..... میں تم پر ہاتھ اٹھاؤں..... وہ شدید حیرت کے اظہار کے طور پر بولی تھی۔

نوکروں سے پوچھ لیں..... ان کا بھی آپ نے یہی حال کیا ہے۔

مجھے یقین نہیں آتا اور میں بے حد شدید کمزوری بھی محسوس کر رہی ہوں.....

ہوا کیا تھا..... حضرت آپ کچھ فرمائیں گی۔

میری بات سن کر میں نے دیکھا کہ چہرے پر لرزہ طاری ہو گیا۔ آنکھوں سے بے اندازہ خوف ظاہر ہونے لگا۔

میں نے دیکھا کہ وہ ڈر رہی ہے تو میں نے بات ٹال دی۔ کل تک اچھی بھلی میری بیوی کو کیا ہو گیا تھا میری سمجھ نہیں آ رہا تھا اچانک ایک ہی دم نہ سمجھ آنے والی بات تھی میں تمہارے لئے جوس لے آتا

ہوں..... نتاشا۔

انس نے اثبات میں سر ہلایا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ جیسے ہی میں باہر نکلا پے در پے چیخوں کی آواز سے میں بوکھلا گیا، جیسے میں کمرے میں داخل ہوا اندر کا منظر دیکھ کر میری آنکھیں فرط حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ اسپتال کے بیڈ پر لیٹے لیٹے فضا میں بلند ہو چکی تھی، اس کے ہاتھ پیر یوں ہل رہے تھے جیسے خود کو کسی اندیکھی قوت سے بچا رہے ہوں۔

نتاشا..... میں چلا کر اس کی جانب بڑھا۔ اس لمحے میرا پیر لڑکھڑایا اور میں گر پڑا..... جیسے ہی میں اٹھا یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا نتاشا بیڈ پر تکیے کے سہارے بیٹھی ہے اور اس کے ہاتھ میں میگزین ہے۔

یہ منظر دیکھ کر تو میں چکرا کر رہ گیا ابھی چند لمحوں قبل تو وہ فضا میں بلند تھی اور اب میگزین پڑھ رہی ہے عجیب نہ سمجھ آنے والا معمہ تھا۔

کیا ہوا..... ظفر آپ گئے اور واپس آ گئے اور اب احمقوں کی طرح میری طرف دیکھے جا رہے ہو..... اس نے میگزین ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

میری سمجھ نہ آیا میں اسے کیا جواب دوں۔

ڈارلنگ..... جوس کون سا لاؤں۔

کیا ہوگا..... ظفر دماغ تو درست ہے نا آپ کا..... آپ جانتے ہیں مجھے کون سا جوس پسند ہے..... وہ خفگی کا اظہار کرتی ہوئی بولی۔

واقعی بات تو بجا تھی۔

اب میں اسے کیا بتاؤں کہ کچھ دیر پہلے میں نے اسے فضا میں بلند دیکھا تھا، کیا بتاؤں کہ میں نے اس کی چیخیں سنی تھیں کیا کہ کوئی آسیبی معاملہ تھا یا نظر کا دھوکہ میں کھسیانا ہو کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

جیسے میں اسپتال کے استقبالیہ پر پہنچا تو میں نے وہاں صوفیہ کو کھڑا دیکھا جو کہ کاؤنٹر سے گفتگو کرنے میں مصروف تھی۔

☆.....☆.....☆

صوفیہ کو دیکھ کر مجھے ایسا لگا کہ جیسے وقت کی رفتار تھم گئی ہو..... سادگی میں بھی حسن کا خوبصورتی کا ایسا نظارہ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سفید رنگ کے شلوار قمیض میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی، اس کا چہرہ مصنوعی آرائش سے بالکل پاک تھا بغیر میک اپ کے اتنا تر و تازہ چہرہ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

میں اس کی جانب از خود کھنچا چلا گیا۔ میں یہ بھول گیا کہ ابھی ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے نہایت خوفناک منظر دیکھا تھا؟ میں یہ بھول گیا کہ مجھے نتاشا کے لئے جوس کا ڈبہ لینا ہے۔

ہائے..... میں نے اس کو مسکرا کر مخاطب کیا۔

میرے پکارنے پر اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور دوسرے لمحے اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

آپ..... اور یہاں..... میرا پیچھا تو نہیں کر رہے..... اس نے حیرت کا مظاہرہ کرت یہوئے کہا۔

نہیں..... نہیں..... میری بیوی ایڈمٹ ہے.....

اوہ..... ہاں..... آپ نے بتایا تھا..... سوری۔

کوئی بات نہیں..... چلتے ہیں کیفے ٹیریا میں بیٹھتے ہیں۔

یس..... وائے ناٹ.....

جب تک میں اس کے ساتھ کیفے ٹیریا میں رہا نتاشا کا خیال بھی میرے ذہن میں نہیں آیا میں یہ بھول گیا کہ نتاشا میرا انتظار کر رہی ہوگی۔

مجھے ایسا لگا کہ صوفیہ کے ساتھ گزارا ایک ایک لمحہ میری زندگی کا حاصل ہے جب وہ جانے لگی، از خود میرے منہ سے نکل گیا۔

پھر کب ملاقات ہوگی.....

کیوں..... آج کی ملاقات کافی نہیں کیا..... صوفیہ اٹھلائی۔

نہیں..... ایسی بات نہیں آپ کے ساتھ گزارا وقت دل چاہتا ہے..... کہ لوٹ آئے میں نے دھیرے سے کہا۔

میری بات سن کر وہ ہنس پڑی۔
میں اسے یک ٹک ہنستے دیکھتا رہا۔
واقعی صوفیہ ہنستے ہوئے بے حد حسین معلوم ہو رہی تھی جب اس کی ہنسی رکی تو وہ دھیرے سے بولی۔
شادی شدہ مرد زیادہ فلرٹ ہتے ہیں۔
اوہ..... نہیں..... ایسی بات نہیں ہے..... بس تم کو دیکھنا اچھا لگتا ہے..... میں نے مسکراتے ہوئے لہجے میں اس کی بات کا جواب دیا۔
ویری گڈ..... بیوی کی دلکشی کم ہوگئی کیا..... وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولی۔
بات دراصل یہ ہے کہ تم اچھی لگنے لگی ہو بس..... میں نے مسکراتے ہوئے اس کو جواب دیا۔
میری بات سن کر اس کے چہرے کی مسکراہٹ یکدم غائب ہوگئی، حد درجہ سنجیدگی اس کے چہرے پر نظر آنے لگی۔
میں آپ سے بعد میں بات کروں گی..... یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی کیفے ٹیریا سے باہر نکل گئی۔
صوفیہ نے انکار کیا تھا نہ اقرار مجھے امید تھی کہ صوفیہ ضرور مان جائے گی۔ میرا ارادہ نتاشا کو دھوکہ دینا کا نہ تھا، ویسے بھی شرعاً مجھے ایک سے زاہد نکاح کی اجازت تھی، چونکہ صوفیہ نے مجھے اپنا موبائل نمبر دیا تھا اس لئے اس بات کے ایک دو روز بعد میں نے صوفیہ کا نمبر ڈائل کیا اس کا نمبر بند آ رہا تھا شاید وہ ناراض ہوگئی تھی۔ اس دوران نتاشا بھی گھر آ گئی تھی۔ میں آفس سے چھٹی پر تھا، اس روز رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ نتاشا میرے پہلو میں گہری نیند میں تھی۔
دفعتاً میرے موبائل کی بیپ بجی میں نے چونک کر دیکھا تو وہ صوفیہ کا فون تھا۔ میں نے گھڑی میں وقت دیکھا تو رات کے 12:30 بج چکے تھے۔
میں نے فوراً فون ریسیو کیا تو کال بلینک جا رہی تھی شاید اس نے فون کاٹ دیا تھا، مجھے شدید قسم کی حیرت ہوئی یہ کیا کر رہی ہے، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ فون دوبارہ بجا اب بھی صوفیہ ہی تھی، میں نے فوراً فون ریسیو کیا۔
مجھے امید نہیں تھی کہ آپ اتنی جلدی فون اٹھالیں گے..... دوسری طرف سے صوفیہ کی آواز تھی۔
میں نے پلٹ کر دیکھا تو نتاشا گہری نیند میں تھی۔
بس آپ کو یاد کر رہا تھا..... میں نے روایتی عاشقوں کی طرح ڈائیلاگ مارا۔
آپ سے ملنا تھا..... دوسری طرف سے آواز آئی۔
کل صبح دس بجے آپ کے آفس میں.....
ٹھیک ہے..... آپ آجاؤ..... مگر ملنا کیوں تھا.....
یہ تو کل ہی بتاؤں گی..... صوفیہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا اور فون کاٹ دیا۔
جیسے ہی فون، رکھ کر میں نتاشا کی طرف پلٹا وہ مجھے بیڈ پر بیٹھی نظر آئی اس کے سارے بال کھلے تھے، اور سینے پر بکھرے تھے، سر جھکا ہوا تھا، میں ڈر گیا کہ کہیں نتاشا نے سن تو نہیں لیا۔
نتاشا..... میں نے اس کے کندھے کو ہلایا۔
کندھے کو ہلاتے ہی نتاشا نے سر اٹھایا میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں لال سرخ تھیں اور چہرے پر بے اندازہ وحشت تھی۔
کیا ہوا..... نتاشا.....
وہی آواز..... پھر وہی آواز..... اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔
تمہارا وہم ہے..... میں چڑ گئی..... مجھے آج تک نہیں سنائی دی۔
جانتے ہو..... آج اس آواز نے لفظوں کی صورت میں مجھ سے بات کی..... اس نے میرے چڑنے کی پرواہ کئے بغیر کہا۔
کیا کہا اس نے..... میرے لہجے میں اشتیاق تھا۔
نتاشا جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ میرا فون پھر بجا، فون صوفیہ کا تھا، میں فون لے کر کمرے سے باہر

آ گیا، میں حیران تھا اور مجھے شدید قسم کا اچنبھا تھا کہ یہ اتنی رات کو پاگل تو نہیں ہوگئی میں نے اس کو شدید باتیں سنانے کے لئے فون ریسیو کیا، دوسری طرف صوفیہ نے اتنے پیار سے مجھے جان کہا کہ میرا سارا غصہ کافور ہوگیا۔

جان..... ناراض مت ہونا..... بہت بور ہو رہی تھی کہ سوچا تم سے بات کرلوں اس نے جس لہجے میں مجھ سے بات کی ایک بار پھر میرے دماغ میں کریدچ گئی۔ جیسے میرا دماغ مجھے کہہ رہا ہو کہ یہ لہجہ میرا واقف ہے میں انداز گفتگو کو جانتا ہوں.....

بور تو میں بھی ہو رہا ہوں..... مگر نتاشا جاگ رہی ہے میں بات نہیں کرسکتا۔ اوہ اچھا..... آخری بات اگر مجھ سے شادی کرنی ہے..... تو نتاشا کو طلاق دو یا کسی بھی طرح سے اسے مجھ سے دور کرو..... میں نمبر ون تھی اور ہوں..... اس کا لہجہ سخت تھا۔

کیا مطلب..... لیکن فون کٹ چکا تھا، میں واپس پلٹا تو یہ دیکھ کر میں چونک گیا کہ نتاشا میرے پیچھے کھڑی تھی، اس کے چہرے پر غصہ کے آثار تھے، میں سمجھ گیا کہ اس کو پتہ چل گیا ہے۔

اوہ..... ڈارلنگ..... میں نے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا لیکن اس نے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔

کیا بات ہے..... وہ میرے دوست کا فون تھا..... میں نے تو جیہہ پیش کی..... ظفر..... میں نہیں جانتی تھی کہ تم نے اپنی شان و شوکت کی یہ عمارت کسی بے گناہ کے خون پر رکھی ہے..... اس نے سخت لہجے میں مجھ سے دریافت کیا.....

کیا مطلب..... مجھے تمہاری بات سمجھ نہیں آتی..... چلو کمرے میں بات کرتے ہیں۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

نہیں..... اس نے سختی سے ہاتھ چھڑایا..... چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ بولی۔

جانتے ہو وہ پراسرار آواز..... جیسے ریل کے انجن جیسی آواز..... آج اس نے لفظوں کا روپ اختیار کیا۔

اچھا..... تمہارا وہم..... ایک دن تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑے گا۔ میں نے غصے میں کہا۔

نتاشا میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے بولی۔

''تم نے اپنی بیوی سائرہ کو مار دیا..... کسی شیطانی قوت کو سکون دینے کے لئے..... سائرہ کی لاش اب بھی اس کنویں میں موجود ہے۔'' میں حیران رہ گیا کہ نتاشا کو سچ کا کیسے پتہ چلا.....

''یہ جھوٹ ہے بہتان ہے.....'' میں چلایا۔

میں نے پولیس کو فون کردیا ہے.....

اگر تم سچے ہو تو تم کو کوئی ڈر نہیں ہونا چاہئے۔''

دفعتاً میرے کانوں میں تیز سیٹیاں بجنے لگیں۔ ہواؤں کے تیز جھکڑ چلنے لگے ہوں۔

اچانک میرے کانوں میں انجن جیسی تیز آواز گونجنے لگی۔

''یہ تم کو پھنسادے گی..... ظفر اسے مار دو..... ظفر اسے مار دو..... اسے مار دو۔'' آواز سنائی دی تھی۔

ظفر اسے مار دو۔

ظفر اسے مار دو۔

ظفر اسے مار دو..... آواز بار بار میرے کانوں میں گونجنے لگی۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا نہ جانے کس قوت کے زیر اثر میں نے اس کے گلے کو پکڑ لیا۔ میرے ہاتھوں کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ اس کی آنکھیں ابلنے لگیں۔

ظفر..... مجھے چھوڑو..... مم..... مم..... بیوی ہوں تمہاری..... مجھے چھوڑ دو.....

چپ..... کتیا..... حرام زادی..... مجھے پھنسوائے گی..... جیل میں سڑائے گی..... میرے ہاتھوں کی گرفت سخت سے سخت تر ہونے لگی۔ میرے کانوں میں وہی آواز گونج رہی تھی جو کہ مجھے نتاشا کو مار

ڈالنے کا کہہ رہی تھی، مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا، بس میں اس آواز کے زیر اثر اس کی گردن دباتا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

میرے کانوں میں گونجنے والی وہ آواز بند ہوئی تو دیکھا کہ نتاشا مرچکی ہے، اس کی لاش دیکھ کر میں گھبرا گیا، میرا جنون ساری وحشت وہ آوازیں اب ختم ہوچکی تھیں، میرے سامنے نتاشا مردہ حالت میں پڑی تھیں، مجھے سخت افسوس ہوا کہ میں نے یہ کیا کردیا جس سے پیار کیا اسے ہی مار دیا۔

اچانک مجھے ایسا لگا کہ دروازے پر کوئی ہے۔ میں گھبرا گیا کہ اس وقت کون ہوسکتا ہے کیا پولیس؟ نتاشا نے پولیس کو فون کیا تھا اچانک دروازہ خود بخود کھلنے لگا..... آنے والے کو دیکھ کر میں چونک گیا۔

صوفیہ..... تم..... اس وقت..... میں شدید گھبرا گیا تھا۔

ہاں..... میں اس وقت..... آج میں بہت خوش ہوں میری بے چین روح کو سکون مل جائے گا..... وہ قہقہہ لگا کر بولی۔

کیا مطلب.....

وہ میں ہی تھی..... ظفر جس نے تمہیں اس ویران سڑک پر ڈرایا تھا۔

''میں نے سوچا کہ میں تم کو ماردوں..... مگر میں نے تم کو چھوڑ دیا 4 سال سے تڑپتی میری روح اتنی جلدی تم کو کیسے ماردیتی..... پھر میں نے نتاشا کو ڈرایا ان پراسرار آوازوں سے..... اسے تمہارا سچ بتایا..... تمہارے دل میں اپنی محبت پیدا کی..... تمہیں اتنا مجبور کیا کہ تم نتاشا کو ماردو.....'' اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوئی۔

میں حیرت سے اس کی باتیں سن رہا تھا کہ نہ جانے وہ کیا اناب شناب بک رہی تھی۔

''کیا بول رہی ہو..... تم دیکھو میں نے اسے راستے سے ہٹادیا۔ اب ہم شادی کرسکتے ہیں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ اور آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن میرے پیر جیسے فرش پر چپک گئے تھے..... میں ہل نہ سکا آگے بڑھ نہ سکا۔

میری بات سن کر اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''تم انتہائی بے غیرت اور بے حیا انسان ہو..... میں نے کہا تھا نا کہ میں موت کے بعد تمہیں نہیں چھوڑوں گی..... جانتے ہو میں کون ہوں.....''

''نہیں.....'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''تو دیکھو.....'' وہ چلائی۔

میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ تبدیل ہونے لگا..... اس کا بدلتا روپ دیکھ کر میں چیخ پڑا۔

وہ کوئی اور نہیں بلکہ سائرہ تھی..... جس کے انتقام نے مجھے یہاں تک پہنچادیا تھا۔

میں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن بھاگ نہ سکا اور گرفتار ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

جب مصیبتیں آتی ہیں تو چاروں طرف سے آتی ہیں۔ میری گرفتاری کے دو دن بعد میرے منیجر نے بتایا کہ جو کروڑوں کا مال ہم نے باہر بھیجا تھا وہ Low Quality کی وجہ سے مسترد ہوگیا، اس صدمے سے دو چار تھا کہ منیجر نے لوگوں کی تنخواہیں لے کر راہ فرار اختیار کرلی۔ میں ایک ہفتے میں تباہ و برباد ہوگیا۔

عدالت نے مجھے نتاشا کے قتل کے جرم میں پھانسی کا حکم سنایا۔ اب میں جیل میں ہوں۔ پھانسی کا منتظر ہوں اور دن رات سائرہ اور نتاشا کو یاد کرکے آنسو بہاتا ہوں۔

شاید میری داستان سن کر لوگ سبق حاصل کرلیں کہ قناعت ہی سب سے اچھی چیز ہے۔

اس بڈھے جادوگر نے ٹھیک کہا تھا وہ مجھے اندھیرے میں دیکھتا ہے۔

دنیا کی عدالت میں تو میرا فیصلہ ہوگیا۔ مگر اللہ کی عدالت میں ابھی فیصلہ ہونا باقی ہے۔

خوفناک منظر

عنیزہ فضل داد (جگہ نامعلوم)

پورا دن خوف و ہراس میں کٹتا رہا کہ اب نہ جانے کیا ہونے والا ہے اور جب مقررہ وقت آیا تو جسم و جاں پر کپکپی طاری ہوگئی پورا گائوں خوفف کے لبادے میں لپٹ گیا اور پھر.....

خراماں خراماں دل و دماغ کو خوف کے شکنجے میں جکڑتی ذہن سے محو نہ ہونیوالی کہانی

یار کتنی ڈرپوک ہو تم..... تم سے تو یہ ایک گیند تک نہیں لائی جاتی حد ہوتی ہے بھئی کیا بنے گا تمہارا.....

صبا پچھلے آدھے گھنٹے سے مجھے لگاتار صلواتیں سنائے چلی جارہی تھی ایسا بنتا بھی تھا کیونکہ اس نے وہ کام کر دکھایا تھا جو میں تو کبھی نہیں کر سکتی تھی وہاں موجود بھوتوں کے اس محل سے گیند لانا کسی معرکے سے کم تھوڑی تھا اور یہ معرکہ صبا نے سر کر دکھایا۔

یار تمہیں پتہ تو ہے یہ گھر..... گھر نہیں بلکہ ایک بھوت بنگلہ ہے تم کیسے یہ سب کر سکتی ہو کیا تمہیں ذرا برابر بھی ڈر نہیں لگتا اور تم جانتی ہو ناں اگر آنٹی کو یہ سب پتہ چل گیا تو تمہارا کیا ہوگا۔

ارے یار کچھ نہیں ہوتا!

پتہ نہیں میں نے بھی کیسی پھُدّو (ڈرپوک)

انسان کے ساتھ دوستی کرلی ہے۔اب تو تمہارا یہ ڈر نکال کر ہی رہوں گی میں، میری بات سنو تم آج رات مجھ سے یہیں ملو گی سمجھی۔

کک.....کک.....کیا مطلب؟

بھئی میرے خیال سے میں نے فارسی تو بولی نہیں جو تمہیں سمجھ نہ آسکے۔

نہیں کبھی نہیں، میں یہاں نہیں آؤں گی اور وہ بھی اندھیری رات کے اس پہر نہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا ..... مجھے لگتا ہے اندر جا کر بال لانے سے تمہارا دماغی توازن بگڑ چکا ہے اس لئے اب ہمیں گھر واپس چلنا چاہئے۔

ہاں ٹھیک ہے تمہاری مرضی اب دیکھ لو میں رات میں تمہارا یہیں انتظار کروں گی اور سوچ لو اگر میں اکیلی یہاں کھڑی رہی اور مجھے کچھ ہوگیا تو اس کی ذمہ دار صرف اور صرف تم ہوگی اب فیصلہ تمہارا ہے!

نہیں میں نہیں آؤں گی بس میں نے کہہ دیا اب چلو یہاں سے!

صبا کی آنکھوں سے نا جانے کیوں مجھے خوف سا محسوس ہونے لگا اس کی آنکھوں میں ایک عجیب وحشت سی تھی لیکن میں اسے دیکھے بنا اپنی بات مکمل کر کے آگے چلنے لگی لیکن دل بار بار ہولے چلا جا رہا تھا کہ اگر سچ میں صبا نے اپنی ضد نہ چھوڑی تو خود کو کوئی نقصان نہ پہنچا بیٹھے۔

پورا دن صرف اسی خوف میں کنتار ہا کہ نہ جانے اگلے پہر کیا ہونے والا ہے اور بلآخر شام ڈھلتے ہی صبا کی کال نے میری رگ وجان میں اک سرد لہر دوڑا دی اور نا چاہتے ہوئے بھی مجھے اس کا فون اٹھانا پڑا۔

صبا تم آرہی ہو ناں؟

نن.....نن.....نن.....نہیں۔

سنو میں نے تم سے انکار سننے کے لیے کال نہیں کی بلکہ یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ میں گھر سے نکل رہی ہوں باقی تم جو چاہو کرو۔

میری کسی بھی بات کو خاطر میں لائے بنا وہ دوسری جانب سے فون کاٹ چکی تھی۔

کیا مجھے جانا چاہیے؟

نہیں نہیں بالکل بھی نہیں میں وہاں کیسے جاسکتی ہوں؟

لیکن وہاں میری دوست میرے سبب کسی مشکل میں نہ پھنس جائے؟

لیکن میں نے تو اسے روکنے کی بھرپور کوشش کی اب اس نے اگر میری بات نہیں سنی تو اس میں میرا کیا قصور۔

لیکن وہ میری دوست ہے مجھے اسے یوں اکیلے نہیں چھوڑنا چاہیے ہاں مجھے جانا چاہیے۔

کافی دیر خود سے ہم کلام ہونے کے بعد میں اسی نتیجے پر پہنچی کہ میرا وہاں جانا ہی بہتر ہے۔

امی میں جا رہی ہوں؟

کیا کہاں جا رہی ہو بیٹا؟

امی وہ میں صبا کی طرف جا رہی ہوں بس تھوڑی دیر میں واپس آجاؤں گی۔

لیکن اتنی رات گئے کیا ضرورت ہے جانے کی باہر بہت ٹھنڈ پڑ رہی ہے بیٹا آپ کو جو بھی کام ہو آپ صبح اس سے بات کر لینا ابھی آپ اندر جاؤ؟

امی پلیز مجھے اپنے صبح کے اسائنمنٹ کے بارے میں اس سے بات کرنی ہے اب وہ صبح تو نہیں ہو سکتی ناں پلیز۔

اچھا اچھا جاؤ لیکن جلد واپس آنا ہے سمجھی ناں۔

جی امی سمجھ گئی بس یوں گئی اور یوں آئی۔

ڈر کے مارے میرا آدھا خون رستے میں ہی خشک ہو چکا تھا اور یہ رستے کے درمیان پڑتا قبرستان میری باقی کی جان نکالنے کے لیے کافی تھا کہ اچانک قبرستان میں موجود کسی کی ہلکی ہلکی آہٹ نے میرے قدم برف کی مانند جما دیے۔

آیت الکرسی ہاں جلدی پڑھو اور آگے بڑھو لیکن آیت الکرسی مجھے یاد کیوں نہیں آرہی یا خدا میری مدد فرما میرے قدم بھی آگے اٹھ نہیں پا رہے یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

آل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو

آل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو

آہستہ آہستہ وہ آہٹ مزید بڑھتی ہی چلی جارہی تھی اور کوئی بڑی تیزی سے میری جانب بڑھے چلا آرہا تھا کہ آچانک آیت الکرسی کا ورد میری زبان پر جاری ہوگیا اور اس کے پڑھتے ہی میں وہاں سے بھاگ نکلی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ قدم کہاں پڑ رہے ہیں نہ جانے کتنی ہی قبروں کو ٹھوکر مارتے میں بھاگی چلی جارہی تھی کہ اچانک قبرستان کے اختتام پر مجھے وہ گھر دکھائی دیا۔

وہی خوفناک گھر کہ جو نہ جانے کب سے بند پڑا تھا لیکن اس کے دروازے پر نہ تو کوئی تالہ موجود تھا اور نہ ہی کوئی چوکیدار کسی کی ہمت نہیں ہو پاتی تھی کہ وہ اس خالی کھلے مکان میں قدم بھی رکھ سکے میں خود نہ جانے کیسے وہاں تک پہنچ آئی مجھے خود کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

صبا.....صبا.....صبا، کہاں ہو تم؟

دیکھو میں آگئی ہوں پلیز مجھے جواب دو صبا.....

صبا.....پلیز یار مجھے تنگ مت کرو پلیز.....پلیز۔

اوہ ہاں میں اسے کال کرتی ہوں۔

لیکن میرا فون ارے ابھی جیب میں ہی تو رکھا تھا میرا فون۔

میرا فون کہاں چلا گیا۔ نہیں اوہ خدایا میرا فون اب میں کیا کروں۔

میرا فون شاید قبرستان میں ہی کہیں گر چکا تھا اور اب صبا کی تلاش میں اندر جانے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ باقی نہ رہا لیکن اب اس کھنڈر نما گھر میں جانے کی ہمت مجھ میں نہ تھی لیکن اپنی جان سے پیاری دوست کا خیال دل میں آتے ہی بلآخر قدم بڑھایا، اس کھنڈر کا دروازہ میرے چھونے سے ہی کھل چکا تھا اور اندر جاتے ہی ہر طرف لٹکتے جالے ادھر سے ادھر اُڑتے چمگادڑ اور ان کی آوازیں اس ماحول کو مزید خوفناک بنائے جارہی تھیں کہ اچانک مجھے پھر وہی دھیمی دھیمی سی آہٹ محسوس ہونے لگی اور اس بار وہ آہٹ کچھ زیادہ تیزی سے میری جانب بڑھتی محسوس ہوئی، لیکن میں نے جیسے ہی اچانک پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔

مشہور و معروف رائٹروں کی

تحریر کردہ 40 سے زائد کہانیاں

خوفناک کہانیاں

حاسدہ، نادیدہ مخلوق، خونی انتقام، پراسرار مندر، موت کا سودا، روح کی بے چینی، قلبی اذیت، موت کا سامنا، پراسرار سایہ، دہقان نو، پراسرار سانپ، سپر شپ، موت کی وادی، حویلی کا راز، انوکھا ہمسفر، موت کا قلعہ، خواب پریشان، اندھیری رات، اندھا قتل، قسمت کا چکر، جنات سے دوستی، تباہی بربادی، خواہش ناتمام، غیبی محافظ، خونی حویلی، دلہن کی روح، موت کا بدلہ، ناگ منکا، ناشکرا، دوسری مخلوقات، خبیث روح، اماوس کی رات، ظالم آتما، روح کی مدد، روحوں کا ملن، بے بس روح، موت کا بدلہ، پراسرار دنیا، غلط فہمی، ڈھائی بجے، ادھورا انتقام

صفحات 400 قیمت -/300 روپے

گھر بیٹھے کتاب منگوائیں

ڈاک خرچ ادارہ ادا کرے گا

ڈریم پبلی کیشنز

نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی

رابطہ نمبر: 0324-7232580

لیکن اسی وقت مجھے اپنے بہت قریب سے کوئی چلتا محسوس ہوا اور ساتھ ہی ساتھ بچوں کے شور وغل کی دھیمی دھیمی صدائیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

کون ہے؟ کون ہے؟

میں نے پوچھا کون ہے یہاں؟ آنکھوں سے ٹپ ٹپ برستے آنسو اور میرے لڑکھڑاتے قدموں کے سبب میں کسی بھی وقت منہ کے بل گرنے کو تیار تھی کہ اچانک پردوں کے پیچھے سے سرسراہٹ سی محسوس ہونے لگی اور اس کے پیچھے کھڑی کسی دوشیزہ کی پرچھائی نے میری بچی کھچی جان بھی نکال دی تھی لیکن میرے منہ سے سب جانتے بوجھتے بھی صبا کا نام آنکلا۔

صبا کیا یہ تم ہو؟ صبا اگر یہ تم ہو تو یہ بہت ہی بھونڈا مذاق ہے سن رہی ہو ناں صبا..... صبا..... میں جارہی ہوں مجھے نہیں رکنا اب یہاں۔

تم یہاں سے کہیں نہیں جاسکتی لڑکی تم آئی تو اپنی مرضی سے ہو لیکن جاؤ گی ہماری مرضی سے ہاہاہاہاہا۔

اس قدر خوفناک ہنسی میں نے اس سے پہلے آج تک نہ سنی تھی اور نہ ہی پھر کبھی سننے کی خواہش رکھتی تھی میں تو صرف وہاں سے بس چلی جانا چاہتی تھی بھاگنا چاہتی تھی لیکن اس ایک پکار کے بعد میرے قدم پھر سے برف بن چکے تھے اور اب وہ اٹھائے نہ اٹھتے تھے۔

کون ہے؟ میں نے پوچھا کون ہے یہاں؟

لکڑی کی ٹاکی، ٹاکی پہ گھوڑا۔

ہاہاہا پکڑو پکڑو ناں مجھے بچو تم مجھے نہیں پکڑ سکتے۔

یہ سب..... نہیں یہ میری نظروں کا دھوکہ ہے اور کچھ نہیں یہ سب سچ نہیں ہے ہاں یہ سب سچ نہیں ہے۔

تم تو بڑی بہادر نکلی لڑکی ہمارے گھر ہماری مہمان بن کر آئی اب تمہاری مہمان نوازی کرنا تو بنتا ہے ناں ہم پہ۔

منہ سے باہر نکلتے آدھے دانت، لمبے بال، لال آنکھیں، کالا جلا رنگ اور ہر طرف پھیلی بدبو میرے جسم سے آہستہ آہستہ جان نکالے چلی جارہی تھی کہ اتنے میں وہ خوفناک بلا اُڑ کر میرے سامنے آکھڑی ہوئی اور اسے اپنے اتنے قریب دیکھتے ہی میں بے ہوش ہوکر زمین پر بے سدھ گر پڑی۔

اگلے دس دن بعد جب ہوش آیا تو خود کو ایک اسپتال کے بستر پر پڑا پایا۔

امی وہ صبا کہاں ہے؟

کہاں ہے صبا؟

بیٹا آپ روؤ مت سب ٹھیک ہے صبا بھی ٹھیک ہے مجھے ایک بات بتاؤ تم اتنی رات گئے اس کھنڈر نما گھر میں کرنے کیا گئی تھی اگر ہم وقت پر نا پہنچتے تو جانتی بھی ہو کہ کیا ہوسکتا تھا تمہارے ساتھ۔

امی وہ وہ وہ..... میں صبا.....

ہاں صبا نے ہمیں سب بتا دیا ہے کہ اس دن اس نے تم سے مذاق کیا وہاں جانے کے بارے میں اور تم منہ اٹھائے وہاں چلی گئی یہ تو بھلا ہو قبرستان کے گورکن بابا کا کہ انہوں نے تمہیں وہاں جاتے دیکھ لیا اور ہمیں فوراً خبر کردی ورنہ نہ جانے کیا ہو چکا ہوتا اب تک۔

تم اتنی لاپرواہ کیسے ہوسکتی ہو بیٹا۔

ماں کی ڈانٹ اس وقت مجھے ڈانٹ نہیں لگ رہی تھی بلکہ مجھے تو یقین بھی نہیں ہو پارہا تھا کہ میں اب تک زندہ ہوں لیکن امی کے ساتھ لپٹ کر رو دینے سے میرا خوف جاتا رہا اور صبا سے ملاقات کے بعد یہ پتہ چلا کہ وہ اس رات وہاں گئی ہی نہیں تھی کیونکہ اسے یقین تھا کہ میں وہاں کبھی نہیں آؤں گی لیکن اس کے اس ایک مذاق نے میری پوری زندگی بدل کر رکھ دی نہ جانے کتنی راتوں تک وہ خوفناک منظر میری نظروں کے سامنے گھومتا رہا اور میری آنکھوں نے نہ جانے کتنے مہینوں تک یہ کالی خوفناک اندھیری راتیں جاگتی آنکھوں گزاری۔

وہ شہر وہ گھر وہ علاقہ اس حادثے کے بعد ہمارا سب کچھ بدل چکا تھا نہ بدلا تو میرے دل میں موجود وہ خوف نہ بدلا جو آج تک جب جب یاد آتا ہے تو میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

تودہ

احسان سحر-میانوالی

نوجوان پر کپکپی طاری ہوگئی تھی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس کا دل دھڑکنے لگا اس کے کان چوکنے ہوگئے پھر اس نے رائفل سیدھی کی لیکن اب اسے دیر ہوچکی تھی۔

دل دہلاتی اور عقل.....کو حیران کرتی عجیب وغریب.....ناقابل یقین.....کہانی

یہ تودے کی شکل والی شے سطح سمندر پر کسی سیاہ بلا کی طرح متحرک تھی۔ تھوڑے تھوڑے واقعے کے بعد اس میں تبدیلی واقع ہوتی تھی۔ یہ کبھی رقیق لگنے لگتی تھی۔ کبھی گاڑھی، اس کا جسم آنکھوں سے یقیناً مبرا تھا۔ لیکن اس کی حسیں بہت تیز تھیں۔ اپنے کریہہ بدنما وجود کو کبھی اس طرح سکڑتی کہ کسی بہت بڑی ڈشتری کی مانند ہوجاتی اور جب پھیلتی تو یوں لگتا جیسے کوئی دیو پیکر مچھلی پانی پر ابھر آتی ہو۔

مدتوں سے وہ یونہی سمندر میں چکراتی پھر رہی تھی۔ اس کا وجود سمندر ہی کی طرح پرانا تھا۔ یہ رات سے پیدا ہوتی تھی اور تاریکی اس کی زندگی تھی۔ بحیرہ اسود کا وہ حصہ جسے اس کی جائے پیدائش کہنا چاہئے ازل سے سیاہ رات کی طرح تاریک رہتا تھا اس کا سارا وجود بس ایک شے کا تابع تھا اور وہ شے تھی۔ ''بھوک'' ایک

نہ تھا۔ کوئی آواز بھی نہیں تھی۔ وہ گھنے درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور تاریکی میں گھورنے لگا دور دور تک بس درختوں کی پرچھائیاں تھیں اور اندھیرا تھا گو اسے اپنی گھبراہٹ کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔

وہ کوئی بوتھی بلکہ بدبو بے حد گھناؤنی سی جیسے سڑی ہوئی مچھلی یا پھر اسی طرح کی کوئی چیز۔ اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ آگ کو بھڑکانے کے لئے مزید لکڑیاں درکار تھیں۔ قریب بھی بس چند سوکھے پتوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اس نے انہی کو بٹورا اور آگ پر ڈال دیا۔ لمحہ بھر کے لئے آگ کا ایک لو بلند ہوا اور چند گز تک روشنی پھیل گئی۔ اسی وقت اسے قریب کی جھاڑیوں میں سے اس طرح کی آوازیں سنائی دیں جیسے کوئی بھاری چیز رینگتی ہوئی چل رہی ہو۔ بوکھلاہٹ میں وہ ذرا پیچھے ہٹ گیا۔ کوئی جانور..... یقیناً کوئی بڑا سا جانور یہاں موجود ہے۔ اس نے سوچا۔ تو پھر وہ ادھر کیوں نہیں آ رہا۔ شاید آگ سے خوفزدہ ہے۔ پھر اس نے آگ کو بھڑکانے کے لئے مزید پتے ڈھونڈنے کے لئے ادھر ادھر نگاہ ڈالی۔ مگر بے سود۔ پھر کیا میں یہاں سے بھاگ لوں؟ مگر بھاگ نہیں سکتا۔ اس نے چیخنے کی کوشش کی مگر اس کا بھی یارا نہ ہو سکا۔

رفتہ رفتہ اسے کسی شے کے سرنے کی آواز صاف سنائی دینے لگی۔ پھر لکڑیوں میں موجود آخری چنگاری بھی راکھ میں بدل گئی۔ اسی وقت قریب کی جھاڑیاں چرچرائیں اور پھر کوئی شے تیزی سے اس کے قریب لپکی۔ ہنری کے حلق سے ایک بار پھر اس طرح کی مدھم آواز نکلی جیسے کسی ذبح کئے جانے والے بچھڑے کے منہ سے نکلتی ہے۔ دوسرے ہی لمحے وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ سوائے اس عظیم تودہ نما شے کے۔ جو جھاڑیوں سے نکل کر اب اس مقام پر جیسے منجمد ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہارٹن کی دلدل کے آخری کنارے پر بنے فارم ہاؤس میں پلنگ پر لیٹا ہوا بوڑھا گوسی یکا یک ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا رات بھر تیز ہواؤں کے جھکڑوں کے باعث اسے اچھی طرح نیند نہیں آتی تھی۔ شاید اسی وجہ سے وہ ابھی تک بستر پر پڑا ہوا تھا۔ آہستہ چلتا ہوا وہ کچن میں داخل ہوا۔ اس نے ناشتہ تیار کیا ناشتے کے بعد وہ اس باڑھ میں گیا جہاں اس کی اکلوتی گائے بندھی ہوئی تھی۔ باڑھ کے نزدیک پہنچتے ہی اس نے اپنے تئیں بری طرح سکیڑے، ادھر سخت بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ عجیب علاقہ ہے یہ بھی، اس نے دلدلی علاقے کو ایک گالی دی پھر باڑھ میں داخل ہوا۔ اس نے اس کونے کو دیکھا جدھر گائے بندھی ہوئی تھی۔ مگر اسے گائے نظر نہ آئی۔ تعجب سے اس نے اپنی آنکھیں ملیں اور پھر دیکھا۔ مگر وہاں گائے موجود نہ تھی۔ آخر یہ کم بخت کدھر چلی گئی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر اس نے زمین پر نظر ڈالی کچھ ایسے نشانات بنے ہوئے تھے۔ جیسے کوئی بڑا سا جانور کیچڑ میں لت پت ادھر آ رہا ہو۔ آخر یہ کون سی شے تھی.....؟ اور جانور کے تو پنجے ہوتے ہیں مگر زمین کے نشانات عجیب طرح کے تھے۔ وہ سوچتا رہا اور پریشان ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ اس کا دماغ جواب دے گیا۔ بدحواس ہو کر وہ وہاں سے بھاگا۔ وہ یہاں سے دو میل پرے واقع بستی کلنٹن سنسر کی طرف لپک رہا تھا۔

کلنٹن سنسر کے لوگ بھی عجیب واحمق تھے جس کو بھی اس نے گائے کی گمشدگی کے بارے میں بتایا اور ان پراسرار نشانات کا بھی ذکر کیا۔ وہی اس پر ہنسا۔ البتہ چند لوگوں نے اس کی بات سنجیدگی سے بھی سنی مگر یہ بھی بس سنے ہوئے لوگ تھے۔ اسے احمق یا افیونی سمجھ رہے تھے۔ دوا فروش جم ہی ایک ایسا شخص تھا جس نے نہ صرف پورا واقعہ سنا بلکہ سوچتے ہوئے اس نے کہا کہ خود میں نے بھی کل رات کو وہارٹن کے علاقے سے گزرتے ہوئے ایک مدھم سی چیخ سنی تھی۔ مگر پھر سناٹا چھا گیا تھا اور میں نے اسے اپنا وہم قرار دیا تھا۔ گوسی جم سے رخصت ہو کر چل رہا تھا۔ ابھی اس نے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ اسے اپنا ہمسایہ بارنہیں نظر آیا۔ اس کے ساتھ اپنا بلڈ ہاؤنڈ کتا بھی تھا اور بارنی ہاتھ میں بندوق پکڑ رکھی تھی۔

''کیا شکار پر جا رہے ہو؟'' گوسی نے اس سے پوچھا۔

''ہاں چاند نکلنے کی امید ہے، کچھ وقت گزاروں گا۔''

''میری گائے آج عجیب وغریب طریقے سے غائب ہوگئی ہے۔'' گوسی نے کہا اور پھر پورا قصہ سنایا۔

''معلوم نہیں تم کو یقین آتا ہے کہ نہیں۔'' اس نے کہا۔

سارا وہ یہ قصہ کلنٹن میں دہراتا رہا تھا اور اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا تھا، اس کا خیال تھا کہ بارنبی بھی اس کا مذاق اڑائے گا۔ لیکن خلاف توقع بارنبی نے پرخیال انداز میں سر ہلایا۔

''مگر مجھے حیرت ہے۔'' بالآخر بارنبی نے کہا۔ ''اس علاقے میں کبھی کوئی درندہ نہیں دیکھا گیا۔ پھر بھلا کون سی شے ہوسکتی ہے جو تمہاری گائے کو کھا سکے؟''

پھر وہ بھی گوسی سے رخصت ہو کر چل دیا۔ اس نے چلتے ہوئے کئی بار گردن جھٹکی اور سوچنے لگا کہ بوڑھا گوسی کچھ سٹھیا گیا ہے۔ شاید، پھر وہ شاہراہ سے کٹ کر ایک چھوٹی سی پگڈنڈی پر اُتر گیا۔ جو سیدھی وہارٹن کے جنگلوں کی طرف جاتی تھی۔

وہارٹن کا یہ دلدلی علاقہ چھوٹے سے جنگل پر مشتمل تھا۔ جہاں چھوٹے جانوروں کا وافر ذخیرہ تھا۔ خرگوش تو بہت زیادہ تھے اور انہی کے گوشت کا مزہ بارنبی کو ادھر لے آیا تھا۔ جنگلوں تک پہنچنے میں اسے جتنا وقت لگا اس عرصے میں شاید گرمی ہو چکی تھی اور چاند اوپر چڑھنے لگا تھا۔ کئی بار اس کا کتا خرگوش کے تعاقب میں لپکا مگر نہ جانے کیوں وہ تھوڑی دور جا کر کچھ اس طرح لوٹ آتا جیسے آگے جانے میں کوئی خطرہ ہو۔ اس نے برہمی سے کتے کو ڈانٹا پھٹکارا۔

''اب یہ تجھے کیا ہوگیا ہے، آگے کیوں نہیں جاتا؟''

مگر یہ پھٹکار وغیرہ فضول ہی رہی تھی۔ کتا کسی بھی طرح زیادہ دور جانے پر تیار نہ ہوا۔ نہ جانے اس کم بخت کو کیا ہوگیا ہے۔

بارنبی بڑبڑایا۔ اس نے تاریکی میں دور تک

حفظ ماتقدم

ایک وزیر اچانک جیل کے دورے پر پہنچا تو جیلر گھبرا گیا اور وزیر کو جیل کا دورہ کرانے لگا۔

وزیر: یہاں پر رہائش کا انتظام کیسا ہے۔

جیلر: سر بہت اچھا۔

وزیر: کیا قیدیوں کو تفریحی سہولیات بھی دی جاتی ہیں۔

جیلر: سہولیات قیدی کی جیب کے مطابق ملتی ہیں۔ وزیر: کیا جیل کا عملہ تعاون کرتا ہے۔

جیلر: جی سر، جتنی آپ مٹھی گرم کریں گے آپ کا وہ اتنا ہی خیال رکھیں گے۔

جیلر: مگر یہ سب آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔

وزیر: کیوں کہ ہماری حکومت ختم ہونے والی ہے اور اب ہم نے اپنے کاموں اور کرتوتوں کی وجہ سے یہیں آنا ہے۔ اس لئے پوچھ رہا ہوں۔

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈوالہ یار)

گھورا۔ ہر چیز حسب معمول تھی۔ ہاں، اس کی ناک میں کچھ بدبو ضرور محسوس ہو رہی تھی۔ یہ بہت ہی کراہیت خیز تھی۔ جیسے قریب ہی کوئی لاش سڑ رہی ہو۔ شاید یہ گھاس ہے جو سڑ رہی ہے۔ بارنبی نے سوچا۔

وہ مڑا۔ اس نے ایک خرگوش کے پیچھے کتے کو پھر دوڑایا اور پھر کتا ذرا دور جا کر رک گیا اور پلٹ آیا۔ بارنبی کو یقین تھا کہ خرگوش قریبی جھاڑیوں میں دبک گیا ہے اس نے کتے کو للکارا۔ اس بار اس کی کوشش ضائع نہیں ہوئی۔ کتا ہمت کر کے لپکا۔ مگر وہ دوڑ نہیں رہا تھا۔ بلکہ صرف آگے بڑھ رہا تھا۔ سہم سہم کر اور اس کی پیٹھ کے سارے بال اس طرح کھڑے ہوگئے تھے جیسے وہ خوفزدہ ہو۔ بارنبی کتے کے پیچھے تھا اور وہ بھی اس گھنی

جھاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چاندنی کے باوجود جنگل میں جگہ جگہ سخت اندھیرا تھا۔ بارنبی سنبھل سنبھل کر آگے بڑھ رہا تھا کہ کہیں کسی جوہڑ وغیرہ میں نہ جا گرے۔

تبھی آگے بڑھتے ہوئے کتے نے منہ سے بھوں بھوں بلند کی مڑا اور سرپٹ بھاگا۔ یہ پہلا اتفاق تھا کہ اس کا کتا اس قسم کی حرکات کر رہا تھا۔ پھر بارنبی کو بھی کچھ خوف سا محسوس ہوا۔ گھنی جھاڑی سے کشتی لڑتے ہوئے اس نے آنکھیں پھاڑ کر ادھر دیکھا۔ مگر وہاں گہری تاریکی تھی۔ واپس ہوتے ہوئے اس کے کان میں ہلکی سی ایک ایسی آواز پیدا ہوئی جیسے کوئی بھاری شے کھسکی ہو۔ اس کا دل یکدم دھڑکنے لگا۔ کان چوکنے ہوگئے۔ کھسکنے یا سرکنے کی آواز اسے اب مسلسل سنائی دے رہی تھی۔ بارنبی نے اپنی رائفل سیدھی کی اور آواز کی سمت اپنی نظریں گاڑ دیں، پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس نے رائفل اٹھائی اور ٹریگر دبا دیا۔

دھائیں کی آواز کے ساتھ گولی چلی اور آگ کا شعلہ ابھر کر ڈوب گیا۔ اس کی لحاتی روشنی میں اس نے دیکھا کہ اس سے چند گز کی دوری پر کوئی تو وہ نما شے سر اُٹھائے کھڑی ہے۔ بے نقش اور بے چہرہ اور اس شے میں حرکت تھی۔ وہ لپک رہی تھی۔ غالباً اندھیرے میں وہ بہت ہی خوفناک لگ رہی تھی۔ بوکھلا کر بارنبی مڑا مگر اسے دیر ہو چکی تھی۔ پھر اسے یوں لگا جیسے اس پر کوئی بڑی عمارت آ گری ہو۔ اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ وقت سے پہلے ہی دم توڑ گئی۔

☆.....☆.....☆

گوسی کی یہ رات پچھلی رات کی طرح بے چینی سے گزری تھی۔ حسب معمول اس نے ناشتہ بنایا۔ اس کے بعد اس نے احاطے کا چکر لگایا ہر چیز اپنی جگہ تھی بس گائے ابھی تک غائب تھی۔ اس نے سوچا ذرا بارنبی کے ڈیرے پر چل کر معلوم کروں شاید اس نے میری گائے کو جنگل میں کہیں دیکھا ہو۔ بارنبی اس کا قریبی ہمسایہ تھا۔ مگر اس کا گھر بھی کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ مکان کے سامنے پہنچ کر اس نے دستک دی۔ کچھ دیر وہ دروازہ کھلنے کا منتظر رہا۔ مگر اندر خاموشی تھی۔ اس نے دروازے کو زور سے بجایا۔ معاً عقب سے اس نے بارنبی کے کتے کو نکلتے دیکھا۔ عام طور پر وہ بھونکتا تھا مگر اسے حیرت ہوئی جب اس نے کتے کو مسمسی صورت بناتے کھڑے دیکھا۔

''کیا ہوا؟..... جیس..... بارنبی کہاں ہے.....؟'' اس نے کتے سے پوچھا۔

مگر کتا وہیں کھڑا اسے اداس نظروں سے دیکھتا رہا۔ گوسی نے مکان کی سمت دیکھا پھر وہ واپس ہو گیا اور اس سڑک پر چل دیا جو بستی کی طرف جاتی تھی۔

'اب وہ میری باتیں غور سے سنیں گے۔' دانت پیستے ہوئے گوسی نے خود سے کہا..... 'میری گائے کی گمشدگی کا انہوں نے مذاق اُڑایا تھا، مگر اس بار ایک آدمی گم ہوا ہے۔ اب میں انہیں بتاؤں گا کہ بارنبی اپنے کتے کے ساتھ دلدلی جنگل میں گیا تھا اور پھر واپس نہیں لوٹا میرا خیال ہے کہ وہ اب مجھ پر اس طرح نہیں ہنسیں گے جس طرح وہ میری گائے کا قصہ سن کر ہنستے تھے۔

☆.....☆.....☆

پولیس چیف مائلز نے کلنٹن کے تھانے میں بوڑھے گوسی کو گھستے دیکھا تو اپنی کرسی پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنی گائے کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوانے آیا ہے۔

مگر جلد ہی چیف کا اندازہ غلط ہو گیا۔ بوڑھا گوسی ایک اور کہانی کے ساتھ آیا تھا اور یہ کہانی بارنبی کے بارے میں تھی جو اس کا ہمسایہ تھا۔ بارنبی کل شام کو شکار کے لئے گیا تھا، اس کا کتا اس کے ساتھ تھا، اس نے زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اب اس کا مکان خالی ہے اور کتا مسمسی صورت بنائے ادھر بیٹھا ہوا ہے۔''

پولیس چیف نے اس کی رپورٹ غور سے سنی اور پوچھا کہ اسے یقین ہے کہ بارنبی غائب ہے، گوسی نے کہا کہ وہ یقین سے تو نہیں کہہ سکتا لیکن آثار یہی ہیں کہ وہ اب کبھی نہیں لوٹے گا۔ چیف پر اس نے اپنی بوڑھی آنکھیں جماتے ہوئے کہا۔ ''میری گائے بھی غائب

ہے اور اب بارنبی....." اس نے مزید کہا۔ "کتے کی حالت یہی ظاہر کررہی ہے کہ وہ اپنے آقا کے لئے غمگین ہے۔ میرا خیال ہے کہ بارنبی کے ساتھ وہی کچھ ہوا ہے جو میری گائے کے ساتھ ہوا تھا۔"

اس کی باتوں کا بہرحال چیف پر کوئی خاص اثر تو نہ ہوسکا۔ وہ جلد ہی کسی بات پر آمادہ ہونے پر آمادہ نہ تھا۔ اس نے اوپری دل سے کہا۔ "ٹھیک ہے..... میں دیکھوں گا کہ کیا معاملہ ہے۔ شام تک اس کی واپسی کا انتظار ضروری ہے، پھر دیکھا جائے گا۔"

گوسی کو چیف کے جواب سے مایوسی ہوئی۔ اس نے منہ بنایا اور کرسی سے اُٹھ کر باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

دن یونہی گزر گیا۔ چھ بجے شام کو بوڑھا گوسی شہر کے ایک ہوٹل میں پہنچا۔ اس نے وہاں اپنے رہنے کے لئے کمرہ کرائے پر لے لیا، بارنبی ابھی تک لاپتہ تھا۔ پولیس چیف مائلز نے ایک گشتی کار کو حکم دیا کہ وہ تازہ رپورٹ فراہم کرے۔

آٹھ بجے کار واپس ہوئی سرجنٹ گراہم نے بتایا۔ "وہاں چڑیا کا بچہ تک نہیں ہے۔ میں نے گوشہ گوشہ دیکھ لیا ہے۔ بارنبی کا کتا البتہ وہیں جما ہوا ہے اور اس طرح مضطرب ہے جیسے اسے مکھیاں کاٹ رہی ہوں۔"

چیف کے لئے یہ رپورٹ عجیب تھی۔ بارنبی کی گمشدگی لمبی ہوگئی تھی اور اب رات بڑھ چکی تھی۔ جہاں دن میں کسی کو ڈھونڈنا مشکل تھا وہاں رات میں کیا ہوتا۔ ابھی تک یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ بارنبی مرچکا ہے۔ ممکن تھا کہ وہ کسی عزیز کے ہاں چلا گیا ہو۔ نو بجے چیف نے طے کیا کہ تلاش صبح تک ملتوی کردی جائے۔

☆.....☆.....☆

یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ تھانے سے گھر جانے والا تھا۔ اس وقت دس بج رہے تھے۔ تھانے کے احاطے میں ایک کار تیزی سے آکر رکی۔ اس میں سے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی نکلا۔ پھر ایک نوجوان لڑکی بھی اُتری۔ آدمی نے لڑکی کو سہارا دیا اور وہ دونوں چیف کے کمرے کی طرف چلے۔ لڑکی سسکیاں لے رہی تھی اس کی ظاہری شخصیت سے پریشانی ہویدا تھی اس کا لباس بھی جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور جسم پر خراشیں تھیں۔ اسے کرسی پر بیٹھانے کے بعد آنے والے نے چیف کی طرف دیکھا اور بولا۔ "یہ لڑکی مجھے دلدلی علاقے کے راستے سے ملی تھی۔ بری طرح چیخ رہی تھی اور اس کے حواس مختل تھے، اس نے صرف یہ بتایا کہ اس کے دوست لڑکے کو کسی چیز نے جھاڑیوں میں گھسیٹ لیا تھا۔ میں بڑی مشکل سے اسے یہاں لایا ہوں۔"

پولیس چیف نے لڑکی کی سمت دیکھا۔ لڑکی نے اپنے بیان میں بتایا کہ اس کا نام ڈالی ہے اور وہ ایک نزدیکی مضافاتی بستی میں رہتی ہے۔ آج شام کو وہ اپنے دوست لڑکے کے ساتھ کار میں سیر کو نکلی تھی۔

دوست لڑکا جس کا نام جیسن تھا۔ ادھر کلنٹن سنسر میں رہتا ہے۔ پھر وہ دلدلی علاقے کی طرف نکل گئے تھے۔ کار انہوں نے جنگل کے سرے پر کھڑی کردی تھی اور پیدل ہی پیدل رستجار کے جھنڈ کی طرف نکل گئے تھے۔ چاندنی کی وجہ سے بہت زیادہ اندھیرا نہ تھا اور پھر انہیں معلوم تھا کہ یہ جگہ درندوں سے پاک ہے وہ بے فکر بھی تھے۔ وہ دونوں جھاڑیوں کے ایک گھنے قطعے کے پاس پہنچے ہی تھے کہ انہیں بدبو کا احساس ہوا۔ اس نے آگے جانے سے انکار کردیا تھا۔ مگر جیسن مصر تھا۔ پھر جوں ہی وہ چلے تھے دونوں نے ایک سرسراہٹ کی آواز سنی تھی اور پھر اس طرح کی آوازیں آئیں جیسے کسی بوجھ سے دب کر جھاڑیاں چرچرائی ہوں۔ وہ ٹھٹک گئی تھی۔ جیسن آگے تھا، اس نے کہا۔ "ڈرو نہیں ادھر کوئی درندہ نہیں ہوتا ممکن ہے کسی کی گائے وغیرہ ادھر آگئی ہو۔"

پھر یہ چڑچڑاہٹیں تیزی سے شروع ہوگئیں۔ کوئی شے تیز رفتاری سے آگے ہی آگے بڑھ رہی تھی۔ اسی وقت اس نے جیسن کی چیخ سنی اور پھر خوف سے مغلوب ہوکر اس نے بھاگنا شروع کردیا تھا۔ البتہ مڑنے سے قبل اس کی نظروں نے ایک منظر دیکھا

تھا۔ چاند کی روشنی میں اسے یوں لگا جیسے کوئی مہیب سا تودہ اس کے سامنے آ کر رکا ہو۔ اس کے بعد وہ بھاگ اٹھی تھی۔

اتنا قصہ سنانے کے بعد وہ لڑکی پھر رونے لگی بعد میں اس نے مزید کہا۔ ''وہ..... تودہ کسی سیاہ بلا کی طرح تھا۔ بہت ہی خوفناک۔''

پولیس چیف نے داستان سنی تو اس کے ماتھے پر کئی شکنیں پیدا ہوگئیں اس نے لڑکی کو اسپتال بھجوایا۔ پھر جس قدر مناسب آدمی اسے مل سکے اس نے انہیں ساتھ لیا اور انہیں ہتھیاروں سے لیس کیا اور اپنی کار میں سیدھا وہارٹن کے دلدلی علاقے کی طرف چل دیا۔ ساری رات سب لوگ جنگل کھنگالتے رہے۔ مگر لاحاصل۔

دوسرے روز دن کی روشنی میں پھر یہ کام شروع ہوا۔ سہ پہر کے قریب ایک کانسٹیبل ایک فلیٹ ہیٹ، ایک شراب کی بوتل اور ایک رائفل لے کر چیف مائلز سے ملا۔ کانسٹیبل کے مطابق یہ اشیا اسے تلاش کے کام کے دوران ملی تھیں۔ چیف نے ان کے مالکان کے بارے میں تفتیش کی تو پتہ چلا کہ رائفل بارنی کی تھی۔ ہیٹ اس لڑکے جیسن کی تھی اور شراب کی بوتل ایک فقیر کے ہاتھوں فروخت کی گئی جو ادھر حال ہی میں آیا تھا۔ وہ بھی اب لاپتہ تھا۔ شام تک ساری پارٹی کے ممبر تھک کر سارے ہی لوٹ آئے۔

چیف نے ایک تھیوڈی قائم کی یہ ساری حرکت اس لاپتہ فقیر کی ہوسکتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ لاپتہ فقیر ہی اس جنگل میں چھپا ہوسکتا ہے۔ تھانے کے دوسرے آفیسر بھی اس سے متفق ہوگئے تھے۔ ڈالی کی کہانی پر انہیں یقین نہیں آیا تھا۔

چیف نے پھر آرڈر دیا کہ علاقے کی شاہراہوں کی نگرانی کی جائے تاکہ قاتل بھاگ نہ سکے۔ دونوں کانسٹیبل فریڈ اور لوئس جن کی ڈیوٹی آدھی رات کے بعد شاہراہ پر لگائی گئی تھی۔ تقریباً گھنٹے سے ادھر گشت کررہے تھے۔ تین بجے لوئس نے اپنی کار ایک مقام پر روک دی اور اتر کر ایک قریبی درخت کی جڑ پر بیٹھ گیا۔

''ٹانگیں سن ہوکر رہ گئی ہیں۔'' اس نے ٹانگ پھیلاتے ہوئے کہا۔

فریڈ اس کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ ''ہاں.....'' مگر وہ جملہ پورا کئے بغیر ہی رک گیا۔

اس نے کان لگا کر کچھ سنا۔ پھر اس نے لوئس سے پوچھا۔ ''تم نے کچھ سنا.....''

لوئس نے گردن گھما کر دلدلی حصے کی سمت دیکھا اور کان کھڑے کرلئے۔ ''معلوم ہوتا ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بولا۔ ''ادھر کوئی چیز سرک رہی ہے۔''

فریڈ نے اپنی رائفل سنبھالی اور بولا۔ ''آوازیں قریب ہی سے اُٹھ رہی ہیں۔''

لوئس نے اپنی گن پکڑلی اور اُٹھ پڑا۔ ''چلو دیکھتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

پھر وہ دونوں آگے پیچھے آواز کی سمت چل پڑے۔ اب آوازیں واضح تھیں کوئی چیز سرک رہی تھی جیسے کوئی بھاری شے گھسیٹی جارہی تھی۔

''یہ کوئی بڑا سانپ لگتا ہے۔''

''تم رائفل تیار رکھو، میں آگے بڑھتا ہوں۔'' لوئس نے فریڈ سے کہا۔

اس نے اپنی ٹارچ روشن کی اور اس کی مدد سے سامنے کی چیزوں کو دیکھنے لگا۔

''ادھر تو کچھ نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔ ''البتہ اس طرف جھاڑیوں کے پاس کوئی ڈھیر سا نظر آرہا ہے۔''

ابھی اس نے جملہ پورا ہی کیا تھا کہ اس ڈھیر میں جیسے جان سی پڑ گئی۔ وہ طوفانی رفتار سے اُمڈا۔ دونوں سپاہیوں کے منہ سے چیخیں نکلیں۔ پھر ان کی رائفلیں چلیں۔ مگر وہ لوئس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ گھبراہٹ میں فریڈ کا پیر کسی جھاڑی میں پھنسا اور وہ لڑکھڑا کر اوندھا گر گیا۔ اُٹھتے ہوئے اس نے ایک خوفناک منظر دیکھا۔

تودہ جیسی شے نے اس وقت لوئس کو دبوچ لیا تھا اور وہ اس پر حاوی ہوتی جارہی تھی۔ اور پھر اس نے لوئس

کو مکمل طور پر اپنے میں سمولیا۔ اب لوئس سر سے پاؤں تک مکمل غائب تھا۔ وہ ایک کیچڑ کے ڈھیر میں غائب ہو چکا تھا۔

اس وقت اس نے فریڈ کی سمت بھی توجہ کی۔ مگر فریڈ سنبھل چکا تھا۔ اس نے اپنی رائفل کا دہانہ اس شے پر کھول دیا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ گولیاں اس شے میں اسی طرح جذب ہو رہی تھیں جیسے وہ کیچڑ کے پہاڑ پر گولیاں چلا رہا ہو۔

وہ تو وہ جیسی شے سرکی اور اس نے فریڈ کو بھی دبوچنا چاہا، اسی وقت فریڈ نے اپنی ٹارچ جلائی اور اسے دیکھنے کی کوشش کی۔ ٹارچ کی تیز روشنی اس کیچڑ کے تودے سے ٹکرائی تو وہ شے لمحہ بھر کے لئے ٹھٹک گئی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مزید آگے بڑھنے میں متذبذب ہو۔ پھر اس نے ایک دوسری کوشش کی۔ یعنی اس روشنی کی شعاع سے کترانا تھا۔ لیکن کوشش میں ناکام ہو کر وہ ایک دم پیچھے ہٹی۔ اسی لمحے قریب سے کچھ شور سا اٹھا۔ فائروں کی آوازیں سن کر پولیس کے دوسرے گشتی دستے نے ادھر کا رخ کرلیا تھا اور وہ نزدیک پہنچ رہے تھے۔ وہ سیاہ تودہ نما شے اپنے بھاری انداز کے ساتھ تیزی سے سرکتی ہوئی جنگل میں گھستی جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

ابھی پونہیں پوٹھی تھی۔ پولیس چیف مائلز نے اپنی کار سنبھالی اور تیزی سے سنسر کی طرف چل پڑا۔ وہ اب اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا۔ ہیڈ کوارٹر پہنچ کر اس نے دو فون کئے۔ ایک صوبے کے گورنر کو، اور دوسرا فوجی چھاؤنی کے کمانڈر کو۔ دلدل کی بلا کے لئے اس کے پاس بہت کم نفری تھی۔ فریڈ کو جس وقت بچایا گیا وہ اپنے حواسوں میں نہ تھا وہ اپنی ٹارچ کو اس طرح چھپائے ہوئے تھا جیسے وہ رائفل ہو۔ اس نے ٹارچ مضبوطی سے تھام رکھی تھی۔ تاہم وہ بہت خوفزدہ بھی تھا۔ اس کی کہانی بھی ایسی ہی تھی جو ناقابل یقین تھی۔ مگر اب اس کہانی کو جھٹلانا آسان نہ تھا۔

سنسر سے دلدل کے علاقے کی سمت چلتے ہوئے چیف مائلز نے بوڑھے گوسی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اسے بارنبی اور اس آدمی کی گائے کی گمشدگی کی یاد آئی۔ دلدلی علاقے میں چیف کے پہنچنے کے کوئی دو گھنٹے بعد ادھر کاروں کی قطاریں آنے لگیں۔ ان میں فوجی ٹرک بھی تھے اور ان لوگوں کی کاریں بھی تھیں جو ان کی کارروائی دیکھنے آتے تھے۔

نو بجے تک کوئی سو جوان اس علاقے کے جنگل میں داخل ہو چکے تھے اور ایک زبردست تلاش کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ شام تک انہیں کوئی ایسی چیز دکھائی نہ دی جو خطرناک ہو سکتی تھی۔

چیف کا خیال تھا کہ قاتل عموماً رات ہی کو نکلتا ہے، لہٰذا پتہ تلاش اسی طرح جاری رکھی جائے، اس ضمن میں طاقت ور ٹارچیں استعمال کی جانے لگیں۔ اس کے علاوہ فوجیوں نے مشین گنیں بھی سنبھال رکھی تھیں، ان کے پاس دھوئیں کے گولے بھی تھے۔

فوجیوں نے آٹھ بجے تک پیچ کے علاقے کو خار دار تاروں سے گھیر دیا اور جگہ جگہ طاقت ور ٹارچیں اور سرچ لائٹ نصب کر دیں۔ گیارہ بجے تک دس دس مسلح جوانوں کے دستے جنگل میں پھر داخل ہوئے۔ ایک بار پھر اسے کھنگالا جا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

بھوک سے بے تاب ہو کر قریبی پانیوں سے سر اُبھار کر اس شے نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا۔ حالانکہ اس کی آنکھیں نہ تھیں وہ صرف حس کے سہارے چل رہی تھی۔ اس کے بعد وہ پانی سے باہر آ گئی۔ اسے محسوس ہوا کہ فضا میں بہت سے شکاروں کی بو پھیلی ہوئی ہے۔ یہ ان فوجیوں کی بو تھی جو جنگل میں بکھرے ہوئے تھے۔ تاہم اس کی حسیں یہ بھی بتا رہی تھیں کہ ماحول آج بہت اجنبی اجنبی سا ہے، ہر طرف ٹارچوں کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ ان کی شعاعوں نے وہاں روشنی کا جال سا بنا رکھا تھا۔

وہ ابھی کھسک کر ایک گھنی جھاڑی میں پہنچی ہی تھی کہ کسی طاقتور ٹارچ کی موٹی شعاع اسے اپنے جسم پر

بھالے کی طرح گڑتی محسوس ہوتی۔ بے چین ہو کر اس نے جھاڑیوں کے دوسرے جھنڈ میں گھسنا چاہا۔ جھاڑیاں اس کے بوجھ سے چرچرائیں، آواز کے ساتھ ہی اس کے اردگرد روشنیوں کی متعدد شعاعوں نے ناچنا شروع کردیا۔

وہ پوری رفتار سے جنگل سے نکل کر کھاری کے پانی کی سمت بڑھی۔ ادھر سمندری گارڈ پہلے سے تیار کھڑے تھے۔ انہوں نے اپنی مشین گنیں تان لیں۔ اب وہ کسی شے کے آنے کے منتظر تھے۔ تبھی کچلی ہوئی جھاڑیوں اور سکڑتی ہوئی گھاس کی تاریکیوں میں سے ایک بڑا سا تودہ ابھرا۔ یہ بہت تیزی سے چل رہا تھا۔ اس کا رخ سمندر کی طرف تھا۔ اسٹیمر میں بیٹھے گارڈوں کے لئے کیچڑ کے اتنے بڑے تودے کا اس رفتار سے چلنا ایک جادو لگ رہا تھا۔ وہ ہونکوں کی طرح اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ اپنی حیرانگی سے نکلے اور مشین گنوں سے گولیوں کی ایک بوچھاڑ ماری۔

''وہ سمندر کی طرف جارہی تھی۔ اسے جانے نہ دینا۔'' کہیں سے کسی نے للکار کر سمندری گارڈوں سے کہا۔

جواب میں مزید فائر ہوئے۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ تودہ نما شے اونچائی سے نیچے ریت پر ایک جھٹکے کے ساتھ پھسلی اور سمندر کے کنارے جا پہنچی۔ گارڈوں کی گولیاں اسے روکنے میں ناکام رہی تھیں۔ وہ بوکھلائے ہوئے تھے۔

مگر پھر انہیں وہ خاردار تار نظر آئے۔ جو پولیس چیف نے کسی مقصد کے تحت ادھر لگوائے تھے۔ کچھ امید کے سہارے انہوں نے ایک اور کوشش کی۔

''وہ پھنس گئی۔ وہ تاروں میں پھنس گئی ہے۔''

لندھیرے میں کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔

دوسرے ہی لمحے ایک سرچ لائٹ کی شعاع نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ پھر جیسے روشنی کی بارش ہوگئی۔ وہ سیاہ بلا..... اب سب کو تاروں میں اٹکی ہوئی نظر آرہی تھی۔ وہ بار بار خود کو اس میں سے نکالنے کی کوشش کررہی تھی۔ وہ جگہ جگہ سے پھول اور پچک رہی تھی۔ مگر فضول۔

پھر ایک گارڈ نے جرأت کی اور اس سے خاصا قریب ہوگیا۔ کسی نے دفعتاً پکار کر کہا۔

''ہوشیار..... وہ خود کو چھڑانے میں کامیاب ہوگئی ہے۔''

روشنی میں وہ صاف نظر آرہی تھی۔ کیچڑ کے ایک بڑے ڈھیر جیسی۔

وہ ابھی تک تاروں میں الجھی پھدک رہی تھی۔ اس کا بہت سا وجود خاردار تاروں میں دوسری طرف پہنچ گیا تھا۔ یہی حصہ غالباً ابھی تک پھنسا ہوا تھا۔ اور وہ بار بار مچھلیوں کی طرح پھڑک پھڑک کر اس حصے کو رہا کرانے میں کوشاں تھی۔

کوئی آخری ریشہ ابھی تک پھنسا ہوا تھا۔ سمندر کے کنارے بالکل نزدیک اس کا سیاہ اور پر ہیبت پیکر کسی بڑے سے گنبد کے اُبھار کی طرح اچھل کود رہا تھا۔

معائنوں لگا جیسے مکمل اس نے خود کو چھڑا لیا ہے۔

اسی وقت نزدیک کھڑے ایک جوان نے خود کو گھٹنوں پر گرالیا۔ اس کے بعد اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے اسلحے نے آگ اگلنی شروع کردی۔ اس نے مشین گن کی ساری بلٹس اس میں جھونک دیں۔ پھر اس نے دوسری مشین سنبھال لی۔ یہ دھواں اگلنے والی گن تھی۔ اس سے نکلنے والے دھواں کے مرغولوں نے لمحہ بھر کے اندر اس شے کے سارے وجود کو ڈھانپ لیا۔

کچھ دیر بعد جب دھواں چھٹا تو انہوں نے دیکھا جس جگہ وہ شے تھی وہاں اب کچھ نہیں ہے۔ سوائے اس جلی ہوئی ریت کے اور اس سیاہ رقیق شے کو جو بڑی حد تک پگھل کر پھیل گئی تھی۔

کیچڑ کا وہ جاندار تو وہ بلا وجہ ہی روشنی سے متنفر نہ تھا۔ آخر اس کے طاقت ور حریف..... دھوئیں کا منبع روشنی..... یا آگ ہی تو تھی.....

نفسیاتی

احسان الحق

ایک عجیب و غریب مریض کا شاخسانہ جس کا مرض کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا، ہر ڈاکٹر اپنی اپنی جگہ اچنبھے میں تھا لاکھ کوشش کے باوجود بھی جب مریض کا مرض سمجھ میں نہ آیا تو.....

پل پل.....دل و دماغ کو چونکاتی ہوئی اپنی نوعیت کی ناقابل فراموش.....کہانی

''**ڈاکٹر** صاحب! مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔''

''ہونہہ.....اور وہ کون ہے جو آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے؟''

''میں نہیں جانتا ڈاکٹر صاحب، مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے کوئی دیکھتا ہے۔'' اس مرتبہ مریض کا لہجہ خوف سے پر تھا۔

''آپ اس وقت کیا محسوس کرتے ہیں؟'' ڈاکٹر نے اس کی آنکھوں میں کچھ تلاش کرتے ہوئے دریافت کیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ اس شخص میں کچھ آثار کی کھوج میں ہو۔ شاید اپنے اس نتیجے کی تلاش میں کہ آیا یہ پاگل ہے، یا پھر نفسیاتی، ڈاکٹر دونوں صورتوں کا تفاوت کر رہا ہو۔

''ڈاکٹر صاحب! مجھے اس وقت چڑچڑاہٹ سی محسوس ہونے لگتی ہے اور پھر میں اسے منع کرتا ہوں۔ غصے سے چلا اٹھتا ہوں اور اسے ڈانٹ دیتا ہوں۔''

''کیا وہ ابھی بھی آپ کو دیکھ رہا ہے؟''

''ہاں!!''

''وہ کہتا کیا ہے؟''

''وہ خاموش رہتا ہے۔ بس! مجھے ٹک ٹکی باندھے گھورتا رہتا ہے۔''

''اس کے وجود کو آپ دیکھ سکتے ہیں؟''

''جی!''

''وہ اس وقت کہاں کھڑا آپ کو گھور رہا ہے؟''

''وہ دیکھیں! مریض نے ایک جانب طرف اشارہ کیا۔ ''وہاں!''

ڈاکٹر نے گردن گھما کر اس جانب دیکھا جس جانب مریض نے اشارہ کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ پھر ڈاکٹر نے نوٹ پیڈ پر کچھ لکھنا شروع کیا۔ اسی اثناء میں مریض نے بے چینی سے دریافت کیا۔

''آپ کو دکھائی دیا؟''

ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے فقط اتنا کہا۔ ''جی!''

ایسے مریضوں کو فوری بتا دینا کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کو مزید غصیلا کرنے کے مترادف تھا۔ وہ اپنے پیشے کا منجھا ہوا نفسیات دان تھا۔ پس! اس نے اپنے پیشے کے عین مطابق جواب دیا۔

''اف ف ف..... شکر ہے خدایا'' مریض نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''ورنہ ہر کوئی مجھے پاگل نفسیاتی کہتا ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں۔ لوگوں کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔'' ڈاکٹر اسے مسکراتے ہوئے کہتا گیا۔

''اچھا یہ بتائیں کہ کبھی اس گھورنے والے نے آپ کو ہاتھ لگایا؟'' ڈاکٹر نے اگلا سوال کیا۔

''نہیں تو..... وہ تو بس دیکھتا رہتا ہے۔'' مریض نے جواب دیا۔

''اس کا حلیہ کیسا ہے؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

یہ سوال سن کر مریض کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''What Do You Mean?''

مریض کے لہجے میں ناگواری عیاں تھی۔

''میرا مطلب، وہ دکھائی کیسا دیتا ہے؟''

''جب آپ نے اسے دیکھ لیا ہے تو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں ڈاکٹر صاحب؟'' مریض کی ناگواری بجا تھی۔ ڈاکٹر بھی بجھا ہوا ڈاکٹر تھا اس کے پاس جواب تیار تھا۔ اس نے فی الفور کہا۔

''وہ اس لئے کہ مجھے وہ کالے لبادے میں ایک سرخ آنکھوں والا بوڑھا دکھائی دیا ہے۔ میرا تجربہ بتاتا ہے کہ ہر ایک کے دیکھنے دیکھنے میں فرق ہوتا ہے۔'' ڈاکٹر نے نہایت دھیمے مدھم لہجے میں اپنی بات مکمل کی۔

''اچھا؟ کیا واقعی؟'' اس مرتبہ مریض نے مضحکہ خیز انداز میں اپنی انگلی دانتوں تلے دباتے ہوئے پوچھا تھا۔ اس کے لبوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ ڈاکٹر کو مریض کے اس انداز میں خطرے کی گھنٹی بجتی محسوس ہوئی۔

''جی ہاں!'' ڈاکٹر نے مریض میں یکا یک تبدیلی کو بھانپ لیا تھا۔ ''ٹھہریں! میں ایک فون کال کرلوں.....'' یہ کہتے ہی ڈاکٹر فون کی جانب لپکا لیکن پھر.....

☆.....☆.....☆

پولیس کی تین گاڑیوں نے ڈاکٹر بریٹلی کے تین منزلہ عمارت کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ڈاکٹر کی لاش کو اسٹریچر پر ڈال کر ایمبولینس میں ڈالا جارہا تھا۔ اسی اثناء میں سراغ رساں جان ٹی وہاں آن پہنچا۔

''مجھے چہرہ دیکھنا ہے، ذرا ٹھہرو.....'' ڈی ٹیکٹو جان ٹی نے ہاتھوں پر گلوز چڑھاتے ہوئے چادر چہرے سے ہٹا کر ڈاکٹر بریٹلی کے چہرے کو بغور دیکھا۔

''جان ٹی! یہ چوتھا شکار ہے۔ اب تو مجھے بھی کوئی شک نہیں کہ یہ ایک ہی آدمی کا کام ہے۔'' پولیس چیف جیمز نے جان کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے اپنی رائے دی۔

''تمہارا مطلب Serial Killer؟''

''ہاں! ان چاروں سلسلہ وار وارداتوں کے پیچھے ایک ہی قاتل کا ہاتھ ہے۔''

''ہونہہ عین ممکن ہے..... اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قاتل ایک سے زیادہ ہوں!'' جان ٹی نے اپنا نقطہ نظر دیا۔ جیمز نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ اس کا نشانہ صرف ڈاکٹرز ہیں اور وہ بھی نفسیات دان۔''

''ہونہہ..... خیر..... میں کچھ معائنہ کرلوں۔ پھر تم سے بات کرتا ہوں۔'' جان ٹی نے چیف آف پولیس سے اپنی ذاتی خلوت کے لئے درخواست کی تاکہ وہ ڈاکٹر کی گردن پر چوٹوں کا معائنہ کرسکے، جو ٹیلی فون کی تار کو ڈاکٹر کی گردن پر لپیٹنے اور گردن ٹوٹ جانے سے نمودار ہوئی تھیں۔ اس نے چیف کے جاتے ہی جیب سے آنکھ کا عدسہ نکالا اور ڈاکٹر بریٹلی کے کان کے قریب نہایت آہستگی سے کہا:

''ڈاکٹر صاحب! مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔''

پراسرار آوازیں

مریم فاطمہ۔کراچی

اچانک کمرے میں عجیب و غریب آوازیں سنائی دینے لگیں اور پھر لمحہ لمحہ آوازیں مزید پھیلنے لگیں تو کمرے میں موجود لوگ تھر تھر کانپنے لگے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اچانک.....

خوف و دہشت کے سمندر میں غوطہ زن، ناقابل فراموش.....دہشت ناک.....کہانی

آلیور، مائیکل اور سائمن ہوٹل میں بیٹھے چائے پی رہے تھے، گپ شپ کا دور چل رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ اپنے دوست انسپکٹر کیون کا بھی انتظار کر رہے تھے۔ جس نے آج انہیں ہوٹل میں ملنے کا کہا تھا اور ابھی تک خود غائب تھا۔ آلیور اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے:

ارے یہ کیون کہاں رہ گیا۔

مائیکل! اس کا تو صدا سے یہی ہے۔ جب بھی چائے کا بل دینے کا وقت آیا محترم غائب۔

اچانک پیچھے سے آواز آئی: ایسا نہیں ہے۔ نہ ہی میں تمہاری طرح بے وفا ہوں اور نہ ہی تمہاری طرح سر پھرا۔ کیون نے پہلے مائیکل پھر آلیور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ سائمن اپنی مسکراہٹ چھپا نہ سکا۔

آلیور: کہو کیون کوئی خاص بات ہے؟ تم نے آج ہمیں اچانک چائے پہ کیوں بلوالیا۔

کیون۔ بس یار میں تو ہمیشہ ہی تم لوگوں کو اچانک یاد کرتا ہوں۔ لیکن اس بار میں نے تمہیں ایسے ہی نہیں بلایا میں نے کچھ خاص بات کرنے کے لئے تمہیں یہاں بلایا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ..... کیوں نا پہلے کھانا آرڈر کروالیں اور بل تمہاری جیب سے۔ مائیکل نے بات بیچ میں کاٹ دی تو کیون نے ویٹر کو بلا کر چائنیز رائس منگوالئے۔ کیون نے گفتگو کا سلسلہ دوبارہ جوڑا: ''ہاں تو میں کہاں تھا دراصل بات یہ ہے کہ یہاں سے کافی دور دراز علاقے میں ایک گھر ہے۔ وہاں پر جورڈن نامی ایک آدمی رہتا ہے۔ اس نے آج سے سات سال پہلے شادی کی تھی لیکن افسوس کہ اس کی بیوی نامعلوم اچانک ایک روز جب وہ سوکر اٹھا تو گھر سے کہاں غائب ہوگئی۔ پھر اس نے دوسری شادی تین سال بعد کی۔ بدقسمتی سے اس کی دوسری بیوی کے ساتھ بھی یہی ہوا۔

آلیور ایک طویل سانس لیتے ہوئے تو تم چاہتے ہو کہ ہم اس کی گمشدہ بیویوں کو ڈھونڈیں۔

کیون: نہیں آلیور بات دراصل یہ ہے کہ جورڈن نے مجھے خود نہیں بتایا اس بارے میں بلکہ اس کے کرائے دار جوزف نے یہ بتایا ہے۔ آلیور نے بھنویں اچکائیں: لیکن وہ کیوں؟ کیون: اس لئے کہ اس کی تین سالہ بیٹی تھی اچانک گھر سے لاپتہ ہوگئی ہے۔ اور اس کی بیوی ٹینا کا کہنا ہے کہ اکثر اسے جب سے اس کی بیٹی گمشدہ ہوئی ہے۔ اس کے رونے اور بولنے کی آوازیں آتی ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ اپنی ماں کو پکار رہی ہو اور اس سے پہلے بھی اسے اس گھر میں سے عجیب عجیب آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ آہوں کی سسکیوں کی رونے کی۔ ٹینا کا کہنا ہے کہ اس گھر میں بھوت بستے ہیں۔ یہاں پہ بدروحیں راج کرتی ہیں۔ اس لئے جب اس کی بیٹی لاپتہ ہوئی تو اس نے جوزف کو سختی سے منع کیا کہ کسی پولیس والے یا ڈیٹیکٹو کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے اس سب کے بجائے کسی پادری کو بلاؤ ویسے بھی اگر کوئی اور یہاں آ گیا تو یہ بھوت ہماری بیٹی کو یا ہمیں ناراض ہوکر کوئی نقصان نہ پہنچادیں۔ لیکن جوزف کو لگتا ہے کہ یہ سب بے کار کی باتیں ہیں۔ ٹینا ذرا پرانے خیالات کی عورت ہے۔

آلیور: تو پھر کرنا کیا ہے؟

کیون: ارے بڑے نکمے ہو۔ کرنا کیا ہے۔ بھئی اب تمہیں ایک سراغ رساں کی حیثیت سے یہ معلوم کرنا ہے کہ جوزف کی بیٹی کہاں گئی اور جورڈن کی دونوں بیویاں کہاں لاپتہ ہیں۔ آلیور مسکراتے ہوئے: واہ بڑے جلد باز ہو۔

کیون: کیا مطلب؟

آلیور: مطلب یہ کہ میرے دوست سات سال پہلے لاپتہ ہونے والی عورت کو میں اب ڈھونڈوں گا۔ تم ذرا پہلے نہیں آسکتے تھے۔

کیون: اس میں میرا کوئی قصد نہیں ہے، مجھے تو خود جوزف نے اب بتایا ہے۔ مائیکل اور ان آوازوں کا کیا؟ اگر وہ واقعی کسی بھوت یا بدروح کی ہیں تو انہیں تو ہم نہیں روک سکتے۔

سائمن: ہاں یہ تو ہے۔

پھر اس روز شام کو آلیور، مائیکل اور سائمن کیون کے بتائے ہوئے راستے پر جانے کے لئے نکلے تو راستے میں ایک بوڑھا شخص انہیں ملا۔ اس نے ان سے کسی جگہ کا راستہ پوچھا پھر واپس جانے لگا۔ لیکن پھر اچانک ہی رک کر بولا: تم لوگ کدھر جارہے ہو۔ آلیور نے اسے بتایا تو اس نے انہیں سختی سے منع کیا کہ وہاں مت جانا۔

سائمن: لیکن وہ کیوں؟ بوڑھا شخص: تم لوگ شاید نہیں جانتے۔ وہاں جانے کے لئے جس راستے سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ آسیبی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً ایک صدی پہلے اس سڑک پر سے گھوڑا گاڑی (تانگہ) گزر رہی تھی کہ راستے میں کچھ دہشت گردوں نے گاڑی میں سوار تمام افراد کو مار دیا۔ لیکن ان کی روحیں مرنے کے بعد وہاں پر بھٹکتی رہتی ہیں اور اس راہ پر سے گزرنے والوں کو تنگ کرتی ہیں۔ جو بھی وہاں سے جاتا ہے صحیح سلامت لوٹ کر نہیں آتا۔ مائیکل اس بوڑھے شخص کی

باتوں سے کافی گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔ سائمن سمجھ رہا تھا کہ شاید یہ پاگل ہے جبکہ آلیور پر کچھ اثر نہ ہوا تھا۔ وہ اپنی بات کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ اور یہ لوگ بھی ایک بار پھر اپنی منزل پر چل دیئے۔ جب وہ آخر کار جورڈن کے گھر پہنچے تو سائمن نے آگے بڑھ کر بیل دی۔ دروازہ جوزف نے کھولا۔ جوزف اوپر والے پورشن پر رہتا تھا اور نیچے والے پورشن میں جورڈن۔

جوزف: جی آپ کو کس سے ملنا ہے۔

آلیور نے سب کا تعارف کروایا۔ جوزف اچھا تو آپ آلیور ہیں، انسپکٹر کیون نے مجھ سے کہا تھا کہ آج وہ اپنے دوست کو بھیجیں گے۔ آلیور، مائیکل اور سائمن نے دیکھا کہ وہ گھر بہت پرانا تھا۔ لیکن صاف ستھرا بنا ہوا تھا۔ آلیور: مسٹر جوزف کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کے مالک مکان کیسے آدمی ہیں؟ جوزف: مسٹر آلیور وہ بہت شریف آدمی ہیں۔ مگر آپ ان کے بارے میں جو بھی پوچھنا چاہیں پوچھ سکتے ہیں۔ میرے کہنے کا مطلب ہے کہ آپ ان پر شک کر سکتے ہیں۔

آلیور: میں ان پر شک کر نہیں سکتا مسٹر جوزف مجھے ان پر شک کرنا چاہئے ویسے بھی سب سے پہلے ان کی بیویاں لاپتہ ہوئی ہیں۔ جوزف: آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔

مائیکل: آپ کی بیٹی کا نام کیا تھا؟

اچانک ہی پیچھے سے کسی عورت کی آواز آئی: بیٹی کا نام تھا نہیں بلکہ ہے۔ کیونکہ وہ ابھی زندہ ہے۔

یہ آواز بے شک ٹینا ہی کی تھی۔

جوزف: اوہ! یہ میری بیوی ٹینا ہے۔ شاید کیون نے آپ کو اس کے بارے میں بتایا ہو۔

آلیور: بے شک بتایا تھا۔ لیکن مس ٹینا آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہیں کہ آپ کی بیٹی زندہ ہے۔

ٹینا: کیونکہ جب سے وہ غائب ہوئی ہے اس روز سے میں اس کی موجودگی اس گھر میں محسوس کر رہی ہوں۔

سائمن: آپ کی بیٹی کب سے لاپتہ ہے۔

جوزف: یہ ہی کوئی تین دن سے، اور اس کا نام کرسٹی ہے، سچ میں بہت ہی پیاری بچی ہے وہ۔ اتنا کہہ کر اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

آلیور: معاف کیجئے گا جوزف میں آپ کی پریشانی کو سمجھ سکتا ہوں۔ مجھے آپ دونوں کے لئے افسوس ہے۔

ٹینا: ہونہہ! آپ دونوں کے لئے افسوس ہے۔ دفع ہو جاؤ تم اس گھر سے پاگل ڈیٹیکٹو۔ وہ اچانک ہی چیخ پڑی۔

جوزف: اپنی بکواس بند کرلو ٹینا ورنہ۔

ٹینا: ورنہ کیا؟ وہ بپھری۔

جوزف: ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔

ٹینا: کیا اچھا نہیں ہوگا؟ مجھ پہ تمہاری خالی خولی دھمکیوں کا اثر نہیں ہوگا۔ جوزف: ہاں تم پہ میری خالی خولی دھمکیوں کا کچھ اثر نہیں ہوگا۔ مجھے کچھ کرنا ہی پڑے گا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے ٹینا کا بازو پکڑا اور اسے گھسیٹتا ہوا ایک کمرے میں لے گیا اور دروازہ باہر سے بند کر دیا اندر سے ٹینا چیخ چلا رہی تھی۔ باہر نکالو مجھے جوزف نہیں چھوڑوں گی تمہیں۔

جوزف: آپ لوگ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ اسے تو بس یونہی بکواس کرنے کی عادت ہے۔ آلیور، مائیکل اور سائمن تینوں حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

مائیکل: جوزف برائے مہربانی اپنی بیوی کو باہر نکال لیجئے۔ مجھے ان کی فکر ہو رہی ہے۔

جوزف: آپ کو اس کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے ساتھ جو ہوا وہ اسی کے لائق تھی۔ آیئے میں آپ کو ساری تفصیل بتاتا ہوں۔ وہ انہیں لے کر کرسٹی کے کمرے میں آ گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا پیارا کمرہ تھا۔ جس میں کرسٹی کی گڑیاں اور دیگر کھلونے رکھے تھے۔ یہ سارے کھلونے ایک شیلف میں سجے ہوئے تھے۔ جوزف: کرسٹی کو گڑیوں سے کھیلنے کا بہت شوق ہے۔ آہ! وہ خود بھی تو ایک گڑیا ہی ہے۔ ایک

طرف میز رکھی تھی۔ میز پہ فوٹو فریم رکھا تھا جس میں کرسٹی کی تصویر تھی۔ تب ان لوگوں نے پہلی بار کرسٹی کو دیکھا وہ واقعی بہت پیاری تھی۔ جوزف: اس وقت رات کے تین بجے تھے جب میری آنکھ کھلی۔ میں اپنے لئے چائے بنانے کی غرض سے اُٹھا تھا یہ میری عادت ہے۔ سردیوں کے موسم میں رات کو اُٹھ کر چائے یا کافی پی لیتا ہوں۔ کرسٹی اکثر رات کو دیر تک جاگتی رہتی ہے۔ میں یہ دیکھنے کے لئے گیا کہ کیا وہ سو چکی ہے یا ابھی تک کھیل میں مصروف ہے۔ دیکھا تو وہ کمرے میں نہیں تھی۔ میں نے پھر ہر جگہ دیکھ ڈالا ٹینا کو بھی نیند سے جگا دیا لیکن وہ کہیں نہیں ملی۔ پھر ہم نے پولیس کو اطلاع کی۔ لیکن افسوس کہ وہ ابھی تک کچھ نہیں کر سکی۔

اچانک ہی پیچھے سے کسی عورت کی آواز آئی اور ہمیں پہلی بار اندازہ ہوا کہ یہاں کی پولیس کتنی نکمی ہے۔ ان لوگوں نے مڑ کر دیکھا۔ ایک بوڑھی عورت جس کی عمر 70 سال کے لگ بھگ ہوگی۔ وہاں کھڑی انہیں گھور رہی تھی۔ جوزف: اوہ! معاف کیجئے گا میں آپ کو میری کے بارے میں تو بتانا ہی بھول ہی گیا۔ یہ ہماری بہت ہی پرانی ملازمہ ہے اور کرسٹی اس کی لاڈلی ہے۔ یہ ہمارے گھر میں ہی رہتی ہے۔ آلیور، مائیکل، سائمن: ہیلو۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔

میری: لیکن مجھے نہیں ہوئی۔ تم جس طرح یہاں آئے ہو ویسے ہی واپس لوٹ جاؤ۔ ورنہ پچھتانا پڑے گا۔

جوزف: میری پلیز یہ مہمان ہیں ہمارے ان سے ایسے بات نہ کرو۔

میری: کس سے کیسے بات کرنی ہے یہ تم مجھے مت سکھاؤ۔

جوزف: اتنا کہہ کر میری واپس چلی گئی۔

جوزف: مجھے معاف کر دیجئے، یہ میری بھی نا بس۔ جیسے جیسے وقت کے ساتھ اس کے سر کے بال کم ہو رہے ہیں۔ ویسے ویسے اس کی عقل بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔ میں واقعی آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ میرے گھر میں کوئی بھی آپ سے ڈھنگ سے پیش نہیں آیا۔ دراصل میری کچھ سٹھیا گئی ہے۔ خیر چھوڑیئے آیئے آپ کو ہاٹ چاکلیٹ پلاتا ہوں۔

آلیور: اس سے پہلے اپنی بیوی کو باہر نکال لیجئے۔ سب ساتھ میں بیٹھ کر پی لیں گے۔

جوزف: ٹینا کو تو میری نے باہر نکال بھی دیا ہوگا۔ میری ہر وقت اس کی وکالت کرتی رہتی ہے اور ویسے بھی اگر ٹینا کو باہر نکالا تو وہ آپ کو اس گھر سے نکال دے گی۔ پھر ان سب نے ساتھ میں بیٹھ کر ہاٹ چاکلیٹ پی اور ٹینا کو واقعی میری نے باہر نکال دیا تھا۔ اور اب وہ غصے میں اپنے کمرے میں بیٹھی جوزف سے لڑنے کا انتظار کر رہی تھی۔ جوزف: مسٹر آلیور میں چاہتا ہوں آپ یہاں رہ کر تفتیش کریں۔ کیونکہ مجھے یہاں کچھ لوگوں پہ شبہ ہے کہ وہ کرسٹی کے اغوا کار ہو سکتے ہیں۔ میں آپ کو اپنے گھر میں رہنے کے لئے ایک کمرہ دے دوں گا۔

مائیکل: لیکن آپ کی بیوی ہمارا یہاں رہنا شاید پسند نہ کریں۔

جوزف: اس کی پسند نہ پسند سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور ویسے بھی وہ اپنے علاوہ کسی اور کو پسند ہی نہیں کرتی۔ آیئے میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھاؤں۔

وہ انہیں لے کر ایک کمرے میں آ گیا۔ یہ کمرہ بہت وسیع تھا اور نہایت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ جوزف اب آپ آرام کرنے سے پہلے میرے مالک مکان جوردن سے مل لیں۔ وہ بظاہر تو شریف سے ہی ہیں لیکن بڑی پراسرار شخصیت پائی ہے انہوں نے۔

آلیور: لیکن اس سے بھی پہلے میں آپ سے یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ ابھی ہمیں کیا بتانے والے تھے۔ آپ کو کن لوگوں پہ شبہ ہے۔

جوزف: ارے ہاں وہ تو میں اپنی بیوی کے چکر میں بھول ہی گیا۔ میرے سامنے رابرٹ کا گھر ہے اور جس رات کرسٹی اغوا ہوئی اس کے گھر کی لائٹس جل رہی تھیں۔ جبکہ پورا محلہ نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔

آلیور: لیکن لائٹس کھلی ہونے کی کوئی اور وجہ بھی تو ہوسکتی ہے۔

جوزف: نہیں مسٹر آلیور جن راتوں میں جورڈن کی بیویاں غائب ہوتی رہی ہیں۔ ان راتوں میں بھی رابرٹ کے گھر کی بتیاں جلی ہوتی تھیں۔

آلیور: لیکن آپ ان راتوں کو جاگ کر کیا کررہے تھے؟

جوزف: میں نے کہا تھا رات میں اُٹھ کر چائے یا کافی پی لیتا ہوں۔ اس کے لہجے میں طنز واضح تھا۔

آلیور: ٹھیک ہے مسٹر جوزف اور کسی پر شک ہے آپ کو۔

جوزف: میرے گھر کے ساتھ دو گھر چھوڑ کر جو مکان ہے وہاں اسٹیو نامی ایک لڑکا رہتا ہے۔ وہ مجھے کچھ بدمعاش سا لگتا ہے۔ اکثر سننے میں بھی آتا رہتا ہے کہ اُس کی فلاں شخص سے لڑائی ہوگئی۔ مائیکل آلیور اور سائمن کچھ دیر مزید جوزف سے بات چیت کرتے رہے اور پھر رابرٹ سے ملنے چلے گئے۔ سائمن نے آگے بڑھ کر بیل بجائی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک عورت نے دروازہ کھولا۔

آلیور: ہمیں اسٹیو سے ملنا ہے۔ اس عورت نے کرخت آواز میں کہا: یہاں کوئی اسٹیو نہیں رہتا۔ چلے آتے ہیں منہ اُٹھائے۔ بتاؤ اب تمہاری وجہ سے میرا اتنا وقت برباد ہوا۔ ٹی وی پہ اپنا پسندیدہ سیریل دیکھ رہی تھی۔ وہ چھوڑ کر آئی ہوں۔ اب جا کہاں رہے ہو۔ معافی تو مانگتے جاؤ اور نہیں تو کیا تمہارا باپ آکر معافی مانگے گا۔

آلیور: معاف کیجئے گا ہم اسٹیو کو ڈھونڈتے ہوئے غلط گھر میں آگئے۔ عورت: دفع ہوجاؤ اور آئندہ اپنی شکل مت دکھانا مجھے۔ اس عورت نے دھاڑ سے دروازہ بند کیا اور اونچی آواز میں بڑبڑانے لگی۔

مائیکل: اُف یہ تو پاگل ہے۔ اب کی بار انہوں نے صحیح گھر کی بیل بجائی۔ دروازہ ایک لڑکے نے کھولا۔ اس نے بلیک جیکٹ پہن رکھی تھی۔ گلے میں چین پہن رکھی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی بولا: کہو کس سے ملنا ہے۔

آلیور: ہمیں اسٹیو سے ملنا ہے۔ کرسٹی کے گمشدہ ہونے کے کیس کے سلسلے میں۔ اس نے کہا: اسٹیو میں ہی ہوں مگر میں کسی اجنبی سے نہیں ملتا۔ اتنا کہہ کر وہ دروازہ بند کرنے لگا تو آلیور جلدی سے بولا: پلیز اسٹیو ہماری مدد کیجئے اس کیس کو حل کرنے میں۔

اسٹیو: میں کبھی کسی کی مدد نہیں کرتا۔ سمجھے۔ اب یہاں سے دفع ہوجاؤ۔ ورنہ ابھی اپنے پالتو کتے کو اندر سے لاکر تم پہ چھوڑ دوں گا۔

مائیکل: بدتمیزی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔

اسٹیو: شاید تمہیں معلوم ہی نہیں ہے کہ بدتمیزی کہتے کسے ہیں اگر میں ایک بار بدتمیزی کرنے پر آگیا نا تو بہت پچھتاؤ گے تم کہ کس سے پنگا لیا تھا۔ تم لوگوں سے پہلے بھی پولیس مجھ سے بہت سوال کرچکی ہے۔ اس کمینے جوزف نے بھیجا ہے نا تمہیں یہاں۔ ذلیل انسان مجھ پہ شک کرتا ہے۔ اسٹیو نے دھاڑ سے دروازہ بند کرلیا۔

شیطان کی تاریخ

80 ہزار سال تک فرشتوں کا ساتھی رہا۔
40 ہزار سال تک جنت کا خزانچی رہا۔
30 ہزار سال تک مقربین کا سردار رہا۔
14 ہزار سال تک عرش کا طواف کرتا رہا۔
پہلے آسمان پر اس کا نام عابد تھا، دوسرے پر زاہد، تیسرے پر عارف، چوتھے پر ولی، پانچویں پر تقی، چھٹے پر خازن، ساتویں پر ازازیل، اور اب قیامت تک اس کا نام ابلیس ہے۔
غرور اور تکبر نے کیا سے کیا بنا دیا۔
(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈو الہ یار)

مائیکل: حد ہے پورا محلہ ہی پاگل ہے۔

سائمن: ہاں واقعی اس عورت کی بات تو پھر بھی سمجھ آتی ہے لیکن اس لڑکے کو کیا ہو گیا۔

آلیور: کوئی بات نہیں اس سے بعد میں نمٹ لیں گے۔ چلو چل کر رابرٹ کی خبر لیں۔ وہ تینوں رابرٹ کے گھر پہنچے۔ ابھی آلیور بیل بجانے ہی والا تھا کہ مائیکل بول اٹھا۔ امید کرتا ہوں اِس جگہ ہمیں اتنی ذلت نہ اٹھانی پڑے گی۔ آلیور نے بیل بجائی۔ کچھ دیر بعد ایک آدمی نے دروازہ کھولا انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔ وہ انہیں لے کر اندر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

آلیور: مسٹر رابرٹ شاید آپ جانتے ہی ہوں کہ جوزف کو آپ پہ شک ہے۔ آپ اس وقت شک میں بہت برے گھیرے میں ہیں۔

رابرٹ: ہاں جانتا ہوں کہ اس نے مجھ پہ شک ظاہر کیا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میرے گھر کی تلاشی بھی لے سکتے ہیں۔

آلیور: نہیں شکریہ آپ بس اتنا بتا دیجیے کہ جن راتوں میں یہ حادثے رونما ہوئے آپ کے گھر کی بتیاں کیوں روشن تھیں۔

رابرٹ: پہلی بات تو یہ کہ میرے پورے گھر کی بتیاں نہیں جل رہی تھیں۔ صرف میرے کمرے کی بتی جل رہی تھی اور دوسری بات یہ کہ یہ صرف محض اتفاق ہے کہ ان راتوں میں میرے گھر کی بتیاں جل رہی تھیں۔ اس سے قطعی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ میں نے انہیں کہیں چھپا رکھا ہے۔ آلیور کافی دیر تک اس سے مختلف سوالات کرتا رہا۔ اور پھر وہ لوگ واپس جوزف کے گھر آ گئے۔ گھر آ کر جب مائیکل نے جوزف کے سامنے ساری تفصیل بتائی تو اس نے کہا: ارے یہ آپ اس پاگل بڑھیا کے گھر کیسے چلے گئے۔ وہ تو کسی کو اپنے پاس برداشت نہیں کرتی۔ بلکہ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ اس کے گھر والے کیسے اسے برداشت کرتے ہوں گے۔ بلکہ اس کے گھر والے ہی اسے برداشت کر رہے ہیں۔ وہ تو ہر ایک کو کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔

ٹینا نے جب یہ بات سنی تو بولی: بہت اچھا ہوا آپ لوگوں کے ساتھ یہی ہونا چاہئے تھا۔

جوزف: ٹینا زیادہ بکواس مت کرو ورنہ تمہارے ساتھ جو ہونا چاہئے وہ میں بھی جانتا ہوں۔

ٹینا غصے میں فوں فوں کرتی ہوئی چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد جوزف نے بتایا کہ وہ بوڑھی عورت اتنی پاگل ہے کہ ایک بار کسی بچے نے شرارت میں اس کی بیل بجا دی وہ عورت پاگلوں کی طرح ایک چھڑی لے کر دیر تک اس کا پیچھا کرتی رہی۔ پھر رات کے وقت تینوں دوست ایک کمرے میں سونے کی نیت سے لیٹ گئے۔ رات کے تین بجے کے قریب باہر موسلا دھار بارش بھی شروع ہو گئی۔ اچانک ہی آلیور کی آنکھ کسی آواز سے کھل گئی۔ اس نے پہلے مائیکل اور پھر سائمن کی طرف دیکھا وہ دونوں بے خبر پڑے سو رہے تھے۔ وہ دوبارہ سے لیٹنے لگا کہ اچانک کمرے کی بتیاں بجھ گئیں۔ بالکل گھپ اندھیرا ہو گیا۔ ایک انجانے خوف سے آلیور کا دل دھڑک اٹھا۔ اسے لگا کہ اس سے پہلے زندگی میں اسے کبھی ایسا احساس نہیں ہوا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے سزائے موت دینے کے لئے پھانسی کے تختے پر چڑھایا جا رہا ہو۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے موم بتی اور ماچس کی ڈبیا نکالی۔ پھر موم بتی جلا کر میز پر رکھنے ہی لگا تھا کہ اچانک کسی کے بولنے کی آواز آئی۔ یہ آواز بہت سریلی تھی۔ بڑی باریک سی۔ بے شک یہ کسی لڑکی کی آواز تھی۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ شاید ان تینوں کے سونے کے بعد جوزف سے ملنے کوئی مہمان آیا ہو اور رات کو وہیں ٹھہر گیا ہو اور یہ اس کی آواز ہو۔ لیکن اب کی بار جو آواز آئی وہ بہت چیختی ہوئی سی تھی۔ وہ پوری طرح اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور کان لگا کر سننے لگا۔

ممی آپ کہاں ہیں۔ مجھے بچا لو ممی۔ آ آ آہ۔ اور پھر کسی کے رونے کی آواز آنے لگی۔ یوں لگتا تھا کہ کوئی چھوٹی بچی رو رہی ہے۔ آلیور ہاتھ میں پکڑی موم بتی میز پر رکھ کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔ اس

کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ پھر وہ اٹھ کر بڑی بے چینی کے عالم میں کمرے کے چکر کاٹنے لگا اور پھر باقی کی رات اس نے جاگتے ہوئے گزاری۔ اگلی صبح جب مائیکل اور سائمن نیند سے بیدار ہوئے تو آلیور کو کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا پایا۔

انہیں اندازہ ہو گیا کہ ضرور کوئی بات ہے ورنہ آلیور کو اچانک اتنی چپ کیوں لگ گئی ہے۔ انہوں نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا اور پھر تینوں دوست ناشتے کی میز پر جمع ہوئے آلیور نے میز پر سجے برتنوں کو دیکھا پھر بولا: جوزف آپ کے گھر اخبار آتا ہے؟ دراصل ناشتے کی میز پہ اگر اخبار نہ ہو تو میرا پیٹ نہیں بھرتا۔

جوزف: سوری اخبار تو نہیں آتا لیکن اگر آپ کہیں تو میں ٹی وی لگا دیتا ہوں آپ اس طرح خبریں دیکھ سکتے ہیں۔ ناشتے سے فارغ ہو کر آلیور نے جوزف سے کہا: مسٹر جوزف کیا آپ کے پاس کوئی ویڈیو ایسی ہے جس میں آپ کی بیٹی کرسٹی کی آواز ہو۔ جوزف: ہاں بےشک کیوں نہیں ایسی تو بہت سی ویڈیوز ہیں۔

پھر اس نے آلیور کو ایک ویڈیو دکھائی جس میں وہ اپنی سالگرہ کا کیک کاٹ رہی تھی۔ اس میں اس کے بولنے کی آواز ریکورڈ تھی۔ آلیور نے پہلے مائیکل اور سائمن کو دیکھا اور بولا: ارے جوزف یہ تو کمال ہی ہو گیا۔ ایسی آواز تو میں پہلے بھی سُن چکا ہوں۔

جوزف: کیا؟ کہاں؟ کب؟ ٹینا جو پاس ہی میں کام کر رہی تھی۔ دوڑ کر آئی۔ ٹینا التجائیہ لہجے میں مسٹر آلیور کہاں ہے میری بچی کہاں سنی آپ نے اس کی آواز۔

آلیور: میں نے کل اس کی آواز اپنے کمرے میں سنی۔ وہ رونے لگی۔ ٹینا: اس کی آواز اس گھر میں تو مجھے بھی سنائی دیتی ہے۔ لیکن یہ سب یہاں رہنے والے بھوتوں کی کارستانی ہے۔ ہمیں کسی پادری کو بلا ہی لینا چاہئے۔

آلیور: آپ فکر مت کریں مس ٹینا آپ کو کسی پادری کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ کام تو میں خود ہی کر لوں گا۔ ایسے بھوتوں سے نمٹنا مجھے خوب آتا ہے۔

ویسے ایک بات تو بتایئے اس سے پہلے جو آپ نے آوازیں سنیں وہ کیسی تھیں۔

ٹینا: لڑکیوں کی آوازیں تھیں۔ جیسے کوئی رحم کی درخواست کر رہا ہو رو رہا ہو۔ لیکن یہ آوازیں زیادہ تر رات میں ہی آتی تھیں۔

آلیور: میری معلومات میں اضافہ کرنے کا بہت بہت شکریہ۔

مس ٹینا۔ اب ہم تینوں ذرا جورڈن سے مل لیں۔ اب تک اُن سے ہماری ملاقات نہیں ہوئی۔

ٹینا: کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو اس سے ملنے کی، بڑا منحوس آدمی ہے وہ جب سے ہماری بیٹی لاپتہ ہوئی ہے ایک بار بھی اس نے آ کر ہمیں نہیں پوچھا۔ نہ ہی اپنی بیویوں کے چلے جانے کا کوئی غم ہے اسے۔

آلیور: اگر ایسا ہے پھر تو لازمی ہمیں ان سے ملنا ہی پڑے گا۔ وہ لوگ جلدی جلدی نیچے جورڈن کے پاس آئے۔ آلیور مسٹر جورڈن میں آپ کا گھر دیکھنا چاہتا ہوں۔

جورڈن طنز سے: لیکن وہ کیوں؟

آلیور نے ایک نظر اسے غور سے دیکھا پھر اس سے زیادہ طنزیہ لہجے میں بولا: کیونکہ یہ بہت پیارا ہے۔ اس لئے۔ اچانک ہی جورڈن کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے مگر جب وہ بولا تو مجسم بالکل سرد تھا۔

جورڈن: آؤ دکھاتا ہوں۔

وہ انہیں لے کر سارے گھر میں پھرا۔ آلیور چھت کو دیکھ کر یہ اندازہ کرتا رہا کہ کرسٹی کا کمرہ اوپر کس جگہ ہو سکتا ہے۔ جس جگہ اس کا کمرہ ہو سکتا تھا۔ وہاں ایک دیوار تھی اور اس کے آگے ایک شوکیس رکھا تھا۔ آلیور اس دیوار کو ٹھونک بجا کر دیکھتا رہا اور پھر مائیکل اور سائمن کو لے کر واپس اوپر آ گیا۔ وہ رات ہونے کا انتظار کرنے لگا کیونکہ ٹینا نے بتایا تھا کہ یہ آوازیں اکثر رات کو ہی آتی ہیں۔ مائیکل اور سائمن تو رات گیارہ بجے سونے کے لئے لیٹ گئے لیکن آلیور بستر میں بیٹھا سامنے دیوار میں لگی گھڑی کی ٹِک ٹِک سُن رہا تھا۔

رات کے دو بجے کے قریب اچانک پھر سے وہ ڈری اور سہمی ہوئی آواز سنائی دینے لگی۔ آلیور بستر سے کھڑا ہوگیا۔ اس نے مائیکل اور سائمن کو بھی نیند سے جگادیا۔

آلیور: جلدی اُٹھو دوستو غور سے سنو آوازیں آرہی ہیں۔ وہ تینوں بڑی غور سے سننے لگے۔ پھر آلیور سے مزید صبر نہ ہوا اس نے تینوں کو ساتھ لیا اور چلتا ہوا کرسٹی کے کمرے تک آ گیا۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھولا اور دیوار چیک کرنے لگا۔ وہ اوپر سے لے کر نیچے تک دیوار پہ ہاتھ پھیرنے لگا۔

آلیور: دیکھو دوستو یہاں پر ایک لکیر ہے۔

مائیکل: ہاں ہے تو مگر ایسی لکیریں تو اس پورے کمرے میں ہیں۔

آلیور: تم سمجھ نہیں رہے ہو مائیکل یہ ہی تو سارا چکر ہے۔ چلو چل کر جوزف کو اُٹھادو۔ انہوں نے جلدی جلدی جوزف کو ساتھ لیا اور واپس کرسٹی کے کمرے میں آ گئے۔ آلیور نے کہا کہ دیوار میں یہ جو لکیر نظر آرہی ہے۔ اس جگہ زور لگا کر کھولنے کی کوشش کرو۔ چاروں نے مل کر کھولا تو بڑی آسانی سے کھل گئی۔ جوزف بری طرح حیران رہ گیا۔

جوزف: ارے یہ خفیہ دروازہ کیسا ہے۔

آلیور: ابھی پتا چل جائے گا۔ میں پہلے کیون کو خبر کردوں اُس نے جھٹ کیون کو فون کیا۔ وہ فوراً ہی پولیس کے آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ آلیور ان سب کو لے کر اس خفیہ دروازے میں لے گیا۔ اندر بالکل اندھیرا تھا۔ ان سب نے ٹارچیں جلالیں۔ یہاں نیچے ایک زینہ جارہا تھا۔ وہ نیچے پہنچے تو جورڈن کے چیخنے کی آواز آئی۔ کون ہے وہاں پر؟

آلیور: اسے پکڑلو کیون۔ کیون اور پولیس کے لوگوں نے آگے بڑھ کر جورڈن کو گرفتار کرلیا۔ اس کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی۔ جہاں ایک کرسی پر کرسٹی بندھی ہوئی بیٹھی تھی۔ جوزف دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔ ٹینا کو آلیور نے خود ہی یہاں آنے سے منع کیا تھا۔

پولیس کو وہاں پہ دو بڑی ڈیپ فریزر نظر آئے۔ انہیں جب کھول کر دیکھا گیا تو ایک میں جورڈن کی پہلی بیوی کی لاش تھی اور دوسرے میں اس کی دوسری بیوی کی لاش تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جورڈن نے اس راستے سے اندر داخل ہوکر چپکے سے کرسٹی کو اغوا کیا تھا اور جس جگہ جورڈن کے کمرے میں شوکیس رکھا تھا وہاں پہ اس کو آلیور کے کہنے پہ ہٹایا گیا تو ایک خفیہ راستہ نکلا جو سیدھا اس کمرے میں آتا تھا اور رات کو وہ آوازیں اس لئے آتی تھیں کیونکہ وہ رات کے وقت اپنی بیویوں اور کرسٹی کو ٹارچر کرتا تھا۔

جوزف، ٹینا اور میری کرسٹی کے مل جانے سے بے پناہ خوش تھے۔ ٹینا نے خوش ہوکر خود ان سب کو بلالیا۔ جب سب کھانے کی میز پر جمع ہوئے تو آلیور نے میری سے کہا: آپ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ مس میری واقعی اِس ملک کی پولیس بڑی نکمی ہوگئی ہے۔ کرسٹی کے کمرے میں دیوار پہ بنی لکیر تھی وہ ایک خفیہ راستہ تھا جبکہ ایسی لکیریں پورے کمرے میں لگانے کا مقصد تھا کہ لوگوں کو یہ دھوکا دینا کہ یہ لکیریں تو پورے کمرے میں ہی ہیں۔ ان کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔

مائیکل: ہاں بھئی سب باتیں واضح ہوگئیں۔ بس اس دن جب پہلی بار یہاں آئے تھے تب راستے میں جو آدمی ہمیں ملا تھا اس کی بات میری سمجھ نہیں آتی۔

جوزف ہنستے ہوئے: اور کبھی سمجھ آئے گی بھی نہیں۔ جب وہ لوگ واپس اس راستے سے گئے تو انہیں عجیب عجیب آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ اور راستے میں کچھ دہشت گردوں نے بندوق کے زور پر ان سے پیسے بھی چھین لئے اور اسی دن ملک کے تمام اخبارات میں یہ خبر چھپی کہ مشہور سراغ رساں آلیور کو لگتا ہے کہ وہ راستہ آسیبی ہے کیونکہ وہاں پر انہوں نے اور ان کے دوستوں نے کچھ عجیب آوازیں سنی ہیں۔ اور نہ معلوم یہ بات کتنی صحیح ہے۔

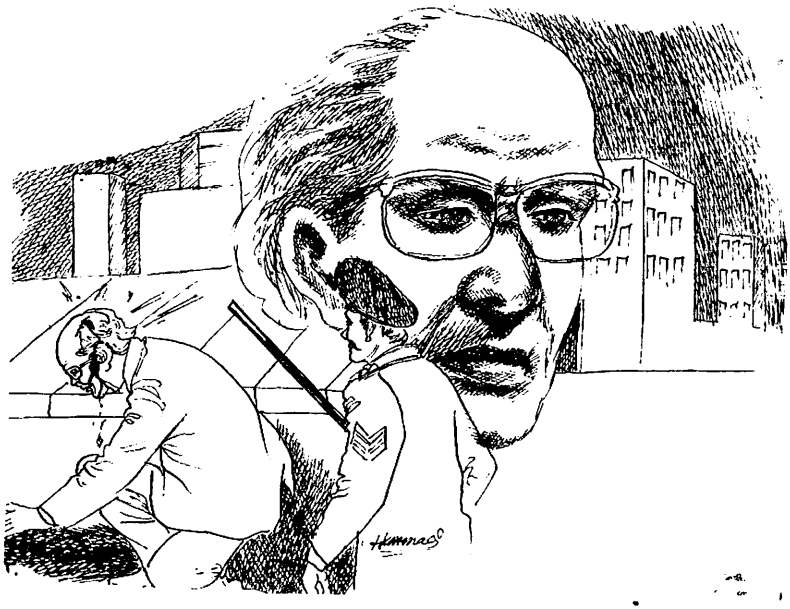

خوفناک راز

پیاسحر- گجرات

ہر طرف ہو کا عالم تھا جسم میں خون منجمد ہورہا تھا دل و دماغ کا الگ الگ فیصلہ تھا ہر کوئی حقیقت جاننے سے قاصر تھا اور جب حقیقت سامنے آئی تو لوگ تھرا کر رہ گئے۔

رات کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی خوفناک اور دہشت ناک کہانی

میرا نام مائیک ہے اور میں امریکہ کے نیو جرسی کے ایک جنگل میں فاریسٹ رینجر ہوں آگے بتانے سے پہلے میں آپ کو بتادوں کہ یہاں کے جنگلوں سے لوگوں کا اچانک غائب ہوجانا یا پھر کئی طرح کے پراسرار واقعات ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہم سب رینجرز ان باتوں کو اچھی طرح جانتے ہیں اور ایسی صورتحال کے لئے تیار رہتے ہیں۔ لیکن میں آپ کو جنگلوں میں کھوئے ہوئے لوگوں کے بارے میں نہیں بتانے والا ہوں۔ میں آپ کو اپنے ساتھ ہوا ایک ایسا واقعہ بتانا چاہتا ہوں جس کو میں آج تک سمجھ نہیں پایا ہوں۔ شاید آپ کو یہ واقعہ اتنا ڈراؤنا نہ لگے لیکن میرے لئے بہت ہی پریشان کن ہے۔

سال 2012ء کا اگست کا مہینہ چل رہا تھا میں بائی پوائنٹ اسٹیٹ پارک نام کے ایک جنگل میں پوسٹڈ تھا۔ رات کافی ہوچکی تھی جنگل میں ہمارا اسٹیشن بھی بند

ہو چکا تھا لیکن میں اپنے کچھ رُکے ہوئے کام نمٹانے کے لئے اکیلا ہی وہاں رک گیا۔ دراصل ہوا ایسا تھا کہ تب پچھلے کچھ دنوں سے ہمیں کئی لوگوں کی ریٹرن کمپلینز ملی تھیں۔ جس میں انہوں نے جنگل کی پراپرٹی کو نقصان پہنچائے جانے کی کمپلینٹ کی تھی۔ جیسے کہ جنگل میں لگے بنچز توڑ دیئے جانے کی کمپلین۔

میں اپنے اسٹیشن پر بیٹھا وہ سب رپورٹس پڑھ ہی رہا تھا کہ اچانک میرا ریڈیو فون بج اُٹھا۔ کسی کے ہنسنے کی خوفناک اور پراسرار آواز آ رہی تھی۔ مجھے لگا شاید میرا ہی کوئی ساتھی میرے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ ہم لوگ اکثر آپس میں ایسے مذاق کیا کرتے تھے۔

میں نے ریڈیو فون اٹھا کر جواب دیا۔ ''اب اس ٹائم کون مذاق کر رہا ہے۔''

لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ بس ایک ہلکی سی ہنسی پھر سے سنائی دی۔ ہنسی سن کر یہ بتانا مشکل تھا کہ وہ کوئی عورت ہے یا کوئی آدمی، میں نے پھر سے کہا۔

''ارے کون ہے یار؟'' جواب میں دوسری طرف سے پھر سے ایک ہنسی کی آواز آئی لیکن اس بار وہ ہنسنے کی آواز بہت تیز تھی اور ایسا لگ رہا تھا وہ ہنسی کسی ایک انسان کی نہیں ہے بلکہ بہت سے لوگ مل کر ہنس رہے ہیں۔

مجھے بہت غصہ آیا تو میں نے ریڈیو فون نیچے رکھ دیا اور دوبارہ ان پیپروں میں متوجہ ہو گیا جب میں ان پیپروں میں پوری طرح مگن ہو گیا تو اچانک اسٹیشن کے دروازے پر بہت زور سے کوئی چیز مارنے کی آواز آئی وہ آواز اتنی تیز تھی کہ میں بھی اپنی کرسی سے اچھل پڑا۔ ہاتھ میں جو کوفی میں نے پکڑی ہوئی تھی وہ بھی چھلک کر ان پیپرز پر گر گئی جو میں اتنی دیر سے بیٹھ کر تیار کر رہا تھا۔

مجھے اب وہ رپورٹ پھر سے بنانی پڑ گئی اس لئے مجھے بہت شدید غصہ آیا تو میں تیزی سے اٹھ کر اسٹیشن کا دروازہ کھولنے کے لئے بڑھا۔

میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ لیکن وہاں تو کوئی نہیں تھا۔ شاید کوئی میرے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔ مگر میں اس وقت بالکل بھی مذاق کے موڈ میں نہیں تھا میں نے باہر جا کر اسٹیشن کے چاروں طرف اچھی طرح چیک کیا وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس وقت میرا موڈ بہت خراب ہو چکا تھا میں جلدی سے اندر آیا اور گری ہوئی کافی صاف کرنے لگا۔ میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔

''اب کل ہی آ کر پھر سے رپورٹ بناؤں گا۔''

اتنے میں پھر سے ریڈیو فون پر ہنسنے کی آواز آئی اس بار وہ ہنسی بہت عجیب تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی ہنس بھی رہا ہے اور رو بھی رہا ہے۔ وہ آواز اگلے دو تین منٹ تک آتی رہی پھر اچانک بند ہو گئی اور بند ہوتے ہی پھر سے کسی نے دو بار زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

اب تو حد ہو گئی تھی میں نے اسی وقت ایک ڈنڈا اُٹھایا اور اپنی ٹارچ لے کر اسٹیشن سے باہر نکل گیا۔

باہر نکلا تو دیکھا اس بار بھی وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں وہاں کھڑا چاروں طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے جنگل کی طرف سے ایک زور کی چیخ سنائی دی۔ چیخنے کی آواز آئی تو زور سے تھی لیکن پھر بھی یہ کہہ پانا مشکل تھا کہ وہ آواز کہاں سے آئی ہے۔ پھر کچھ ہی سیکنڈز بعد مجھے جنگل کے اندر سے کئی سارے لوگوں کی بات کرنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ سمجھ تو نہیں آ رہا تھا کیا باتیں چل رہی ہیں لیکن سمت کا اندازہ ضرور ہو گیا تھا۔

میں آوازوں کا پیچھا کرتے ہوئے جنگل کے اندر جانے لگا۔ اس جنگل میں، میں نے اتنا وقت گزارا تھا کہ رات کے اس پہر جنگل کے اندر جانے میں مجھے بالکل ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ میں جنگل کے کافی اندر تک چلا گیا تو مجھے وہاں ایک غار سا بنا دکھائی دیا۔ غار کے اندر ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ اس کے پیروں سے خون نکل رہا تھا اور آگ کے سامنے بیٹھی وہ پھپھک پھپھک کے روئے جا رہی تھی۔ اس کو سانس لینے میں بھی پریشانی ہو رہی تھی۔

میں اس کو دیکھتے ہی بھاگ کر اس کے پاس پہنچا پھر میں نے جلدی سے ایمرجنسی ٹیم کو کال کر کے بلایا۔ میں نے اس لڑکی سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بات کرنے کی حالت میں تھی ہی نہیں۔

کچھ ہی دیر بعد میڈیکل ٹیم بھی وہاں پہنچ گئی اور اس

لو.. ہسپتال لے جایا گیا اس لڑکی کو چوٹیں تو بہت لگی تھیں۔
...ان کچھ دنوں بعد وہ بالکل ٹھیک ہوئی۔ لڑکی نے بتایا کہ وہ اس جنگل میں ہر شام جوگنگ کے لئے جایا کرتی تھی اور اس شام بھی وہ وہاں جوگنگ کر رہی تھی کہ اچانک ایک آدمی نے پیچھے سے اس پر حملہ کر دیا۔ اس نے بتایا کہ اس آدمی نے اس کو غار میں ڈال کر اس کے پیروں کو چاقو سے کاٹ دیا اور اس کو گھنٹوں تک ٹارچر کرتا رہا۔ لیکن اس آدمی نے اس کا ریپ نہیں کیا وہ بس اس کو درد میں تڑپتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ ایسا کر کے اسے بہت مزہ آ رہا تھا وہ زور زور سے ہنس رہا تھا۔

جتنا وہ لڑکی درد میں چیختی وہ اتنا ہی زور سے ہنستا۔

لیکن میرے لئے حیرانی کی بات یہ تھی کہ میں اس لڑکی تک صرف اس لئے پہنچ سکا کیونکہ مجھے میرے ریڈیو فون پر وہ عجیب سی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ اس نے جیسا جیسا بتایا میں نے بالکل ویسا ہی اپنے ریڈیو فون پر سنا تھا۔

مگر حیران کن بات یہ تھی کہ اس لڑکی کے آس پاس تو کوئی ریڈیو فون تھا ہی نہیں تو اس کی آواز میرے ریڈیو فون تک کیسے پہنچی یہ تو بالکل ناممکن تھا۔

کچھ مہینے گزر گئے۔ پھر ایک دن اچانک ہمیں جنگل میں ایک آدمی کی لاش پڑی ہوئی ملی اس کا پیٹ پھٹا ہوا تھا شاید کسی جانور نے پھاڑ دیا ہو کیونکہ اس کے چہرے پر بھی ایک بڑے سے پنجے کا نشان تھا اس کا چہرہ اتنا بگڑ چکا تھا کہ اس کی پہچان کرنا بھی بہت مشکل تھا۔

اس لاش کا ڈی این اے سمپل لیا گیا اتفاق کی بات تھی کہ اس کا ڈی این اے سمپل اس دن غار سے ملنے والی لڑکی پر حملہ کرنے والے آدمی سے میچ ہو گیا یہ وہی آدمی تھا جس نے اس لڑکی کو اس دن مارنے کی کوشش کی تھی۔

لیکن یہ بات آج بھی میرے لئے معمہ بنی ہوئی ہے کہ میں اس دن اس لڑکی تک کیسے پہنچا اور اس آدمی کو کس نے مارا؟

یہ ایک ایسا خوفناک راز ہے میری زندگی کا کہ جس سے آج تک پردہ نہیں اٹھ سکا۔

چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کراچی

اگست کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

آج ہی اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں۔

ایسی سرگزشت اور حکایتیں جنہیں ڈر کی وادی اور خوف کے شہر سے چنا گیا......!
سلسلے وار لہو رنگ کہانیاں جن کی ایک سطر رونگٹے کھڑے کر دے گی......!
دہشت ناک طرز نگارش کے اس ڈائجسٹ کی ورطۂ حیرت کر دینے والی وہ خون آشام کہانیاں کہ آپ انگشتِ بدنداں رہ جائیں گے!
عجوبہ روزگار قصے، بھیانک آپ بیتیاں، خونچکاں، جگ بیتیاں، انہونے واقعات!
ان غیر ارضی و ماورائی مخلوق کی کارستانیاں، جن کا تصور ہی عام آدمی کو لرزہ براندام کر دیتا ہے......!
حسین وجمیل کافرادا دوشیزاؤں کی عشوہ طرازیاں، جو پل بھر میں خون آشام چڑیلوں کا روپ دھارتی نظر آئیں گی!
ملکی وغیر ملکی، خوفناک اور دہشت انگیز کہانیوں کا انوکھا ومعیاری مجموعہ......!
دیسی، بدیسی معروف ونامور قلم کاروں کی وہ تحریریں، جن کے آپ متلاشی ہیں۔
پہلی مرتبہ ڈر ڈائجسٹ کی شکل میں دستیاب ہیں......!
اس کے علاوہ آپ اپنی کہانیاں ان پیج اردو پر کمپوز کر کے بذریعہ ای میل بھی بھیج سکتے ہیں۔

ہمارا ای میل ایڈریس ہے:
Dardigest01@gmail.com

خط وکتابت کا پتہ: گوالی لائن نمبر 3، نورانی آرکیڈ
نیو اردو بازار کراچی
قیمت -/90 روپے
Mob:0324-7232580

جلتے گلاب

عثمان غنی خان-پشاور

قسط نمبر:3

دو دلوں کا ملاپ اچانک چھناکے سے بکھر گیا، دونوں کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس قدر عجلت میں وہ ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں گے اور جب ایسا ہوا تو ایک انوکھا شاخسانہ سامنے آیا تو انجان سفر کے باسی گھٹ کر رہ گئے لیکن جب وقت پلٹا تو.....

ایک اچھوتی انوکھی دلنواز، فرحت بخشتی دل دماغ کو گدگداتی.....شاہکار کہانی

زین سوہا کے غائب ہونے پر بے حد پریشان تھا۔ اس نے اس کو ہر جگہ ڈھونڈا، جہاں اس کے ملنے کا ایک بھی فیصد امکان تھا۔ مگر وہ تو ایسے گم ہوگئی تھی۔ جیسے سوئی بھوسے کے ڈھیر میں گم ہو جاتی ہے۔ پہلے تو اسے لگتا رہا، کہ وہ لوگ کسی رشتے داروں کے ہاں گئے ہوں گے۔ اس نے شاہ زر کے بارے میں بھی معلومات لینے کی کافی کوشش کی۔ جہاں شاہ زر کام کرتا تھا۔ اسے وہ جگہ مل گئی۔ مگر وہاں اسے شاہ زر نہ ملا۔ وہ کئی دن تک مسلسل شاہ زر کے آفس جاتا رہا۔ مگر شاہ زر اسے نہ ملا۔ وہ خود شدید حیران تھا۔ وہ سوہا کا نمبر دن میں سو مرتبہ ملاتا۔ مگر وہ کبھی آن ہی نہیں ہوتا۔ وہ خود سخت پریشان تھا۔ اس کو کچھ بھی سمجھ میں آرہا تھا۔ کہ وہ کرے تو کیا کرے؟ کس کے پاس جائے، جو اس کی یہ گتھی سلجھا دے۔ مگر کوئی نہیں تھا۔ وہ کچھ بھی نہ کر سکا۔ وہ ہر دن سوہا کا منتظر رہا۔ اب تو وقت گزرتا رہا۔ اس نے سوہا کی خواہش پوری کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ ٹی، وی ڈراموں میں اداکاری کرنے لگا۔ اور کروڑوں دلوں کی دھڑکن بن گیا۔ مگر جس کی اسے تلاش تھی۔ اسے وہ کہیں بھی نہ ملی۔ اس کی زندگی جیسے جمود کا شکار ہو چکی تھی۔ وہ باہر سے جتنا زندہ دل لگتا، اندر سے وہ اس سے دگنا ٹوٹا ہوا تھا۔ مگر وہ اپنا غم کسی پر آشکار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے گھر میں اس کی شادی کے تذکرے شروع ہونے لگے تھے۔ مگر وہ کسی صورت ماہ نور جبین سے شادی کر کے حماقت نہیں کر سکتا تھا۔

ماہ نور جبین وہ لڑکی کبھی نہیں بن سکتی تھی، جو زین کی شریک سفر کہلائی جا سکتی اور پھر بہت سارا وقت گزر گیا۔ ان گزرتے وقت میں کوئی ایسا لمحہ نہ تھا، جب زین نے سوہا کا نمبر نہ ملایا ہو۔ مگر ہر دن اسے مایوسی ملی تھی۔ اس عرصے میں اسے رمشال شاہ ملی، اس نے رمشال شاہ سے دوستی کر لی، مگر وہ اس کو دل کبھی نہیں دے سکتا تھا، کیونکہ اس کا دل پہلے سے ہی کسی کے پاس تھا۔

زین کو سوہا جلتے گلاب کے اندر دکھائی دی، اسے ایسے مخوس خواب بھی اکثر نظر آتے تھے۔ مگر زین نے کبھی ان خوابوں پر یقین نہیں کیا تھا۔ وہ اکثر سوہا کی سلامتی کے لیے خدا سے دعائیں مانگا کرتا تھا۔ اسے اب یہ سارا معاملہ جادوئی سا لگتا تھا۔ اس نے یہ گتھی سلجھانے کی بہت کوشش کی تھی۔ مگر اب اسے اس سارے معاملے کا سرا مل گیا تھا۔ وہ سرا اس کا اپنا باپ تھا۔ ابرار احمد مگر اسے اب بھی کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا، سوہا کیسے جلتے گلاب میں مقید ہوگئی، کون

ہے یہ بڑے سرکار جس نے اس کی سوہا کو جلتے گلاب کے اندر مقید کر دیا ہے۔ اسے سوہا کے عکس کی آزادی کا طریقہ معلوم ہو گیا تھا۔ مگر وہ سارا معاملہ دل سے سلجھانا چاہ رہا تھا۔ اس کو کچھ تو کرنا تھا۔ کیونکہ اگر وہ کچھ نہ کر پاتا، تو سوہا ہمیشہ کے لیے جلتے گلاب کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی۔

اس نے وہ جلتے گلاب کو ان سے چھیننے کا فیصلہ کرلیا۔ مگر یہ مشکل تھا۔ کیونکہ اس کے آگے اس کا باپ ابرار احمد کھڑے تھے۔

☆.....☆.....☆

شاہ زر کے بچوں کو دیکھ کر زرینہ نے کچھ نہ پوچھا۔ وہ لوگ تو اب گاؤں میں سیٹ ہو چکے تھے۔ سوہا کو زین کی یاد کچھ زیادہ ہی ستا رہی تھی۔ وہ دل سے شرمندہ بھی تھی کہ زین اس کے بارے میں کیا سوچتا ہو گا۔ اس نے باپ سے موبائل بھی مانگا، مگر شاہ زر نے جیسے اس کے ارمانوں پر اوس کے قطرے گرا دیے۔ کیونکہ وہ جب آشان اور کاشان کو لینے گیا تھا۔ تو اسی رات موبائل گھما دیا۔ کچھ دنوں تک زرینہ چچی نے خوب خاطر مدارت کی، ان کے ہر چیز کا خیال رکھا۔ شاہ زر کو گاؤں کی ایک معمولی فیکٹری میں کام بھی مل گیا۔ سوہا نے اپنا موبائل بہت ڈھونڈا مگر نہ ملا۔ اسے حیرت اس بات پر تھی، کہ شاہ زر کا موبائل بھی اس بے سرو سامانی میں کہیں گم ہوا ہے۔ شاہ زر نے اپنے لیے نیا موبائل لے لیا تھا۔ ایک لڑکا سوہا کا ہم عمر ہو گا۔ اس کا نام ساجل تھا۔ وہ ہٹا کٹا گورا سا نوجوان تھا۔ اس کے نقوش اتنے اچھے نہ تھے۔ وہ سوہا سے اکثر بات چیت کرنے لگا تھا۔ سوہا بھی کزن سمجھ کر اس سے سلام کلام کر لیتی تھی۔ ساجل اسے اکثر گاؤں میں گھمانے پھرانے لگا، پھر اسے دو تین چھوٹے موٹے تحفے تحائف بھی دیے، سوہا نے کزن بھائی سمجھ کر لے لیے۔ روہا بھی ان کے ساتھ ہوتی۔ مگر ایک دن اس نے سوہا سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کر دیا۔ ساجل کے باقی چھوٹے بہن بھائی تھے۔ مگر وہ اتنے خوبرو نہیں تھے۔ سوہا اس کی اس بدتمیزی پر حیران رہ گئی۔ اس نے اسے کچھ نہ کہا۔ اور وہاں سے چلی گئی۔ ساجل اس کی خاموشی کو رضامندی سمجھ کر اسے چاہنے لگا۔ سوہا اس سے گریز کرنے لگی۔ وہ اس کی گریز کو اس کا شرم و حیا سمجھتا رہا۔ اور یوں ساجل ایک غلط فہمی کا شکار ہو گیا۔ وہ سمجھتا رہا کہ سوہا بھی اس کو دل ہی دل میں چاہتی ہے۔ مگر سوہا نے اس کی غلط فہمی بھی دور نہ کی تھی۔ اب تو وہ اس کے گھر بھی اکثر آنے جانے لگا۔ کبھی شاہ زر سے گپ شپ لگاتا۔ کبھی بچوں سے کھیلتا رہتا۔ مگر جب تک وہ ہوتا سوہا کمرے میں بند ہو جاتی۔ اسے دیکھ کر اسے رونا آ جاتا تھا۔ وہ دل سے دعائیں مانگا کرتی تھی، کہ اللہ اسے اس سے دور کر دے۔ مگر وہ جیسے ایک مسلسل امتحان بن رہا تھا۔ اس نے ہر نماز میں دعا مانگی کہ خدا اسے دوبارہ شہر اپنے گھر لے جائے۔ اس نے شاہ زر سے بھی بات کی: وہ آگے پڑھنا چاہتی ہے۔ اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتی ہے۔ وہ ہاسٹل میں رہ لے گی۔ مگر شاہ زر نے صاف انکار کر دیا۔ وہ تو سوہا کی بات سن کر جیسے ڈر چکا تھا۔ وہ سوہا کو سختی سے منع کر چکا تھا کہ وہ دوبارہ ایسا کوئی مطالبہ نہیں کرے گی۔ سوہا نے بھی کچھ نہ کہا اور کمرے میں چلی گئی۔

ایک دن زرینہ چچی آئی تھی۔ اس نے ان لوگوں کو دعوت پر بلایا تھا۔ شاہ زر بھی خوش ہو گیا۔ اس نے شام کو آنے کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ شام کو سب لوگ دعوت پر چلے گئے۔ مگر سوہا نے خراب طبیعت کا بہانہ بنا کر انکار کر دیا۔ وہاں ساجل کی بے چین نظریں سوہا کو نہ پا کر بد مزہ سی ہو گئیں۔ وہ روہا سے بار، بار سوہا کا پوچھتا رہا۔ مگر روہا اسے یہی بتاتی رہی کہ وہ بیمار تھی۔ جب رات کو وہ لوگ واپس آئے۔ تو بہت خوش تھے۔ سوہا نے کھانا کھا لیا تھا۔ روہا اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ وہ اس کے کان میں بار بار ساجل کی باتیں کیے جا رہی تھی۔ یہ باتیں جیسے اس کے لیے کسی امتحان سے ہرگز کم نہ تھی۔ اس نے اسے بری طرح سے جھڑک دیا اور وہاں سے اٹھ کر آنگن میں چلی گئی۔ وہ کسی طرح سے ساجل کو آگے بڑھنے سے روکنا چاہ رہی تھی۔ مگر وہ جیسے بہت تیزی سے اس کے

پاس آرہا تھا۔ سوہا اب بری طرح گھبرا رہی تھی۔ اسے واقعی لگنے لگا تھا کہ ہر لڑکا زین کی طرح شریف نہیں ہوتا۔ کچھ ساجل کے جیسے بے باک بھی ہوتے ہیں۔ جب سوہا ساجل کی دیدہ دلیری سے بہت تنگ آگئی، تو اس نے زین کو بتانے کا آخری فیصلہ کرلیا۔ مگر اس کے پاس زین کا نمبر نہیں تھا۔ مگر زین نے ایک مرتبہ اسے اپنے باپ کا نمبر دیا تھا۔ ابرار کے آفس کا کارڈ تھا۔ سوہا آتے وقت وہ کارڈ سامان میں ادھر اُدھر کر چکی تھی۔ مگر اسے اتنا یاد تھا۔ کہ وہ کارڈ اس نے اپنی کسی بک میں رکھا تھا۔ اب اسے دوبارہ سے ایک ایک چیز ڈھونڈنی تھی۔ اور اگر کوئی کسی چیز کے پیچھے پڑ جائے، تو وہ مل بھی جاتی ہے۔ سوہا نے تلاش شروع کر دی۔ ہر کتاب ڈھونڈ ڈالی۔ ایک ایک صفحہ کھول کر دیکھا۔ مگر وہ کارڈ تو جیسے گم ہو گیا تھا۔ روہا نے بھی اس کی بے چینی کی وجہ کئی بار پوچھی۔ مگر اس نے کچھ نہ بتایا۔ وہ روہا کو کیا بتاتی، کیا سمجھاتی، وہ تو خود اس سب میں بری طرح سے الجھ کر رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

سوہا اس دن بہت پریشان تھی۔ وہ ایک غمگین سی شام تھی۔ سوہا اداس سی بیٹھی ہوئی تھی۔ روہا دونوں چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ شاہ زر تھکے ہارے سے گھر کو لوٹ آئے تھے۔ اس نے یوں سوہا کو کمرے کے چوکھٹ میں بیٹھے دیکھا، تو اسی کے پاس آکر بیٹھ گئے۔

''سوہا بیٹا شام کو اس طرح کمرے کے آگے زمین پر نہیں بیٹھتے، اس طرح شیاطین روحیں چمٹ جاتی ہیں۔''

''ابو...!! میرا اس ماحول میں دل ہی نہیں لگتا، ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے قید میں ڈال دیا ہے۔ میرا دل ہر وقت اداس رہتا ہے، کیا ہم دوبارہ کبھی شہر واپس نہیں جاسکتے ہیں۔ کیا ساری زندگی میں یہاں گزاروں گی۔ میرا یہاں دم گھٹ جائے گا''۔ سوہا نے روتے ہوئے باپ کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

''بیٹا.....!! کب میں نے یہ چاہا تھا۔ میں بے بس ہوں، کم نصیبی انسان کو بہت کچھ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے اور نہ چاہتے ہوئے بھی زندگی میں بدلاؤ لانا پڑتا ہے''۔

''مگر کیوں ابو.....!! کیوں کیا ہوا ہے؟ جس کی وجہ سے ہمارے ساتھ ایسا ہوا ہے۔ وہ کونسی وجہ تھی؟ جو ہم میلوں دور آگئے ہیں۔ ابو میرا دل یہاں پھٹ جائے گا۔ میرے سارے سپنے ٹوٹ رہے ہیں''۔

''سوہا.....!! کچھ عرصے کی بات ہے، پھر میں تمہیں شہر لے جاؤں گا۔ آشان، کاشان کے اغوا کاروں کا یہی مطالبہ تھا کہ ہم وہ شہر چھوڑ دیں۔ ورنہ ہم ایسا نہ کرتے، تو ان دونوں کو کبھی نہیں چھوڑا جاتا۔ غریبی اور امیری کا کچھ مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے تم یہ بات رہنے دو''۔ شاہ زر کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔

''ابو.....!! میں جاننا چاہتی ہوں کہ وجہ کیا تھی؟ کیوں ہم پر زبردستی کا فیصلہ مسلط کیا گیا۔ ہم کسی کا کھاتے تو نہیں ہے۔ آپ کی ادھر سرکاری جاب تھی۔ اپنا گھر تھا۔ ہم نے تو کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ اب تو سوشل میڈیا کا دور ہے۔ عدالتیں انصاف فراہم کر رہی ہیں نئی سوچ ہے''۔ سوہا نے باپ کے کندھے کو ہلا ہلا کر کہا۔

''بیٹا.....!! وجہ تم تھی۔ ان لوگوں نے تمہیں بچانے کے لیے ایسا کیا۔ سندھ کا کوئی سائیں تھا۔ اس نے جب سے تمہیں دیکھا تھا، وہ بے چین ہو گیا تھا۔ تم پر عاشق ہو گیا تھا۔ وہ تمہیں اغوا کر کے زبردستی اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس کے خاندان والے کوئی اسکینڈل نہیں چاہتے تھے۔ وہ بہت بااثر لوگ تھے۔ اس لیے ان لوگوں نے آشان، اور کاشان کو نشانہ بنا کر ہم سے وہ سب کروالیا۔ ہم آشان، کاشان کے لیے اتنا تو کر ہی سکتے تھے۔ میں نے وہ کیا۔ جوان لوگوں نے کہا۔ تم سب کو یہاں لے آیا۔ میں بہت بے بس تھا''۔ شاہ زر نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔

''ابو.....!! ہم انصاف مانگتے ہیں۔ اس ملک

کی عدالتیں ہیں۔ وہ ہمیں انصاف فراہم کریں گی۔ میں شرمندہ ہوں کہ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ ہم کل ہی واپس جاتے ہیں"۔

"نہیں بیٹا.....!!! اس ملک کا انصاف امیر آدمی کے لیے ہے، غریب کا انصاف صرف کتابوں کے صفحات پر لکھا ہوا ہے۔ جو کسی بھی عدالت میں نہیں ملتا۔ جہاں بھی ہم جائینگے، کس کے خلاف آواز اٹھائینگے۔ وہ کون لوگ تھے؟ جس نے آشان، کاشان کو اغوا کیا، وہ کون تھا؟ جو تم پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ وہ کون ہے؟ جس نے ہمیں شہر بدر کیا۔ نامعلوم افراد تھے کیا۔ سب ہمارا مذاق اڑائینگے۔ یہ کوئی جادوئی معاملہ تو نہیں ہے۔ جو جادو سے حل کروائے۔ اور سوشل میڈیا پر صرف تماشا لگتا ہے۔ لوگ افسوس کرتے ہیں۔ مگر وہ بھی جیسے بھیک دے رہے ہوں۔ اور ہم دوبارہ شہر اپنے گھر چلے بھی جائیں۔ تو اس کی کیا گارنٹی ہوگی کہ وہ سائیں خاموش بیٹھا ہوگا۔ وہ اب بھی ہماری چھان بین کر رہا ہوگا۔ وہ تمہیں پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہا ہوگا۔ یہ سائیں، وڈیرے، ایک بار جس کے پیچھے پڑ جائیں، اتنی آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے ہیں اور جس طرح راتوں رات ہمیں شہر بدر کر دیا گیا۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ بہت با اثر تھے"۔ شاہ زر نے اسے دیکھا۔ دونوں خاموش رونے لگ گئے تھے۔

"ابو.....!! میں اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتی ہوں، مگر میں آپ کو کوئی دکھ بھی نہیں دینا چاہتی۔ میرا دل بہت کر رہا ہے کہ میں واپس جاؤں، مین برقع پہنا کروں گی۔ ایک لمحے کو بھی کسی کو اپنا چہرہ نہیں دکھاؤں گی۔ ابو میں آپ کا بیٹا بننا چاہتی ہوں"۔ سوہا نے جیسے اپنے طرف سے ایک حل پیش کیا۔

"بیٹا.....!!! ابھی کچھ بھی مت کرو۔ تمہاری تجویز بہت اچھی ہے۔ مگر ابھی یہ بہت رسکی ہوگا۔ میں کوئی بھی خطرہ اٹھانا نہیں چاہتا۔ انسانوں سے ہی بھول چوک ہوتی ہے۔ خدانخواستہ اگر کل کو وہاں تمہیں کچھ بھی ہو گیا۔ تو میں جیتے جی مر جاؤں گا"۔ شاہ زر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ابو.....!! میں آئندہ کبھی ایسا نہیں کہوں گی، میں انتظار کروں گی، مگر میں اس گاؤں میں زندگی نہیں گزار سکتی۔ میں آپ سب کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتی ہوں"۔ شاہ زر کی باتیں سن کر سوہا کو دن میں تارے نظر آ گئے تھے۔ وہ کبھی اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس سب کی ذمہ دار ہوگی۔ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ وہ چپ ہو گئی۔

"سوہا بیٹا.....!! میں نے کبھی ایسا سوچا تک نہ تھا۔ اور نہ چاہا تھا کہ ہم دوبارہ اس پسماندہ گاؤں میں واپس آ جائیں، وہاں کم از کم میں تم لوگوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ تو کر رہا تھا۔ یہاں آ کے تو وہ بھی تم سب سے چھن گیا ہے"۔

"ابو.....!! آئندہ میں ایسی کوئی بات نہیں کروں گی، جس سے آپ کو دکھ ملے"۔ سوہا نے باپ کو اٹھایا۔ اب وہ اسے کمرے میں لے جا رہی تھی۔

"نہیں تم نے کبھی مجھے کوئی دکھ نہیں دیا ہے، یہ تو ہماری قسمت کا لکھا تھا جو پورا ہوا"۔ سوہا کے اندر کچھ ٹوٹ سا گیا۔

"سوہا بیٹا.....!!! اگر تمہارے پاس یونی والوں کا کوئی بھی نمبر ہو، تو اس سے ہرگز رابطہ نہیں رکھنا۔ کیا پتہ کہیں وہی تمہارے لیے مصیبت کا سبب بن جائیں"۔ باپ کی بات پر سوہا کا دل کرچی کرچی ہو گیا، مگر اس نے کچھ نہ کہا۔

دن پر دن گزرنے لگے۔ مگر اس نے اب باپ سے کچھ بحث نہیں کرنی تھی۔ اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے، مگر وہ زین کو نہیں بھول سکتی تھی۔ اس کا دل رو رہا تھا کہ زین اور ساری یونی والے اس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔ مگر اس کو سب سے زیادہ زین کی پرواہ تھی۔ اس سے وہ رابطہ کر سکتی تھی۔ اس نے پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ زین کے باپ کا نمبر ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ مگر ہر گزرتا دن مایوسی دکھا رہا تھا۔ اور ایسے ہی تلاش بسیار مزید میں کئی دن ہفتے بن کر گزر گئے۔

☆.....☆.....☆

سوہا نے گاؤں کے بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا، اسے کچھ تو کرنا تھا۔ یہی اسے سب سے بہترین عمل لگا۔ روہا اس کی مدد کر دیا کرتی تھی، یہاں سے کالج کافی دور تھے۔ یونیورسٹی تو شہر میں تھی۔ جو کتابیں سوہا کے پاس تھیں، اس نے وہ بچوں کو دے دی۔ اب اس کو سر کھجانے کو فرصت تک نہیں ملتی تھی۔ آشان، کاشان اور زوہا کو قریبی اسکولوں میں داخل کرا دیا گیا۔ تقدیر کی ستم ظریفی سمجھ کر سوہا نے جیسے صبر کر لیا تھا۔ اس کو نہ تو اپنا موبائل ملا، اور نہ وہ کارڈ جس سے ابرار سے رابطہ ہو سکتا تھا۔ بچے بھی سوہا سے پیار کرنے لگ گئے تھے۔ وہ بھاگ بھاگ کر اس کے کام کرتے تھے۔ اس کے لیے روز نئے تحفے تحائف لاتے تھے۔ کبھی کبھار پھول اور چاکلیٹ لے کر آجاتے تھے، سوہا ان کو کبھی کبھار کوئی کہانی بھی سنایا کرتی تھی۔ وہ بڑے ادب سے کہانی سنتے تھے۔ آج بھی بہت سارے بچے سوہا کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ جھولے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اور آرام سے جھول رہی تھی۔ اور ساتھ ساتھ بچوں کو کہانی بھی سنا رہی تھی۔

''ایک پری تھی، جو بہت پیاری تھی۔ وہ دور پرستان میں رہتی تھی۔ جب بھی پورے چاند کی رات ہوتی، وہ پرستان سے اُڑ کر یہاں آجاتی اور پھر وہ چاند کو دیکھا کرتی۔ اسے چاند میں شہزادے کا عکس نظر آتا تھا''۔۔۔۔!! وہ ساتھ ساتھ کہانی سناتی، بچے تجسس سے سنتے رہتے اور جب کہانی ختم ہو جاتی۔ تو سارے بچے سوہا کے اردگرد جمع ہو کر کہتے۔ سب بچے اسے مون کہتے تھے۔

''مون.....!! وہ پری آپ جتنی حسین نہیں ہوتی ہوگی''۔ سوہا ان کی بات سن کر ہنسنے لگتی۔

''نہیں۔۔۔۔!! پریاں واقعی حسین ہوتی ہیں۔ وہ تو اُڑتی بھی ہیں''۔ سوہا نے ایک چھوٹے سے بچے کا ناک پکڑ کر کہا۔ سب بچے حیرانی سے سوہا کو دیکھنے لگے۔

''مون.....!! اگر ہم آپ کو پر لگوا دیں، تو کیا آپ بھی اُڑنے لگو گی''۔ ایک بہت پیاری سی بچی نے کہا۔

''نہیں.....!! پر تو صرف پریوں کے پاس ہوتے ہیں۔ ہم اگر پر لگوا بھی دیں، تو بھی ہم نہیں اُڑ سکتے''۔

''کیوں نہیں اُڑ سکتے، پرندوں کے پاس بھی پر ہوتے ہیں، تو وہ بھی تو اُڑتے ہیں''۔ زرلش نے منہ بسور کر کہا۔

''ارے.....!! پر کہاں ملتے ہیں؟ میرا خود دل کرتا ہے کہ میں پر لگوا کر اُڑ کر یہاں سے دور کہیں چلی جاؤں''۔ سوہا نے زرلش کو گلے لگا کر کہا۔

''مون.....!! ہم کبھی نہیں چاہیں گے، کہ آپ ہمیں چھوڑ کر چلی جائیں''۔ روحان نے خفگی سے کہا۔

''کیوں''؟ سوہا نے زرلش کو بٹھایا۔ اور روحان سے پوچھا۔

''اس لیے کہ آپ اگر اپنے شہزادے کے پاس چلی گئیں، تو ہمیں باقی پریوں، اور شہزادیوں کی کہانیاں کون سنائے گا''۔ احد نے کیوں کا جواب دیا۔

''تم لوگ دعا کرو کہ میں اپنے شہزادے سے مل لوں۔ سنا ہے کہ بچوں کی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔ اور جب میں یہاں سے چلی جاؤں گی، تو اپنے شہزادے کے ساتھ تم لوگوں سے ملنے آیا کروں گی''۔ سوہا نے آخر میں ہنس کر بتایا۔ اس کے گال کا ڈمپل بہت پیارا لگ رہا تھا۔

''مون سچی میں''.....!! سب بچے ایک ساتھ بول پڑیں۔

''ہاں سچ میں آئی پرامس''.....!! سوہا مسکرائی۔

''ہم ضرور دعا کریں گے۔ پھر آپ کا شہزادہ بھی ہمیں کوئی کہانی سنائے گا ناں''۔

''ہاں بالکل.....!! اگر اس نے نہ سنایا، تو میں اسے پھر سے چھوڑ دوں گی''۔ سوہا نے نمر کو قریب کر کے کہا۔

''اچھا.....!! مون ہم اب چلتے ہیں۔ مگر کل

سبق کے بعد آپ ہمیں وہ کہانی دوبارہ سنائیں گی۔ جس میں ایک خوبصورت لڑکی ہوتی ہے۔ جو ایک بہت خوبصورت لڑکے سے پیار کرتی ہے، مگر پھر ان دونوں کے درمیان ایک شیطان آجاتا ہے۔ اور دونوں جدا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ لڑکی آگ کے دائرے میں قید ہو جاتی ہے''۔ احمر نے آنکھیں کھول بند کر کے پٹک پٹک کر کہا۔

''ہاں.....!! مون.....!!! احمر بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ وہ ہماری من پسند کہانی ہے''۔ کچھ بچے ایک ساتھ کورس میں بول پڑے۔

''بچو.....!! جب تم لوگوں نے وہ کہانی سن رکھی ہے۔ تو دوبارہ سن کر کیا کرو گے''؟ سوہا نے سب کو گھورا۔

''مون.....!! بس وہ ہماری فیورٹ کہانی ہے۔ ہمیں وہ سن کر اچھی لگتی ہے''۔ آنیہ نے کھڑے ہو کر کہا۔

''اچھا.....!! بیٹا میں کل سنا دوں گی''۔ سوہا نے آنیہ سے کہا۔

''یا ہو.....!! مون زندہ باد۔۔۔!!'' سب بچے اُٹھ کر جوش سے بولے۔'' اب وہ سارے لائن میں گھر سے نکل رہے تھے۔ سوہا نے جھولے پر جھولنا بند کر دیا۔ وہ بچوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ جھولے سے اُٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئی۔ وہ بچوں کی باتوں پر ہنس رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

سوہا آنگن میں کھڑی تھی، وہ دروازے کو دیکھ رہی تھی، اس کو گھر کے چوکھٹ میں زین کا چہرہ نظر آیا، وہ سوالیہ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اندر کمرے میں چلی گئی، اس نے وہ کارڈ دوبارہ سے ڈھونڈنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے وہ کارڈ ڈھونڈنا تھا۔ جس پر زین کے باپ کا نمبر لکھا تھا۔ وہی اس کا آخری امید تھا۔ دوبارہ سے اس نے اپنے کورس کی کتابیں نکالیں، اور اس کے صفحات الٹ پلٹنے لگی۔ مگر وہ کارڈ جیسے کہیں گم ہو گیا۔ اچانک اس کی نظر زوہا کے اسکول کے پرانے بیگ پر پڑی۔ سوہا نے لپک کر اسے اتارا۔ اب وہ بیگ سے ساری چیزیں نکال رہی تھی۔ ایک کالی جلد والی ڈائری تھی۔ جسے سوہا نے نکال دیا اس نے جیسے ہی وہ کھولی۔ پہلے صفحے پر وہی کارڈ پڑا ہوا تھا۔ سوہا نے خوشی سے وہ اٹھایا۔ وہ جیسے خود کو ہواؤں میں اُڑتا محسوس کرنے لگی تھی۔ اسے لگا کہ جیسے اسے مفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔

''ابرار احمد کارپوریٹ سیشن''.....!!! سوہا نے کارڈ کے اوپر دیکھا۔ اسے پتہ تھا زین کے ڈیڈ کا نام ہے۔ اور یہ اس کا کارڈ ہے۔ شاہ زر گھر سے باہر تھا۔ ورنہ سوہا اس سے موبائل مانگ کر ابرار کو ابھی کال کر دیتی، اور اس سے زین کا نمبر مانگ لیتی۔

''یا ہو''.....!! سوہا نے ہوا میں ہاتھ لہرایا۔ وہ اٹھی اس نے کارڈ اسی ڈائری میں رکھا، اور ڈائری بیگ میں رکھ دی۔ وہ خوش تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس کا مسئلہ حل ہو چکا ہے۔ اب وہ زین سے دوبارہ مل لے گی۔ اس کی زندگی دوبارہ اسی روٹین پر آجائے گی۔

اچانک گھر کے اندر ایک بچہ آگیا۔ اور سیدھا سوہا کے سامنے رک گیا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر سوہا کی طرف سرخ گلاب کے پھول بڑھا دیے۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا کاغذ بھی تھا۔ جو گلاب کے پھولوں کے اندر تہہ کر کے رکھا ہوا تھا۔ اس بچے کو سوہا جانتی تھی۔ اس نے وہ پھول لے لیے۔ بچہ بھاگ کر گھر سے نکلتا چلا گیا۔

''ارے مُنا.....!! رک، سن تو۔۔۔'' سوہا نے منے کو روکنا چاہا۔ مگر وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا۔ فوراً چلا گیا۔ سوہا نے غور سے پھولوں کو دیکھا۔ وہ تر و تازہ تھے۔ اس نے وہ ناک کے قریب لا کر سونگھ لیے۔ اس کو پھولوں کی خوشبو بہت اچھی لگتی تھی۔ اچانک اس کی نظریں پھولوں کے اندر رکھے کاغذ پر اٹک گئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کاغذ نکال لیا۔ وہ تہہ در تہہ تھا۔ سوہا نے کانپتے ہاتھوں سے کاغذ کھول لیا۔

''جان سے پیاری''.....!! پہلی سطر پر نظر پڑتے ہی سارے پھول اس کے ہاتھوں سے گر گئے۔ اس کو شدید غصہ آرہا تھا۔ وہ love letter تھا۔ جو ساجل نے لکھا تھا۔ سوہا نے سارے پھول اٹھا کر باہر پھینک دیے۔ اور خط کو پڑھے بغیر پرزہ پرزہ کر کے دیوار کے پار پھینک دیا۔ وہ غصے سے گھر میں ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگی۔

''میں اس ساجل کو چھوڑوں گی نہیں، اس کی ہمت کیسے ہوئی اس طرح گھٹیا حرکت کرنے کی۔'' وہ دل ہی دل میں بری طرح سے تاؤ کھانے لگی۔

بچہ ساجل سے باہر مل رہا تھا۔ اس نے ساجل سے چاکلیٹ لے لیے۔ اور اسے بتایا: ''مون.....!! آپ کو تھینک یو کہہ رہی تھی۔'' ساجل خوشی سے جیسے سرشار ہو گیا۔ اس نے بچے کو اٹھا کر چوم لیا۔ اور ہوا میں اڑا کر پکڑ لیا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا، اب وہ بچے کو ہاتھوں سے پکڑ کر دائرے میں گھما رہا تھا۔ اب وہ گھر جا رہا تھا۔ اگر وہ مڑ کر دیکھ لیتا، تو اس کو سوہا کا جواب مل جاتا، اس کے بھیجے گئے پھول گھر کی دیوار سے باہر پڑے ہوئے تھے۔ اور اب اس کا خط بھی ٹکڑوں کی صورت میں گھر سے باہر پھینک دیا گیا تھا۔ اندر کمرے میں سوہا جیسے انگاروں پر مچل رہی تھی۔ اس کو رہ رہ کر ساجل کی اس حرکت پر غصہ آرہا تھا۔

''میں اس گاؤں میں نہیں رہ سکتی۔ اوپر سے ساجل مجھ سے شادی کر کے مجھے ہمیشہ کے لیے یہاں بسانا چاہتا ہے۔ پتہ نہیں اس ساجل نے میری کون سی ایسی حرکت سے محسوس کیا کہ میں اس سے پیار کرتی ہوں''۔ اچانک وہاں روہا آگئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ سوہا کے کندھے پر رکھے ہوئے تھے۔

''یار.....!! کتنا پیارا موسم ہے۔ کیوں نہ ہم ساجل کو بلا کر گاؤں کی سیر کے لیے باہر چلے جائیں''۔ روہا نے اس کو کہا۔

''خبردار.....!! جو تم نے ایسا کچھ بھی کیا۔ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا''۔ سوہا نے اس کے ہاتھ اپنے کندھے سے جھٹک کر ہٹائے۔ اور دھپ دھپ کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ روہا حیرانی سے اس کو دیکھتی رہی۔

''پتہ نہیں اس کو کیا ہوا ہے۔ آج تک تو یہ کبھی اتنے غصے میں نظر نہیں آئی۔ یقیناً بچوں نے اسے غصہ دلایا ہوگا''۔ روہا نے کندھے اچکا کر جیسے بات ہی ختم کر دی۔

☆.....☆.....☆

محبت کی کہانی میں میرے سارے خواب جل گئے
کوئی تعبیر ملی نہیں میرے سارے گلاب جل گئے

زین نے یونی میں شاندار گریڈ لیا تھا۔ وہ اے پلس ون تھا۔ اس کی جی پی اے بہت زبردست آئی تھی۔ مگر اس کے باوجود بھی وہ زرا سا بھی خوش نہیں تھا۔ کیونکہ اس کی زندگی بالکل پھیکی سی پڑ گئی تھی۔ ابرار نے بھی یہ بات محسوس کی کہ زین کی تبدیلی کے پیچھے سوہا ہی ہے۔ اس نے زین کی ڈگری لینے کی خوشی میں بہت بڑی پارٹی ارینج کی۔ مگر زین اس کو دل سے سیلیبریٹ تک نہ کر سکا۔ وہ بے دلی سے سب سے ملتا رہا۔ اس دن گھر میں جیسے جشن کا سماں تھا۔ اس میں اعوان فیملی بھی انوائیٹ تھی۔ ماہ نور جبین نے مسز ابرار کے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا تھا۔ فوٹو سیشن سے لے کر ہر چیز میں ماہ نور ان کے آگے پیچھے پھرتی رہی تھی۔ پورے گھر کو برقی قمقموں سے سجایا سنوارا گیا تھا۔ زین کو جگہ جگہ سوہا کا چہرہ نظر آرہا تھا۔ مگر وہ جب بھی سوہا کے جانب قدم اٹھاتا وہ گم ہو جاتی۔ اس کا روشن چہرہ تاریک پڑ جاتا۔ بڑے، بڑے خاندانوں کے لوگ آرہے تھے۔ اسٹیج بہت پیارا ڈیزائن کیا گیا تھا۔ زین نے شائننگ تھری پیس زیب تن کر رکھا تھا۔ ماہ نور جبین اس کے قریب کسی موی مجسمے کی طرح کھڑی تھی۔ وہ دونوں اچھے لگ رہے تھے۔ مگر زین نے اس کی طرف ایک بار بھی غور سے دیکھا تک نہیں تھا۔ زین بہت خوبصورت لگ رہا تھا، جیسے وہ کسی سلطنت کا شہزادہ ہو۔ مگر وہ اندر سے بے حد بے چین تھا۔ وہ جلد از جلد اس تقریب کا خاتمہ چاہتا تھا۔ اس کو

سارے لوگ عجیب سے نظر آرہے تھے۔ زین کی ایک ہی خواہش تھی کہ کہیں سے سوہا ایک دم سے آجائے، اور اس کے برابر میں کھڑی ہوجائے۔ وہ جس منظر کا منتظر تھا، وہ کسی بھی صورت میں ممکن نہیں ہوسکتا تھا۔ سوہا اس سے میلوں دور دراز کے گاؤں میں مقیم ہوگئی تھی۔ زین کسی ایسے ہی موقع کے انتظار میں تھا۔ وہ ایسے ہی کسی موقع پر سوہا کو اپنے والدین سے ملوانا چاہتا تھا۔ مگر سوہا تو جیسے کہیں گم ہوگئی تھی۔ زین نے اسے اپنی دعاؤں میں بہت مانگا تھا۔ مگر وہ اس کی کوئی بھی دعا قبول نہیں ہوسکی تھی۔ وہ اندر سے جیسے رفتہ رفتہ ٹوٹ رہا تھا۔ ساری رنگینیوں سمیت یہ پارٹی بھی تمام تر رعنائیوں کے اختتام پزیر ہوگئی۔ پارٹی کے بعد جب زرتاشہ سارے گفٹ سمیٹ رہی تھی تو زین پاس ہی کھڑا تھا۔ اس نے زین سے پوچھ لیا۔

''زین.....!! تمہیں ماہ نور کیسی لگی؟''

''اچھی ہے۔ مگر میری اور اس کی کیمسٹری میچ نہیں کرتی، وہ میری مزاج کی نہیں ہے۔'' زین نے پر سوچ ہوکر بتایا۔ زرتاشہ نے سارے تحفے تحائف گھریلو ملازموں کو دے کر اندر کمرے میں لے جانے کو کہہ دیا۔

''کیوں تمہاری کیمسٹری کا کون سا فارمولا اس پر غلط ثابت ہورہا ہے۔ زین شروع میں ایسا ہی لگتا ہے۔ پھر سب کچھ ٹھیک ہوجاتا ہے۔'' زرتاشہ نے حیرت سے زین کو دیکھا۔

''مام.....!! ہمارا کوئی بھی فارمولا سیم نہیں ہے، اگر غلط فارمولوں کو ایک دوسرے سے ایڈ کرو گے، تو ایکول بہت تباہ کن نکلے گا۔ صرف ری ایکشن ہوگا۔'' زین نے صاف الفاظ میں مام کو منع کرنا چاہا۔

''بٹ زین.....!! مجھے ایسا کچھ نہیں لگ رہا ہے، ماہ نور ہمارے خاندان کے ساتھ میچ کرسکتی ہے، وہ ہمارے گھر کے لیے پرفیکٹ ہے، تم اسے میری نظر سے تو ایک بار دیکھو۔ وہ اس سرکل میں چل سکتی ہے، یہ سب وقتی باتیں ہوتی ہیں۔ شادی کے بعد تم دونوں کی کیمسٹری میچ ہوجائے گی۔ کوئی ری ایکشن نہیں ہوگا۔''

''بٹ مام.....!! وہ مجھے پسند ہی نہیں ہے، سو میں کیسے ایک ناپسندیدہ ہستی کو اپنی زندگی میں خود پر لاگو کرسکتا ہوں۔ مام یہ میری زندگی ہے، میں خود اپنی مرضی سے اپنی پسند سے کسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' زین نے مام سے صاف کہہ دیا۔

''زین میری جان.....!! تم ایک بار ماہ نور کو دیکھ لو، اس کو کچھ وقت دو۔ میں جانتی ہوں، تم ایسا صرف اس سے بچنے کے لیے کہہ رہے ہو۔ شادی کے بعد وہ تمہاری اولین پسند ہوگی۔ تم اس کو اپنی ذمہ داری سمجھو گے، تم میری اور ابرار کی مثال دیکھ لو۔ ہم ساری زندگی کتنا خوشحال رہے ہیں۔ تم بالکل ایسی ہی زندگی گزارو گے۔'' زرتاشہ فخریہ بولی۔

''نو مام .....!! ضروری نہیں کہ ہر بار مثالیں، اور دلیلیں کامیاب بھی ہوجائیں، وہ لڑکی کم اور ایک پلاسٹک کی گڑیا زیادہ لگتی ہے، مام کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں اپنی ساری زندگی ایک پلاسٹک کی گڑیا کے ساتھ گزاروں۔ مام زندگی میں نے گزارنی ہے، تو مجھے فیصلہ کرنے کا اختیار ہے، میں اپنی پسند اور اپنی مرضی سے شادی کروں گا۔ زبردستی کے جوڑے گئے بندھن نازک ڈور سے بھی کمزور ہوتے ہیں۔'' زین نے مام کو صاف جتا دیا تھا کہ ماہ نور وہ لڑکی کبھی نہیں ہوسکتی ہے۔ جو وہ سوچ رہی ہے۔

''زین میری جان.....!!! میں تمہاری بات سمجھ سکتی ہوں، مگر ابرار اور مجھے ماہ نور، دل سے پسند ہے۔ تم ایک بار اس کو ہماری نظر سے دیکھ لو۔ اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اور تم سوچ کر پھر بتادو۔'' زرتاشہ نے اسے صاف بتایا۔

''نو نیور مام.....!! وہ لڑکی دکھتی ہی نہیں ہے، وہ جیسے پلاسٹک کے بنے چہرے کی مالک ہے، اس کے چہرے پر کوئی تاثر ہوتا ہی نہیں ہے۔ جیسے اس نے پلاسٹک سرجری کروائی ہو۔ اس کے علاوہ بہت چھوٹی طبیعت کی مالک ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کل ہم دونوں

ہیں سے ایک کی زندگی تباہ ہو۔ وہ فیشن کوئن ہے۔ مجھے فیشن بالکل بھی عورتوں کے ساتھ اچھا نہیں لگتا۔‘‘ زین نے مام کو صاف الفاظ میں صاف صاف بتادیا۔

’’زین......!! بس وہ ہمیں پسند ہے، تمہارے ڈیڈ کی شدید خواہش ہے......!!‘‘

’’مام ......!! زندگی میں نے بتانی ہے، مجھے فورس نہ کریں، آپ ڈیڈ کو سمجھا دیجیے گا۔ میں ان کی خواہش پر اپنی پسند سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔ میں قطعاً ماہ نور کے لیے ایگری نہیں ہوں۔‘‘ زین نے مام سے کہا۔ زرتاشہ کی آنکھوں میں دکھ تھا۔ مگر اس نے اپنی آنکھوں میں آئے آنسو چھپالیے۔ وہ ماں تھی، اپنا مان نہیں توڑنا چاہتی تھی۔

’’اوکے، جیسے تمہاری مرضی، میرا کام تمہیں سمجھانا تھا، سمجھالیا۔ اب تم نے جیسے مجھے سمجھالیا، بالکل اسی طرح اپنے ڈیڈ کو بھی سمجھا دینا گا۔‘‘ زرتاشہ مزید رکی نہیں، وہاں سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ زین کی صاف گوئی نے زرتاشہ کی آنکھوں میں مرچی سی بھردی تھی۔ اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ زین کی ریجیکشن اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ ماہ نور وہ لڑکی تھی، جو دولت نام رتبہ نسب سب رکھتی تھی۔

’’ہاں ڈیڈ کو بھی سمجھا دوں گا۔ میں کوئی دودھ پیتا بچہ تو ہوں نہیں، جو آپ کہیں اور وہ کرتا چلا جاؤں گا۔‘‘ میں اپنے فیصلے خود کرسکتا ہوں۔ اب میں بڑا ہوچکا ہوں۔‘‘ زین خود سے کہنے لگا۔ وہ بے چینی سے یہاں سے وہاں پھر رہا تھا۔ اس کو مام کی باتیں سمجھ ہی نہیں آرہی تھیں۔

☆......☆......☆

زرتاشہ کمرے میں پہنچ کر پلنگ پر بے سدھ سی بیٹھ گئی۔ ابرار واش روم سے نکلے، انہوں نے نائیٹی پہن رکھی تھی۔ انہوں نے زرتاشہ کو دیکھا۔ اس کا تاریک چہرہ ان کی سمجھ سے باہر تھا۔ وہ بھی اس کے قریب پلنگ پر بیٹھ گئے۔

’’برخوردار نے کیا جواب دیا؟‘‘ ابرار نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

’’آپ نے میرے چہرے سے اندازہ نہیں لگایا۔‘‘ زرتاشہ نے بنا دیکھے اس سے کہا۔

’’اگر چہروں سے اندازے لگائے جاسکتے، تو میں بنا پوچھے زین سے یہ رشتہ اب تک طے کرچکا ہوتا۔ میں اس کی زبانی سننا چاہتا تھا۔‘‘ ابرار نے اس کا چہرہ اپنی طرف گھمایا۔ زرتاشہ کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

’’صاف انکار......!! اسے ماہ نور ذرا بھی پسند نہیں ہے۔ وہ اسے پلاسٹک کی بنی لگتی ہے۔ اس کے خیالات اس کے بارے میں اچھے نہیں ہیں۔‘‘ زرتاشہ نے آنسو پونچھ لیے۔

’’تو تم اس کی پسند پوچھ لیتی ناں......!!‘‘ ابرار نے تحمل سے کہا۔ اُسے زین پر شدید غصہ آرہا تھا۔

’’کیا پوچھتی میں، جو ہمارا حق تھا، وہ تو دیا ہی نہیں۔ وہ سرپھرا کہہ رہا تھا، خود اپنی مرضی سے، اپنی پسند سے زندگی کا اہم ترین فیصلہ کرنا چاہے گا۔‘‘ زرتاشہ دل کی بھڑاس نکالنے لگی۔

’’اوہ......!! تو صاحب زادے کے دماغ مین ابھی بھی عشق کا خناس موجود ہے۔ اس کے دل سے وہ منحوس لڑکی نکلی نہیں ہے۔‘‘ ابرار دل ہی دل میں گویا ہوئے۔ وہ ایسے بیٹھے تھے۔ جیسے کچھ سوچ رہے تھے۔

’’زر......!! تم آرام کرو، دل پر مت لو۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ خیر میں بے حد تھک چکا ہوں۔ اب آرام کروں گا۔‘‘ ابرار نے زرتاشہ سے کہا۔ وہ اٹھے اور پلنگ پر لیٹ گئے، زرتاشہ چینج کرنے کے لیے واش روم میں گھس گئی۔ وہ کچھ دیر بعد نکلی تو نائیٹی میں ملبوس تھی۔ اس نے ابرار کو دیکھا۔ وہ لیٹنے کی کوشش کررہا تھا۔ مگر وہ اداس سا لگ رہا تھا۔ زرتاشہ بھی سارے خیالات جھٹک کر آرام سے لیٹ گئی۔

☆......☆......☆

ابرار نے ہر طرف سے کامیاب چالیں چلی تھیں۔ اس کے دونوں کرائے کے بندوں نے سوہا اور

اس کے گھر والوں کا پتہ صاف کر دیا تھا، پچھلے کئی مہینوں سے نہ صرف اس کا گھر بند تھا۔ بلکہ ان لوگوں کا کچھ اتہ پتہ نہیں تھا۔ ابرار نے نوری اور سانول کو اس کام کا بہت بڑا معاوضہ دیا تھا۔ ابرار کو اب اطمینان ہو چکا تھا کہ سوہا نام کا بھوت زین کی زندگی سے نکل چکا ہے۔ وہ دوبارہ کبھی بھی زین کی زندگی میں شامل نہیں ہو سکتا ہے۔ زین نے اپنی تعلیم مکمل کر دی تھی۔ ابرار کو لگتا تھا کہ زین سوہا کو بھول چکا ہوگا۔ مگر ماہ نور جبین کے لیے انکار کر کے، زین نے جیسے ابرار کے زخموں پر نمک چھڑکا تھا۔ زین تعلیم مکمل ہونے پر بہت خوش تھا۔ ابرار چاہتے تھے کہ زین اب بزنس میں دل لگائے، مگر زین پر تو جیسے کوئی دوسرا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ وہ بزنس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ تو ایکٹنگ کرنا چاہتا تھا۔ وہ ڈرامہ ایکٹر بننا چاہتا تھا۔ ابرار کبھی نہیں چاہتے تھے کہ زین بزنس کے علاوہ کسی دوسرے فضولیات میں اپنا وقت ضائع کرے۔ زین نے ابرار کی بھرپور مخالفت کی، اور الحمراء میں ایڈمشن لے لیا۔ وہ اب گھر بھی بہت کم آتا تھا۔ اس نے الحمراء میں ایکٹنگ سیکھنی اسٹارٹ کر دی۔ ابرار اس سے ناراض ہو گئے۔ مگر زین نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ ابرار نے زین سے بات کرنا کم کر دیا۔ مگر زین اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا خواہاں تھا اور یوں وہ کسی ڈائریکٹر کی نظروں میں آ گیا۔ اس کو پہلا پراجیکٹ مل گیا۔ وہ بہت اچھا گیا۔ پھر اسے کام ملتا چلا گیا۔ زین کو ایکٹنگ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مگر ایک دن سوہا نے اس سے کہا تھا۔ ''زین تم ایکٹر بن جانا، میں سنگر بن جاؤں گی۔ ہماری دوستی بہت مضبوط ہو جائے گی۔'' اب سوہا تو نہیں تھی، زین تو تھا، زین نے سوہا کی بات ماننے کا فیصلہ کر لیا۔ زین نے سوہا کو ڈھونڈنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے سوہا کو ڈھونڈنے کے لیے ایکٹنگ کا سہارا لینا چاہا۔ زین کا ذاتی خیال تھا کہ سوہا اسے کبھی نہ کبھی ٹی، وی، اسکرین پر ضرور دیکھے گی اور ہو سکتا ہے کہ وہ اسے ٹی، وی پر دیکھ کر اس سے دوبارہ رابطہ کر لے۔ اس لیے وہ بہت زیادہ مشہور ہونا چاہتا تھا۔

سوہا کو گم ہوئے کئی مہینے بیت چکے تھے۔ سوہا کی یاد زین کے دل میں ابھی بھی اول روز کی طرح تروتازہ تھی۔ وہ اسے کبھی نہیں بھلا سکتا تھا۔ سوہا کی یاد کا دیا ابھی تک زین کے دل میں روشن تھا۔ وہ اسے کبھی بجھا نہیں سکتا تھا۔ اس لیے تو اس نے ایکٹنگ شروع کر دی تھی۔ اس کا کیریئر کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ بہت بڑا اسٹار بن گیا تھا۔ کیونکہ وہ امیر تھا، خوش شکل، وجیہہ تھا۔ اسے بہت جلد ہر طرف سے ویلکم کیا گیا۔ ابرار زین کی کامیابی دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ ان کے سارے اختلافات ختم ہو گئے۔ زین اور ابرار کے معمولات ٹھیک چل رہے تھے۔ زرتاشہ بھی خوش تھی۔ مگر وہ ماہ نور جبین تھی، جو زین کو چاہتی تھی۔ اور اس کے ماں باپ زین کی شادی ماہ نور سے کرنا چاہتے تھے۔ مگر زین ایسا کچھ نہیں چاہتا تھا۔

☆.....☆.....☆

ابرار کو یقین ہو چکا تھا کہ دوبارہ سوہا کا نام زین کی زندگی میں کبھی نہیں آئے گا۔ زین آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے آج بہت مصروف دن گزارا تھا۔ ابرار کو یقین ہو چکا تھا کہ سوہا دوبارہ کبھی زین کا نام زبان سے ادا نہیں کر پائے گی، ابرار سوہا کو مارنا نہیں چاہتا تھا، مگر مردوں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر وہ اس کی عزت بھی خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سانول، اور نوری نے اپنی مرضی کا کام کیا۔ ابرار نے آگے کچھ بھی نہ کہا۔ وہ سمجھا کہ کام کیا ہے تو پکا ہی کیا ہے۔ سانول اور نوری نے گارنٹی دے دی تھی، کہ دوبارہ کبھی یہ معاملہ اس کی زندگی میں نہ آئے گا۔ اس نے ان کو شہر بدر کر دیا تھا۔ ابرار نے بھی یقین کر لیا تھا۔ ابرار اتنے مہینے گزرنے کے بعد سوہا کا نام جیسے بھلا بیٹھا تھا۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا، کہ زین ابھی بھی سوہا سے محبت کر رہا ہے، اور اسے بھلا نہیں پایا ہے۔

ماہ نور جبین ابرار احمد کے لیے سیاست میں کامیابی کی ضمانت تھی، وہ اب ماہ نور جبین کو زین کے قریب لانے کے طریقے سوچ رہا تھا۔ مگر اس کی سمجھ میں

کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو چکا تھا۔ ماہ نور جبین اس کے لیے بلینک چیک تھی۔ وہ ملک کا نامی گرامی سیاست کار کن بن سکتا تھا۔ اچانک اس کے آفس کی فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ اس نے بے اختیار فون کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ یہ نمبر بہت کم لوگوں کے پاس تھا۔

☆.....☆.....☆

گاؤں میں سیٹ ہونے کے بعد شاہ زر کچھ مطمئن ہو گئے تھے۔ آج جیسے ہی وہ فیکٹری سے واپس آئے، سوہا نے ان کا تھیلا لے لیا اور اسے چارپائی پر بٹھا دیا۔ یہ لوگ تو جیسے دنیا سے ہی کٹ کر رہ گئے تھے۔ ان کے گھر ٹی، وی تھا۔ مگر کیبل نہیں لگا تھا اور ٹی، وی پر بمشکل ایک ادھ چینل نظر آتا تھا۔ وہ چینل بھی یہ لوگ کم ہی دیکھا کرتے تھے۔ شاہ زر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ سوہا اس کے لیے پانی لے آئی۔ روہا بھی باورچی خانے سے ٹرے نکال کر لے آئی۔ دونوں اس کے ساتھ چارپائی میں بیٹھ گئی۔ اب وہ کھانا کھا رہے تھے۔ آشان اور کاشان نے کھا لیا تھا۔ زوہا سو چکی تھی۔ دن بھر مصروفیات پر بات چیت ہونے لگی۔ آشان، کاشان گاؤں کے واحد اسکول میں داخل کرا دیے گئے تھے۔ زوہا گرلز اسکول جانے لگی تھی۔ یہاں قریب کوئی کالج نہیں تھا۔ اس لیے روہا گھر پر ہی ہوتی تھی۔ سوہا بھی سارا دن گھر میں ہی ہوتی تھی۔ اس گاؤں میں کوئی یونیورسٹی نہیں تھی۔ شاہ زر نے ان کے سرٹیفکیٹ بھی نہیں نکلوائے تھے۔ اور یہاں سے شہر بہت دور تھا۔ سو ان دونوں نے گھر میں رہنے کو ہی بہتری جانی۔

''ابو جی.....!! آج کا دن کیسے گزرا؟'' سوہا نے کھانے کے بعد باپ سے پوچھا۔

''بس گزر گیا۔ تم لوگوں کا کیسے گزرا؟ کوئی بات تو نہیں ہوئی؟'' روہا بھی ان کے ساتھ قریب بیٹھ گئی۔ وہ شہری ماحول کی پروردہ تھی، تو گاؤں میں اس کا دل خام ہی لگتا تھا۔

''نہیں ہمارا تو جیسے روز ہی گزرتا ہے۔ کچھ نہیں ہوا ہے۔ بس اس گاؤں کے ماحول سے کچھ اکتا گئے ہیں۔'' سوہا نے روہا کو دیکھا۔

''ہاں.....!!! یہ گاؤں ہے، یہاں کا ماحول چینج ہے۔ تم لوگوں کو اب صبر کرنا پڑے گا۔'' باپ نے سوہا سے کہا۔

''ابو.....!! کیا ہم دوبارہ اپنے گھر نہیں جا سکیں گے؟'' روہا کے دل کا سوال لبوں پر آیا۔ یہ سوال پہلے سوہا بھی باپ سے کر چکی تھی۔

''کیوں نہیں ہم اپنے گھر ضرور جائینگے، اس میں کچھ وقت لگے گا۔'' شاہ زر پیار سے روہا کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولے۔

''ابو.....!! میرا دل یہاں بالکل بھی نہیں لگ رہا ہے۔ دل کہہ رہا ہے، اس منحوس گاؤں سے اڑ کر چلی جاؤں۔ یہاں تو بجلی کی سہولت بھی ناکافی ہے۔ سارے دن میں دو گھنٹے بجلی ہوتی ہے۔'' روہا نے باپ کو دیکھا۔ اس کو بھی مسئلے کا ٹھیک سے پتہ نہیں تھا۔ مگر وہ یہاں بالکل بھی خوش نہیں تھی۔ شاہ زر نے بے بسی سے سوہا کو دیکھا وہ نیچے دیکھ رہی تھی۔

''سوہا بیٹا.....!! میں خود نہیں چاہتا کہ تم لوگ یہاں رہو۔ مگر کبھی مجبوری میں وہ سب کرنا پڑتا ہے۔ جو ہم نہیں چاہتے ہیں۔''

''جی ابو.....!!! میں سمجھ سکتی ہوں۔ زندگی کبھی کبھار ایک لمحے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور یہ ایک لمحہ ہمارے زندگی میں آ کر گزر چکا ہے۔'' سوہا نے باپ کی طرف دیکھا۔ اس کو شاہ زر سے اب کوئی بھی شکوہ نہیں تھا۔

''ابو.....!! یہاں تو کوئی قریبی پارک بھی نہیں ہے، جس میں ہم دل بہلانے کے لیے جا سکیں۔ مجھے یہاں زندگی جمود کا شکار لگ رہی ہے۔ یا پھر اس جھیل کی طرح ہے۔ جس کا پانی رکا ہوا ہو، اور اس کے پانی کے اوپر کائی جم چکی ہو، جس میں کوئی پتھر بھی پھینکنا پسند نہیں کرتا۔'' روہا کچھ زیادہ ہی خفا تھی۔ وہ اس گاؤں سے کسی طرح جانا چاہ رہی تھی۔ شاہ زر نے روہا کو دیکھا۔

''روہا.....!! بیٹا میں بہت جلد تم لوگوں کو شہر واپس لے جاؤں گا۔ بس تم دعا کرو کہ یہ کچھ وقت یہاں آسانی سے کٹ جائے۔'' شاہ زر نے بیٹی کو تسلی دی۔

''ہاں.....!! ابو میں اس دن کا شدت سے انتظار کروں گی۔ جس دن ہم یہاں سے واپس جائینگے۔ وہ میری زندگی کا سب سے خوشگوار دن ہوگا۔ پتہ نہیں یہاں کے لوگ یہاں کیسے رہتے ہیں۔ میرا تو جیسے یہاں دم گھٹ رہا ہے۔'' روہا ایک ہی سانس میں کئی باتیں بولتی چلی گئی۔

''بیٹا.....!! یہ بھی پرسکون سی جگہ ہے۔ مگر میں مانتا ہوں، نئی جگہ میں انسان تکلیف محسوس کرتا ہی ہے۔ میں بھی خود بہت تکلیف میں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اداس نہ رہا کرو۔ سوہا بھی یہاں آ کے کچھ زیادہ اُداس ہوگئی ہے۔ اس کا چہرہ کیسا کملا گیا ہے۔ مگر ابھی ہم نے صبر سے یہ وقت گزارنا ہے۔''

''او کے ابو جی.....!! میں ذرا جھولا جھول لیتی ہوں۔ میں شروع میں بہت خوش تھی۔ مگر یہاں کی ناکافی سہولیات دیکھ کر مجھے یہاں سب عجیب لگ رہا ہے۔'' روہا اٹھی اور جھولے پر بیٹھ گئی۔

''ابو .....!! مجھے ذرا موبائل چاہیے، آپ دیدیں۔'' شاہ زر نے جیب سے نکال کر دے دیا۔ سوہا نے موبائل لے لیا، وہ وہاں سے اٹھ کر کمرے میں آ گئی۔ روہا جھولا جھول رہی تھی۔ وہ موبائل ابھی دیکھ ہی رہی تھی کہ روہا اچانک کمرے میں آ گئی۔ اور اس کے ہاتھ سے موبائل چھین لیا۔ سوہا اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''روہا کی بچی.....!!! یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' سوہا نے اس پر آنکھیں باہر نکالیں۔

''او، ڈیئر، سوہا.....!!! ابھی میری شادی نہیں ہوئی تو میری بچی بیچ میں کہاں سے آ گئی۔'' اس نے موبائل کی گیلری ایپ کھول لی۔ اور گیم ایپ میں چلی گئی۔ اب وہ کوئی گیم کھیل رہی تھی۔

''روہا.....!! واپس کر دو موبائل .....!!! مجھے کسی کو بہت ضروری کال کرنی ہے۔'' سوہا نے ہاتھ بڑھا کر روہا سے موبائل لینا چاہا۔ مگر روہا نے ہاتھ پیچھے کر لیے۔ سوہا اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ اسے کچھ دیر دیکھتی رہی پھر اس نے جھپٹ کر اس سے موبائل لے لیا۔

''بدتمیزی یہ ہوتی ہے۔ مجھے موبائل چاہیے، اور کسی کو بہت ضروری کال کرنی ہے۔'' سوہا نے موبائل اس سے لے کر مزے سے اسے دیکھا۔

''یار.....!! میں تمہیں معاف نہیں کروں گی، تم نے میرا سارا گیم خراب کر دیا ہے، میں جیتنے والی تھی۔ اب میں کیسے دوبارہ یہاں تک لاؤں گی۔ اتنا مشکل لیول ہے۔'' روہا کا موڈ سخت آف ہو گیا تھا۔ اسے اپنی گیم کی فکر تھی۔ سوہا کو اس کی کچھ پرواہ نہ تھی۔

''گیم.....!! موبائل میں نہیں رئیل لائف میں جیتا جاتا ہے۔'' سوہا نے اسے گھور کر دیکھا۔

''اچھی بھلی جھولا جھول رہی تھی واپس جا رہی ہوں۔'' روہا پیر پٹخ کر وہاں سے چلی گئی۔ سوہا بھی ہنس دی۔ سوہا نے ابرار کا کارڈ نکالا، اور اس کے آفس کا نمبر ری ڈائل کیا۔ نمبر ڈائل کرنے کے بعد اس نے موبائل کان سے لگا لیا۔ اگلے پل اس نے موبائل غیر یقینی سے آنکھوں کے سامنے کر دیا۔

''اس کال کے لیے آپ کی رقم ناکافی ہے۔ برائے مہربانی اپنا اکاؤنٹ ری چارج کریں۔'' سوہا نے موبائل بیڈ پر پھینک دیا اور کارڈ اپنے پرس میں رکھ کر باہر چلی گئی۔ اس کا موڈ سخت خراب ہو چکا تھا۔

روہا باہر چلی ملی کھا رہی تھی۔ آشان اور کاشان گھر واپس آ چکے تھے۔ اب وہ دونوں کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے۔ زوہا اب جھولا جھول رہی تھی۔ سوہا نے فریج سے سیب نکالا، اور دانتوں سے کترتی ہوئی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

''موبائل دو.....!! اس نے چلی ملی کی آخری چلی ملی منہ میں ڈال دی۔

''یہ چلی ملی کہاں سے آئی؟'' اس نے الٹا سوہا سے سوال کیا۔

''زوہا لائی تھی۔ تم موبائل دو۔'' روہا نے خالی پیکٹ سوہا کو دینا چاہا۔ اس نے نہیں لیا، وہ ایسے ہی گر گیا۔

''اندر پلنگ پر پڑا ہوا ہے۔ جا کر لے لو۔'' سوہا نے سیب میں دانت گاڑ دیے۔

''میرا گیم تم نے خراب کیا تھا، اب تم وہیں تک لے کر جاؤ گی۔'' روہا تے کہا۔

''یار.....!! میرا کوئی موڈ نہیں ہے، گیم ویم کھیلنے کا، خود کھیل لیا کرو۔'' سوہا نے بے زاری سے کہا۔

''اچھا.....!! تم کمرے سے موبائل تو لے کر آؤ۔'' روہا نے ہاتھ بڑھا کر اس سے سیب لینا چاہا۔ مگر سوہا نے ہاتھ پیچھے کر کے سیب اس کی دسترس سے دور کر دیا۔

''آشان .....!! ذرا میرے کمرے سے موبائل لے کر آؤ۔'' سوہا نے آشان سے کہا۔ اسے پتہ تھا، روہا تو کبھی کبھار بہت سست ہو جاتی ہے۔ آشان بھاگ کر گیا، اور موبائل کمرے سے لے آیا۔

''آپی یہ لو موبائل.....!!'' آشان نے کہا۔ روہا نے موبائل لے کر سوہا کو دے دیا۔

''اب تم گیم کھیلنا اسٹارٹ کرو۔'' روہا نے سوہا سے کہا۔

''آپی .....!! میں کھیل لیتا ہوں۔'' آشان نے خوشی سے بتایا۔

''آشان.....!! تم جاؤ.....!! کاشان کے ساتھ کھیلو۔'' روہا نے رعب جھاڑا۔

''آپی میں گیم کھیل سکتا ہوں، میں کھیل لیتا ہوں۔'' آشان نے سوہا کی طرف دیکھا۔

''آشان.....!! تمہاری باؤلنگ کی باری ہے۔ مجھے بال کراؤناں.....!!'' کاشان نے چیخ کر اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہا۔

''سوہا.....!! پلیز پلے ٹو دا گیم.....!! روہا نے معصوم سے لہجے میں کہا۔

''یار .....!! آئی ڈونٹ لائک گیم.....!! گیم رئیل لائف میں مزہ کرتا ہے۔ موبائل کا گیم سر درد کا باعث ہوتا ہے۔'' سوہا نے موبائل پھر سے روہا کی طرف بڑھا دیا۔

☆.....☆.....☆

اگلے دن سوہا نے باپ سے موبائل لے لیا، اور ابرار احمد کا آفس نمبر ملا دیا، بیل جاتی رہی، سوہا بھی ویٹ کرتی رہی، کچھ دیر بعد اس کے کان میں گھمبیر سی آواز کی ہیلو سنائی دی۔

''السلام علیکم انکل۔ آپ ابرار احمد انکل بات کر رہے ہیں۔'' سوہا نے پہل کی۔

''وعلیکم السلام۔ جی بات کر رہا ہوں۔ آپ کون بات کر رہی ہیں؟''

''انکل پلیز زین کا نمبر مل سکتا ہے۔ میں ان کی دوست سوہا بات کر رہی ہوں، ان کا نمبر مجھ سے کہیں گم ہو گیا ہے۔ اس نے مجھے آپ کا نمبر دیا تھا۔'' سوہا کے نام پر ہی ابرار کے دونوں کان کھڑے ہو گئے تھے۔

''سوہا بیٹا۔۔۔!!! زین تو ابراڈ چلے گئے ہیں۔ ان کا نمبر تو بند ہے۔ اس لیے آپ کا رابطہ نہیں ہو پا رہا ہے۔ آپ اپنا نمبر مجھے چھوڑ دیں، میں آگے فارورڈ کر دوں گا۔'' ابرار احمد کو سوہا کی بات سن کر سو واٹ کا جھٹکا لگا تھا۔ وہ جیسے انگاروں پر لوٹ پوٹ ہو گئے تھے۔ اب اسے ہوش سے سارا معاملہ سلجھانا تھا۔ اس نے بہت اپنائیت سے سوہا سے کہا۔

''جی انکل۔ اس کا واٹس ایپ نمبر تو ہو گا، میرا ان سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔'' سوہا نے منت سے کہا۔

''بیٹا جو یہاں کا نمبر ہے وہ تو بند ہے، ابھی اس نے اپنا دوسرا واٹس ایپ کا نمبر نہیں بھیجا، آپ اپنا نمبر چھوڑ دیں۔ جیسے ہی ان سے رابطہ ہو گا۔ میں آپ کا نمبر دے دوں گا۔'' ابرار کو سوہا سے بات کرنا بھی بہت برا لگ رہا تھا۔ وہ حیرانگی کا شکار تھا، اسے حیرت ہی ہو رہی تھی اگر سوہا کے پاس مین آفس کا فون نمبر تھا، تو اس کے پاس یہاں کا پتہ بھی ہو سکتا تھا۔ وہ اگر آج فون کر کے زین کے بارے میں پوچھ سکتی تھی۔ تو کل کو اسی ایڈریس پر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے بھی آ سکتی تھی۔

''جی انکل بہت شکریہ۔۔۔!!! آپ زین کو میرا نمبر دیجیے گا، اور ان سے کہہ دیجیے گا کہ سوہا آپ کی

یونی کی دوست نے فون کیا تھا۔'' سوہا نے ابرار احمد کو اپنا نمبر نوٹ کرانے کے بعد کہا۔

''جی بالکل آپ کو قطعاً فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ابرار احمد نے رسمی سا جملہ کہہ کر کال منقطع کر دی۔ وہ اتنے بات سے ہی گھبرا رہا تھا۔ وہ شدید مضطرب ہو گیا تھا۔ اس کو چین نہیں مل رہا تھا۔ وہ بے چینی سے آفس میں یہاں سے وہاں پھر رہا تھا۔ سوہا کی اس فون کال نے اس کے ہوش اڑا دیے تھے۔

☆.....☆.....☆

اس نے سارے میٹنگز کینسل کروا دیے۔ وہ آفس سے باہر نکلا اور اب اس کا رخ اپنے بنگلے کی طرف تھا۔ اس نے فون کر کے سانول، اور نوری کو بھی بلایا تھا۔ وہ دونوں بھی پہنچنے والے تھے۔

اب وہ اپنے ساحل سمندر والے شاندار سے بنگلے میں موجود تھا۔ اس کے ماتھے پر لکیروں کا جال سا پھیلا ہوا تھا۔ نوری، اور سانول اس کے سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

''تم دونوں نے یہ کیسا کام کیا ہے؟ اس لڑکی کا آج میرے مین آفس فون آیا تھا۔''

''سائیں۔۔۔!! ہم نے تو اس کے سارے نمبر ضائع کروا دیے تھے۔ اس کے نمبر تو بند ہیں۔ ہم مسلسل ٹرائی کر رہے ہیں۔'' سانول نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''اس کے پاس میرا نمبر تھا، اگر وہ آج مجھے فون کر سکتی ہے، تو کل کو آفس بھی آ سکتی ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ وہ لڑکی بالکل مردہ ہو جائے۔ زندہ ہو کر بھی مردوں جیسی زندگی گزارے۔ میرا بیٹا کوئی گلی محلے کا آوارہ لڑکا نہیں جس پر کسی بھی لڑکی کا دل آ جائے، اور وہ اس سے شادی کر لے۔'' ابرار احمد چیخ پڑے۔

''سائیں، اس کام کے لیے بڑے سرکار سائیں سے ملنا پڑے گا۔ وہی اس لڑکی کے زندہ وجود کو مردہ کر سکتا ہے۔ وہ لڑکی ساری زندگی چارپائی پر مرگی کی حالت میں پڑی رہے گی۔'' نوری نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''جو بھی کرنا ہے، جلدی کرنا ہوگا۔ میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ میرا بیٹا میرے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ میں اس کی زندگی ایک معمولی سی لڑکی کے لیے تباہ نہیں کر سکتا۔'' ابرار کے نتھنے پھول گئے تھے۔

''سائیں .....!!! آپ بے فکر ہو جائیں، اس بار آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔ ہم نے تو اس چھوکری کے باپ کو سمجھا دیا تھا۔ مگر اسے شاید عزت راس نہیں آئی۔'' سانول نے تکبرانہ لہجہ اپنایا۔

''پچھلی بار بھی تم دونوں نے بالکل ایسا ہی کہا تھا، مگر کام بالکل بھی ڈھنگ سے نہ کر سکے۔ اگر اس بار بھی کوئی غلطی ہوئی تو انجام بہت برا ہوگا۔'' ابرار احمد چیخ رہے تھے۔

''سائیں.....!! ہم نے کام پوری ایمانداری سے کیا تھا، شاید اس چھوکری کو زین بابا نے آپ کا نمبر دیا ہو اور اس نے وہ نمبر آج ہی نکال کر آپ کو کال کی ہو۔ اتنا عرصہ تو اس نے گزار لیا۔ ابھی اسے اس نمبر کا خیال آیا ہو۔'' نوری نے نگاہیں زمین پر رکھ کر با ادب کہا۔

☆.....☆.....☆

سانول اور نوری دونوں کے قریبی تعلقات بڑے سرکار سے تھے۔ بڑے سرکار سندھ کا اچھا خاصہ اثر ورسوخ شخصیت کے مالک تھے۔ اس کے پاس کوئی عام بندہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ نوجوانی میں بہت بڑے وکیل رہ چکے تھے۔ اس نے وکالت کے ساتھ، ساتھ انسانی دماغ کو قابو کرنے کا علم بھی سیکھ رکھا تھا، اس نے اپنے کیریئر میں آج تک کوئی بھی کیس نہیں ہارا تھا۔ کیونکہ وہ دوسروں کے دماغ کو قابو کر لیتے تھے۔ اس کے دماغ میں اپنا اثر چھوڑ دیتے تھے۔ وہ ٹیلی پیتھی کے بہت بڑے ماہر تھے۔ سینکڑوں لوگوں کو پاگل بنایا تھا۔ بڑے سرکار اچھے خاصے قد کاٹھ کے مالک تھے۔ اجرک والی چادر کندھے پر ڈال رکھی تھی۔ اس کا جسم اچھا خاصا موٹا تازہ تھا۔ وہ دونوں کی آنکھوں میں دیر تک دیکھتے رہے۔ پھر اس نے انگلی اٹھا کر سانول کے ماتھے کے سامنے ہلانی شروع کر دی۔ سانول بھی انگلی کو دیکھ کر اپنا

دلچسپ کہانیوں کا رسالہ

ماہنامہ

بچوں کا میگزین

کراچی

اگست کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

جس میں جن، بھوت، چڑیل، بادشاہوں،
شہزادیوں کے علاوہ دلچسپ معلومات عامہ،
پہیلیاں، لطیفے، اقوال زریں اور مزیدار کہانیاں شامل ہیں۔
لہٰذا قلم اٹھائیں اور اپنی اچھی اچھی تحریریں فوراً ارسال کر دیں
تاکہ آپ بھی انعامات کے حق دار بن جائیں۔

ماہنامہ
بچوں کا میگزین

میں لکھنے کے لیے کوئی شرط نہیں بلکہ تحریر کا معیاری ہونا ضروری ہے۔

پیارے بچو! بچوں کے میگزین میں رنگین تصاویر بھی شائع کی جائیں گی تو آپ اپنی اچھی اور رنگین تصویر فوراً ارسال کر دیں۔

پیارے بچو، قلم اٹھائیں اور جلد از جلد اپنی تحریریں ارسال کر دیں۔

خط و کتابت کا پتہ:

گوالی لائن نمبر 3، نورانی آرکیڈ
نیو اردو بازار کراچی
Mob:0324-7232580

ماہنامہ
بچوں کا میگزین

سر اسی ڈائریکشن میں ہلاتا رہا تھا۔ پھر بڑے سرکار نے انگلی بالکل سیدھی کی۔ سانول کا سر ہلنا بھی رک گیا۔ بڑے سرکار نے جیسے ہی دوبارہ انگلی ہلانی شروع کردی۔ اس بار سانول کا سر بالکل بھی نہیں ہل رہا تھا۔ بلکہ اس کی آنکھوں کی پتلیاں انگلی کے ساتھ حرکت کر رہی تھی۔ بڑے سرکار نے اس کا دماغ قابو کرلیا تھا۔ بڑے سرکار ان کے دماغ سے کھیل رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد اس نے ان کے دماغ سے کھیلنا بند کردیا۔ وہ ان کے سامنے بڑے سے تخت پر براجمان تھے۔ جیسے وہ کوئی دیوان ہو۔

''اب بولو کیا کروانا چاہ رہے ہو؟'' بڑے سرکار گھمبیر سے لہجے میں پوچھنے لگے۔

''بڑے سرکار.....!! آپ کو تو سب کچھ معلوم ہے کہ ہم کس مقصد کے تحت یہاں آئے ہیں۔'' سانول نے نہایت ادب سے سر جھکا کر کہا۔

''میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔'' بڑے سرکار نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر کہا۔

سانول نے ادب سے سب کچھ بڑے سرکار کو بتانا شروع کردیا۔ جسے غور سے بڑے سرکار سنتے رہے۔

''ٹھیک ہے کام چند امشکل نہیں ہے.....!!! ہو جائے گا۔ مگر.....!!!'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''بڑے سرکار مگر کیا؟'' سانول نے بے چینی سے پوچھا۔

''وہ لڑکی یہاں سے بہت دور ہے۔ میں اس کی روح کو اتنی دور سے قابو نہیں کرسکوں گا۔'' بڑے سرکار نے دونوں کی طرف دیکھا۔

''بڑے سرکار.....!!! اس کے لیے ہمیں کیا کرنا ہوگا؟'' نوری نے پریشان سے لہجے میں پوچھا۔

''اس لڑکی کو واپس یہاں لانا ہوگا۔ کیونکہ میں تو اس گاؤں میں نہیں جاسکتا۔'' بڑے سرکار مسکرائے۔ اس کی مسکان، چہرے پر بڑی مکروہ سی لگ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے بڑے سرکار.....!! یہ ہمارا کام ہے۔ ہم اس کو دوبارہ شہر لے آتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے جیسے ہی وہ شہر منتقل ہو جاتی ہے میں اپنا کام شروع کردوں گا۔ جو کچھ تم دونوں چاہتے ہو۔ وہ ہو جائے گا۔'' بڑے سرکار بہت کم بات کرتے تھے۔

نوری اور سانول وہاں سے نکل آئے یہ ایک نیا دردسر ان لوگوں نے پال لیا تھا۔ یہاں سے گاؤں بھجوانا، وہاں سے پھر شہر منتقل کرنا۔ جیسے ان کے لیے اب یہ ایک کھیل بن گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ وہ دونوں اب ایک جاننے والے کے پاس جا رہے تھے۔ سب سے پہلے وہ سوہا کا نمبر بند کروانا چاہ رہے تھے۔ اس کا جاننے والا ایک فرنچائز میں تھا۔ وہ وہیں چلے گئے۔ سب سے پہلے شاہ زر کا نمبر بند کر وادیا۔ اس کے نام سے دوسرے نمبر جتنے بھی تھے وہ بھی بند کروادیے۔ وہ سارے نمبرز آل ریڈی ویسے بھی شاہ زر ضائع کر چکے تھے۔ دونوں نے یہ کام کرکے سکون کا سانس لیا۔ اب شاہ زر فیملی کو دوبارہ شہر لانے کا تھا۔ ان کا شیطانی دماغ کچھ سوچنے لگا۔

☆.....☆.....☆

سوہا حیرانگی کا شکار تھی، اس دن سے ان کا نمبر بند ہوگیا تھا۔ موبائل بالکل ایسے ڈبا بن گیا تھا۔ جواب کسی کام کا نہیں تھا۔ شاہ زر نے سوچا شاید یہاں گاؤں میں ایسا ہوتا ہو۔ روہا نے ٹی، وی آن کیا تھا۔ وہ ٹی، وی میں کوئی ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ اچانک ڈرامے کے بیچ میں کمرشل آگیا۔ زین کا نئے برانڈ کا کمرشل تھا۔ روہا کو کمرشل کچھ زیادہ ہی پسند آیا۔ اب وہی کمرشل کچھ دیر میں بار بار نشر ہو رہا تھا۔

جیسے ہی کمرشل ختم ہوا، سوہا کمرے میں داخل ہو گئی۔ روہا کی نظریں ٹی وی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' سوہا نے روہا کے ہاتھ سے ریموٹ لے کر پوچھا۔

''ڈرامہ دیکھ رہی ہوں۔ (میری زندگی کا دکھ) تم دیکھنا چاہو گی۔'' روہا نے سوہا سے پوچھا۔

''ہاں.....!!! ڈرامہ کیسا ہے؟'' سوہا نے اس سے پوچھا۔ اب ٹی، وی پر دوسرا کمرشل چل رہا تھا۔ یہ ٹماٹر کیچپ کا تھا۔ اس میں کوئی لڑکی تھی۔

''ابھی ٹی، وی پر بہت پیارا کمرشل چل رہا تھا۔ ڑکا قسم سے بہت ڈیشنگ پرسنلیٹی کا مالک تھا۔ نظریں یکھ کر بہت فریش ہو جاتی تھیں۔'' روہا نے سوہا سے واپس ریموٹ لے لیا۔

''یہاں.....!! تو کمرشل چل رہے ہیں۔ تم ڈرامہ دیکھ لو.....!! میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔'' سوہا اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ جیسے ہی وہ نکل گئی۔ زین کا نیا کمرشل پھر سے اسکرین پر آ گیا۔

''سوہا.....!! وہی کمرشل پھر سے آ گیا۔ جس کی میں بات کر رہی تھی۔'' روہا نے سوہا کو واپس بلانے کے لیے کہا۔

''ارے.....!! کمرشل بھی کوئی دیکھنے کی چیز ہے۔ تم ہی دیکھ لو یہ کمرشلز.....!!'' سوہا نے اونچی آواز میں جواب دے کر جتایا۔ روہا زین کا کمرشل دیکھنے لگی۔ کچھ دیر کمرشلز چلنے کے بعد ڈرامہ آ گیا۔ سوہا واپس کمرے میں آ گئی۔ ٹی، وی اسکرین پر ہیروئن بری طرح رو رہی تھی۔ اور ہیرو اسے تسلیاں دے دے کر نہیں تھک رہا تھا۔ سوہا کو ایسے سینز سے کوفت ہوتی تھی۔ دس منٹ تو ہیروئن کے رونے کی نذر ہو گئے۔

''یہ کیا بکواس ڈرامہ ہے۔ یہ لڑکی تو چپ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی ہے۔ جیسے رونے کی مشین ہو۔'' سوہا نے روہا کو دیکھا۔

''چپ.....!! اس کا شوہر گم ہوا ہے۔ اور یہ دوسرا ہیرو ہے۔ یہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ مگر ہیروئن اپنے شوہر کو ڈھونڈنا چاہ رہی ہے۔ کافی عرصہ ہو گیا ہے۔ مگر اس کا شوہر مل ہی نہیں رہا ہے۔ اب کہیں سے اس کی مرنے کی خبر نے اس کو رلا دیا ہے۔'' روہا نے سوہا کو خاموش کرنے کے لیے مختصر سی کہانی بھی سنا دی۔

''یہ کیسی عجیب سی اسٹوری ہے۔'' سوہا نے اسکرین کی طرف دیکھا، اب ہیرو اور ہیروئن گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد ڈرامہ ختم ہو گیا۔

''کتنا پیارا ڈرامہ ہے۔ ہائے کاش، اس کا شوہر مرا گیا ہو۔'' روہا نے کمنٹ پاس کیا۔

''بالکل بھی پیارا نہیں ہے، عجیب سی کہانی ہے۔ شوہر نہ ہوا بچہ ہو گیا۔ جو بیوی سے گم ہو گیا اور وہ اسے ڈھونڈ رہی ہے۔'' سوہا نے جیسے روہا کو دیکھا۔ جیسے ہی ڈرامے کا پرومو ختم ہوا۔ زین کا کمرشل نشر ہونے لگا۔ سوہا روہا کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ارے.....!! وہی کمرشل پھر سے لگ گیا۔'' روہا خوشی سے اچھل پڑی۔ سوہا نے اسکرین کی طرف جیسے ہی دیکھا۔ اسی لمحے بجلی چلی گئی بتی گل تو سب کچھ گل۔ سوہا ہنسنے لگی۔

''بچو.....!! جو دیکھنا ہی نصیب میں نہ ہو۔ تب ایسا ہی ہوتا ہے۔'' روہا نے سوہا سے کہا۔

''پھر کبھی دیکھ لوں گی۔ ویسے بھی کمرشل ہی تو تھا۔ پھر نشر ہو جائے گا۔'' سوہا نے اس کو دیکھا اور دونوں ہنس پڑیں۔

''اللہ.....!! یہ کتنا منحوس گاؤں ہے۔ یہاں اس بجلی کا کتنا بڑا مسئلہ ہے۔ اللہ۔۔۔!! میری دعائیں بھی سن لے۔ کاش آج ابو آ کر کہہ دیں سارا سامان سمیٹنا شروع کر دیں۔ ہم واپس اپنے شہر اپنے گھر جا رہے ہیں''۔ روہا نے دعا کے انداز میں دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''آمین.....!! اللہ تمہاری زبان مبارک کرے''۔ سوہا نے دل سے آمین کہا۔ وہ بھی اب یہاں کی زندگی سے تنگ آ گئی تھی۔

''چلو اٹھو.....!! باورچی خانے میں برتنوں کا ڈھیر پڑا ہے۔ اور آج وہ تم نے دھونے ہیں۔ بس تم نے بہت ڈرامے دیکھ لیے ہیں''۔ سوہا نے اٹھتے ہوئے روہا سے کہا۔

''مجھے ماسی بننے کی کوئی ضرورت نہیں میں باہر جانا چاہ رہی ہوں۔ سوہا پلیز.....!! آج تم یہ برتن دھو دینا''۔ روہا نے جیسے منت کی۔

''میں کوئی برتن نہیں دھو رہی۔ ایک تو بجلی بھی نہیں ہے۔ یہ ڈیوٹی تمہاری ہے۔ تم اپنا کام پوری ایمانداری سے کر کے باہر جاؤ''۔ سوہا نے روہا کو واپس بٹھا دیا۔ اور خود کمرے سے باہر نکل گئی۔

''اللہ.....!!! اک تو یہ سوہا میرا کوئی بھی کام نہیں کرتی ہے۔ برتن دھونے کی ذمہ داری میری ہے۔ تو بس میری ہی ہوگئی۔ کبھی بھول کر اس نے ہاتھ نہیں لگانے''۔ روہا دھپ دھپ کرتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ وہاں شام والے برتن بھی پڑے ہوئے تھے۔ جو اس کا منہ چڑا رہے تھے۔ سوہا باہر چلی آئی۔

☆.....☆.....☆

وہ مزے سے ہنس رہی تھی۔ اس کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔ جب اس نے ساجل کو زوہا کے ساتھ ہنستے مسکراتے ہوئے دیکھا۔

''ارے .....!! رک گئی کیوں گئی۔ آؤ ناں.....!! ابھی میں چھوٹی سے تمہاری ہی بات کر رہا تھا''۔ ساجل نے سوہا کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''ساجل بھائی آپ کب آئے''؟ سوہا کو یہی بہتر لگا۔ اس نے کہہ دیا۔ ساجل کو سوہا کے منہ سے بھائی سننا بہت برا لگا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا دوسرا جارہا تھا۔ زوہا بھاگتی ہوئی باہر چلی گئی۔ ساجل نے بگڑے ہوئے منہ سے کچھ نہ کہا۔

''ساجل بھائی.....!! آئیں اندر آجائیں''.....!! سوہا نے اس کے چہرے پر آئے رنگوں سے مزہ لیا۔

''نن ۔۔۔ نہیں میں پھر کبھی آجاؤں گا''۔ ساجل نے بگڑے ہوئے لہجے میں دھیمے سے کہا۔ وہ اب گھر سے باہر جارہا تھا۔ اس کو حیرت ہورہی تھی۔ سوہا کا رویہ اسے پسند نہیں آیا تھا۔

ساجل باہر جاچکا تھا۔ سوہا سوچ رہی تھی۔

''اب تو میں اس کو بھائی کے علاوہ کسی دوسرے نام سے مخاطب نہیں کرنے والی۔''

☆.....☆.....☆

شاہ زر کے پاس آج گاؤں میں کوئی عورت آئی تھی۔ اس نے برقع پہن رکھا تھا۔ وہ بہت بڑی گاڑی میں آئی تھی۔ اس کے پاس کوئی مرد بھی تھا۔ وہ ڈرائیور کے لباس میں تھا۔ اس نے شاہ زر کو اشارے سے بلا کر گاڑی میں بٹھا دیا۔ شاہ زر کو اس کے پاس بیٹھے ہوئے کچھ ہی دیر گزری تھی۔ وہ اسے اپنا برا وقت سمجھ رہا تھا۔ اس کے دل میں ہزاروں وسوسے اٹھ رہے تھے۔ عورت نے ہاتھ کے اشارے سے گاڑی آگے بڑھانے کو کہہ دیا۔ گاڑی روانہ ہوگئی۔ شاہ زر کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوگئے۔ شاہ زر اس کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔ اچانک اس کے کانوں میں مردانہ آواز سنائی دی۔ برقع میں مرد تھا۔

''تم واپس شہر شفٹ ہوجاؤ۔ ہمارے سائیں کو کسی نے گولی ماردی ہے۔ اس کے ہزاروں دشمن تھے۔ اب تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے''۔ شاہ زر کو یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے غور سے اسے دیکھنا شروع کردیا۔ اس کی آنکھوں کی بے یقینی صاف نظر آرہی تھی۔

''دیکھو.....!! زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں۔ تمہاری بھلائی کے لیے یہاں آئے ہیں''۔ دوبارہ شاہ زر کے کانوں میں اسی برقع پوش کی آواز سنائی دی۔

''اچھا.....!!! اور میں یہاں رہنا چاہوں تو پھر''.....!! شاہ زر نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''تو مرضی تمہاری.....!! مگر تم ہمارے سائیں کی وجہ سے شہر بدر ہوئے تھے۔ اس لیے اب وہ اس دنیا میں رہے ہی نہیں۔ تو تم کیوں اپنے گھر والوں کو ڈر کے سائے میں زندگی گزارنے پر مجبور رہو۔ میں صرف اس لیے تم سے ملنے آیا تھا۔ تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ جو خطرے کی تلوار تم لوگوں پر لٹک رہی تھی۔ اب وہ نہیں ہے۔ تم لوگ واپس شہر آسکتے ہو''۔

''ٹھیک ہے۔ میں آپ لوگوں کا بے حد مشکور ہوں۔ میں اس بارے میں سوچتا ہوں''۔ شاہ زر نے اس سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی.....!! گاڑی روک دو''۔ اس نے ڈرائیور سے کہا۔ گاڑی رک گئی۔ شاہ زر اتر گیا۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔ شاہ زر کے چہرے

پرخوشی کے آثار تھے۔ وہ تیز قدموں سے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے گاڑی کے ڈرائیور کا چہرہ ٹھیک طریقے سے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے کاؤ بوائے ہیٹ پہن رکھا تھا۔ وہ بچوں سے مشورہ کر کے یہاں سے واپس شہر جانا چاہ رہا تھا۔ اس کے بچے اس گاؤں میں بالکل بھی خوش نہیں تھے۔ اور پھر وہاں اس کی اچھی خاصی سرکاری نوکری بھی تھی۔ سوہا کی زندگی کا مسئلہ تھا۔ روہا کے بے شمار خواب تھے۔ وہ اس گاؤں میں رہ کر کبھی بھی پورے نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لیے وہ بھی دل سے چاہ رہا تھا کہ وہ سب کچھ سمیٹ کر واپس اپنی دنیا میں چلا جائے۔ وہ اس انجان سائیں کی موت سے خوش تھا۔ اب اس کا گھر بہت قریب تھا۔ وہ بے حد خوشی سے گھر میں داخل ہوا۔ اس نے گھر والوں پر ایک طائرانہ سی نظر ڈالی۔ سوہا جھولے پر بیٹھی ہوئی جھول رہی تھی۔ شاہ زر کے لبوں پر مسکان سی آ گئی۔ اس نے گلا کھنکھارا، سوہا نے جیسے ہی باپ کی موجودگی محسوس کی۔ وہ فوراً جھولا روک کر اتر آئی۔

''السلام علیکم''.....!! سوہا نے باپ کو دیکھا۔

شاہ زر نے سر ہلا کر اسے جواب دیا۔

''بیٹا.....!! باقی سب کدھر ہیں''؟ شاہ زر نے گھر پر طائرانہ سی نگاہیں ڈالیں۔

''سب یہاں ہیں۔ روہا کچن میں، زوہا باہر گئی ہے۔ آشان کاشان کھیل رہے ہیں''۔ سوہا نے جیسے فر فر خبروں کی طرح معلومات دی۔

''اچھا.....!! ٹھیک ہے۔ میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ سوچ رہا ہوں۔ اس معاملے میں میں سب کی رائے معلوم کروں''۔ سوہا کو ڈر لگا، ایک بار پہلے بھی شاہ زر اس کی زندگی ایک عجیب فیصلے سے تبدیل کر چکا تھا۔ اس بار اس کا وجود کانپنے لگ گیا تھا۔ اسے لگا کہ شاید یہ بات ساجل کے حوالے سے ہوگی۔ کیونکہ ساجل کا اسے پسند کرنا اس کے لیے بہت بڑا مسئلہ بنا سکتا تھا۔ ساجل کی ماں کی نظروں میں بھی اس کو اپنے لیے پسندیدگی نظر آنے لگی تھی۔ اس لیے تو اس نے ساجل کے گھر جانا چھوڑ دیا تھا۔ اور ساجل کو بھائی کہا بھی اس لیے تھا کہ وہ اس سے پیچھے ہٹ جائے، اس کے دل میں آج بھی صرف زین ہی تھا۔

''جی ابو.....!! آپ کیا کہہ رہے تھے''؟ سوہا نے باپ کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ کر کہا۔

''کچھ نہیں.....!! جب روہا آ جائے، تو ہم مل کر بات کر لیں گے''۔ شاہ زر نے کہا۔ سوہا کچن سے پانی لے آئی، اس نے ٹرے میں پانی کا گلاس اٹھا کر شاہ زر کو دے دیا۔ شاہ زر پانی پینے لگا۔

''بیٹا.....!! تمہاری زرینہ چچی تمہیں بہت یاد کر رہی تھی۔ کبھی اس کی طرف چکر لگا لیا کرو''۔ شاہ زر نے پانی کا گلاس سوہا کو پکڑایا۔

''ابو.....!! میرا وہاں دم گھٹتا ہے۔ میں اس ماحول کی عادی نہیں ہوں۔ میرا وہاں ذرا سا بھی دل نہیں لگ رہا ہوتا ہے''۔ سوہا نے باپ کو دیکھا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ جیسا تمہیں بہتر لگے''۔ شاہ زر نے سوہا کے دل کی بات محسوس کر لی۔ روہا کچن سے باہر نکل آئی۔ اس نے باپ کو چارپائی میں بیٹھے دیکھا۔ تو یہیں چلی آئی۔

''السلام علیکم''۔ اس نے باپ کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔

''وعلیکم السلام.....!! جیتی رہو۔ کیا ہو رہا تھا''؟ شاہ زر نے روہا کا پسینے سے تر بتر چہرہ دیکھا۔

''کچھ نہیں.....!! کچن میں برتن دھو رہی تھی۔ یہاں بہت گرمی ہے۔ بہت زیادہ، اوپر سے واپڈا والوں نے پریشان کر رکھا ہے''۔ روہا نے پٹر پٹر بتا دیا۔

''بیٹا.....!! جس وجہ سے ہم نے شہر چھوڑا تھا۔ وہ مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ میں بھی یہاں بہت پریشان ہوں۔ میرا دل بھی یہاں سے جانا چاہتا ہے۔ مجھے اس گاؤں میں تم لوگوں کا کچھ مستقبل نظر نہیں آتا ہے''۔ شاہ زر نے کافی دیر ٹھہرنے کے بعد کہا۔ سوہا اور روہا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ سوہا کو تو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''ابو.....!! ہم کب تک جا رہے ہیں''؟ سوہا

نے بے چینی سے سوال کیا۔

''آج سے تم لوگ سب کچھ سمیٹنا شروع کر دو۔کل ہم واپس اپنے گھر میں ہوں گے''۔شاہ زر نے کہا۔

''سچ.....!! ابو مجھے تو یقین نہیں آرہا ہے۔ میں بہت خوش ہوں''۔روہا ایک دم چارپائی سے اٹھ کر آنگن میں گھوم گئی۔شاہ زر اور سوہا بھی ہنسنے لگے۔دونوں جیسے پرسکون ہو گئے تھے۔وہ دونوں اب باتیں کررہے تھے۔سوہا نے دوبارہ ابرار احمد کو کال نہیں کی۔کیونکہ ان کا سم بلاک ہو چکا تھا۔شاہ زر نے دوسرا سم نہیں نکالا تھا۔روہا نے سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔سوہا کو لگ رہا تھا اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

☆.....☆.....☆

چھوٹا موٹا سارا سامان سمیٹ لیا تھا۔شاہ زر نے بھی جانے میں ہی عافیت سمجھی۔اور اب اس کا دل بھی یہاں نہیں لگ رہا تھا۔اس نے زندگی میں اس فیز سے جلد نکلنے کا فیصلہ کرلیا۔کیونکہ اس کے بچے چھوٹے تھے۔یہاں کے وہ عادی نہیں تھے۔اس نے سوچا اگر وہ یہاں رہیں گے۔تو وہ رُل جائینگے۔بری صحبت کا اثر الگ پڑسکتا تھا۔اس لیے وہ رات کو زرینہ کی طرف آئے تھے۔اس نے ان کو آگاہ کر دیا۔زرینہ نے کچھ نہ کہا۔مگر جب سے ساجل نے یہ سب سنا تھا۔اس کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا دوسرا جارہا تھا۔شاہ زر کے ساتھ واپسی پر ساجل بھی آگیا تھا۔سوہا کچن میں تھی۔روہا نے اس کو کمپنی دینی چاہی۔مگر اس کی نظریں سوہا کو ڈھونڈنے کی خواہاں تھی۔

''آپ یہاں وہاں کچھ ڈھونڈ رہے ہیں''؟روہا نے اس کی نظروں کا جائزہ لے کر کہا۔

''ہاں.....!! ایسا لگ رہا ہے۔جیسا میرا دل کھو رہا ہے''۔ساجل نے بے چینی سے کہا۔روہا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''ارے.....!! دل بھی کوئی کھونے کی چیز ہے''.....!! روہا نے مذاق اڑانے والے انداز اپنایا۔

''ہاں.....!! دل کھو سکتا ہے۔اور جب یہ کھو جاتا ہے۔تب بہت مشکل سے ملتا ہے''۔ساجل نے غم زدہ انداز میں بتایا۔

''ساجل بھائی.....!! بعد میں اپنا دل آرام سے ڈھونڈتے رہنا۔ابھی تم یہ سامان سمیٹنے میں مدد کرو''۔روہا نے مزے سے کہا۔

''تم لوگ اتنے جلد کیوں واپس جارہے ہو''؟ ساجل جیسا بے چین ہو گیا تھا۔

''اس لیے کہ یہاں کا ماحول ہمیں بالکل بھی پسند نہیں آیا۔اور جس ماحول میں انسان ایڈجسٹ نہ ہو سکے۔وہاں رہنا بالکل فضول ہو جاتا ہے''۔روہا نے اٹھ کر کہا۔ساجل کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔وہ اٹھا،اور چلتا ہوا کچن میں چلا آیا۔وہاں سوہا سارا پھیلاوا سمیٹنے میں مصروف تھی۔وہ کچن کے دروازے میں کافی دیر کھڑے ہو کر اسے دیکھتے رہے۔اچانک سوہا کو اپنی پشت پر کسی کی نظروں کا احساس ہونے لگا۔اس نے مڑ کر دیکھا۔ساجل اسے ٹرانس کی صورت میں گھور رہا تھا۔اس نے دوپٹہ کمر پر باندھ رکھا تھا۔بالوں کو پونی میں مقید کر رکھا تھا۔چند آوارہ لٹے اس کے چہرے پر آکر گر گئے تھے۔

''ارے.....!! ساجل بھائی آپ''؟وہ اسے ایک دم اپنے سامنے دیکھ کر جز بز ہو گئی۔اس نے کمر سے باندھا ہوا دوپٹہ نکال کر سر پر اوڑھ لیا۔

''ہاں میں.....!! تم لوگ اتنے جلدی میں کیوں جارہے ہو''؟وہ ان کے جانے سے بے حد پریشان ہو گئے تھے۔

''دیکھو ساجل بھائی''.....!! سوہا نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔

''سوہا جی.....!! آپ جانتی تو ہیں۔کیوں مجھے جلانے کے لیے ایسا کہہ رہی ہے''۔ساجل نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

''ساجل بھائی.....!! کیا جانتی ہوں؟ آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں''؟سوہا نے اسے دیکھا۔

''آج مجھے جیسے شاہ زر چچا نے بتایا کہ آپ سب یہاں سے شہر واپس جا رہے ہیں۔ تو میں بہت پریشان ہو گیا۔ میں آج آپ سے بات کرنے آیا ہوں''۔

''تم نے بہت اچھا کیا جو یہاں آج بات کرنے چلے آئے۔ اب کھل کر بولو کیا کہنا چاہ رہے ہو''؟ سوہا نے اس کے آنکھوں میں دیکھا۔ وہاں ستاروں کی مانند اسے چمکتے آنسوں نظر آئیں۔

''سوہا جی.....!! آپ سے میں بے حد محبت کرتا ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ جائیں۔ آپ میرا دل ساتھ لے کر جا رہی ہیں۔ میں بہت بے چین ہو گیا ہو''۔ ساجل کے آنکھوں سے آنسوں نکل آئیں۔

''ساجل.....!! یہ ماحول میرے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں یہاں زندگی گزار سکتی ہوں۔ ہم یہاں کچھ وقت کے لیے مجبور ہو کر آ گئے تھے۔ اور میری تو عادت ہی ایسی ہے۔ ہر کسی سے اچھے انداز میں بات کرنے کی، اس لیے بہتر یہی ہے۔ اب آپ اپنے دل کو سمجھا دیجیے گا''۔ سوہا نے اسے دیکھا۔

''سوہا جی.....!! مجھے ایسا لگا تھا کہ آپ مجھے پسند کرتی ہیں۔ آپ میرے ساتھ گھومتی پھرتی رہی تھیں۔ مجھے لگتا تھا کہ آپ بھی مجھے پسند کرتی ہیں۔ میں نے آپ کو بچے کے ہاتھ سے ایک محبت نامہ بھی دیا تھا۔ اس پر بھی آپ نے خاموشی اختیار کی۔ مجھے ایسا لگا کہ آپ بھی مجھ میں دلچسپی لے رہی ہیں۔ حالانکہ خاموشی کا دوسرا نام رضا مندی ہی تو ہوتا ہے''۔ ساجل نے نیچے زمین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''دیکھو ساجل.....!! میں ایک شہری لڑکی ہو۔ میں جس ماحول میں پڑھی بھلی ہوں۔ وہاں ان چیزوں کو نہیں دیکھا جاتا۔ وہاں کا ماحول اس ماحول سے قدرے مختلف ہے۔ وہاں لڑکے لڑکیاں ایسے ہی گھومتے پھرتے ہیں۔ وہاں لڑکوں سے ایسی ہی بات کی جاتی ہے۔ اور جس طرح تم نے مجھے لیٹر بھیج دیا۔ میں نے وہ اسی لمحے پھاڑ کر گھر سے باہر پھینک دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ تمہیں میرا جواب مل گیا ہوگا۔ وہ میرا تمہیں اگلے دن بھائی کہہ کر مخاطب کرنا ہی اس لیے تھا کہ تم سمجھ جاؤ۔ وہی میرا جواب تھا۔ مجھے شادی یہاں بالکل نہیں کرنی ہے۔ مجھے اپنا کریئر بنانا ہے۔ زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے۔ آگے بڑھنا ہے۔

ساجل کے دل و دماغ میں سوہا کی باتیں گونج رہی تھیں۔ وہ سمجھ چکا تھا۔ وہ جو اس کو کزن سمجھ کر کمپنی دیتی رہی تھی۔ وہ اس کو غلط فہمی میں مبتلا کر گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

شاہ زر پر گاؤں میں ایک آدمی نظر رکھے ہوئے تھا۔ وہ اس نے گاؤں سے سانول کو فون کیا تھا کہ شاہ زر گاؤں سے واپس شفٹ کر رہا ہے۔ تیر نشانے پر لگ چکا تھا۔ ساتول نے اس بندے کو بدستور شاہ زر کے گھر پر نگرانی رکھنے کو کہا۔ اور خود وہ نوری کے ساتھ بڑے سرکار کے پاس چلے آئے۔ اب وہ بڑے سرکار کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑے سرکار کے سامنے دھویں کے مرغولے اٹھ رہے تھے۔ گھر میں مختلف جگہوں سے اگربتیوں کی خوشبوئیں آ رہی تھیں۔ وہ دونوں خاموش تھے۔ بڑے سرکار کے ہاتھ میں گلاب کا پھول تھا۔ اس نے پھول کو مٹھی میں مضبوطی سے تھام لیا۔ اور پھر اس کو زور دینا شروع کر دیا۔ اچانک اس کی مٹھی سے دھواں نکلنا شروع ہو گیا۔ جیسے ہی بڑے سرکار نے مٹھی کھول کر ان دونوں کے سامنے کر دی۔ وہ گلاب کا پھول جل رہا تھا۔ اور آگ کا دھواں اس سے اٹھ رہا تھا۔ مگر حیرت انگیز طور پر پھول ویسا ہی تھا۔ وہ تر و تازہ تھا۔ اس نے پھول اسی طرح ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔

''تم دونوں کیا خبر لائے ہو''؟ اس نے دونوں پر نظریں گھاڑ دیں۔

''بڑے سرکار وہ لوگ اسی شہر میں شفٹ ہو رہے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اپنا کام شروع کر دیں''۔ سانول نے یہایت ادب سے کہا۔

''ہوں.....!! وہ لوگ جس گلی میں رہتے

ہیں۔ وہاں قریب میرا بندوبست کر دو۔ میں اپنے طریقے سے سب کچھ کروں گا''۔ بڑے سرکار کی بات سن کر نوری اور سانول نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''بڑے سرکار .....!! آپ وہاں رہنا چاہتے ہیں۔ وہ علاقہ آپ کے شان شایان بالکل بھی نہیں ہے''۔ سانول نے ہاتھ جوڑ کر با ادب گزارشانہ لہجے میں کہا۔

''کام کرنا ہے کہ نہیں''۔ بڑے سرکار کو ان کی یہ بات بری لگی، تبھی اس نے اونچی آواز میں کہا۔

''بڑے سرکار ہم آج ہی وہاں ایک اچھے گھر میں آپ کے ٹھہرنے کا انتظام کر دیتے ہیں''۔ نوری نے جیسے ہی یہ کہا۔ بڑے سرکار نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو جانے کا عندیہ دے دیا۔ بڑے سرکار کے ہاتھ میں گلاب کا پھول بدستور جل رہا تھا۔ وہ ایک چھوٹا سا پھول تھا۔ مگر اس میں سے آگ کے شعلے ابھر رہے تھے۔ وہ دونوں اٹھ گئے۔ اب ان کی کار کا رخ شہر کے اس علاقے کی طرف تھا جہاں شاہ زر رہتا تھا۔ کافی دیر کے بعد وہ اس علاقے میں پہنچ گئے۔

وہاں کافی دیر پھرنے کے بعد لوگوں سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد ان کو ایک خالی گھر مل گیا۔ وہاں کا مالک مکان قریب ہی رہتا تھا۔ وہ دونوں سیدھا ان کے گھر گئے۔ کیونکہ وہ گھر ایک مہینے کے لیے رینٹ پر لینا چاہ رہے تھے۔ مگر یہ صرف بہانہ تھا۔ کیونکہ بڑے سرکار نے گھر میں دو تین دن سے زیادہ رہائش اختیار نہیں کرنی تھی۔ اب وہ اسی گھر کے مالک مکان سے بات کر رہے تھے۔ مالک مکان نے گھر ان کو دکھا دیا۔ دونوں کو گھر اچھا لگا۔ گھر شاہ زر کے گلی میں ہی تھا۔ دونوں نے ایک مہینے کے لیے مکان کی بات کی۔ مالک مکان نے ان کو کل تک جواب دینے کے لیے بات کی۔ وہ دونوں بہت اچھے اخلاق سے ملے تھے۔ ان کو امید ہو چکی تھی کہ ان کو گھر مل جائے گا۔ واپس جاتے ہوئے وہ بہت پرامید تھے۔

☆.....☆.....☆

اگلے دن نوری کو گھر مل چکا تھا۔ ان دونوں نے ضرورت کی اشیاء گھر میں سجا دی تھیں۔ اب بس بڑے سرکار کو یہاں شفٹ ہونا تھا۔ بڑے سرکار سے بھی بات ہو گئی تھی۔ وہ تب یہاں پر آتے، جب سو ہا لوگ یہاں شفٹ ہو جاتے۔ گاؤں والے بندے نے بتا دیا تھا۔ کہ صبح سے وہ لوگ روانہ ہو چکے ہیں۔ بس اب صرف ان کا انتظار ہو رہا تھا۔ یہاں نوری اور سانول ان کے منتظر کھڑے تھے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ بڑے سرکار کو یہاں لانا چاہتے تھے۔ اب ان کی گاڑی کا رخ بڑے سرکار کی طرف تھا۔ گاڑی بڑے سرکار کے گھر کے گیراج میں ان کی گاڑی رکی ہوئی تھی۔ اب وہ دونوں بڑے سرکار کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

''تم لوگوں نے گھر کا بندوبست کیا''؟ بڑے سرکار نے پوچھا۔

''ہاں گھر کا انتظام ہو گیا ہے۔ اب بس وہ لوگ شام تک پہنچ جائیں گے''۔

''میں وہاں رات کو آؤں گا، میرا عمل ٹیلی پیتھی ہے۔ میں اس رات کو عمل کروں گا۔ اور صبح تک اس لڑکی کی روح نکال کر قید کر لوں گا۔ وہ ساری زندگی کوے میں گزارے گی''۔ بڑے سرکار نے جیسے ہی یہ جملے ادا کیے۔ دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ڈور گئی۔

''اس کی روح آپ کے قید میں ہو گی''۔ سانول نے آہستہ پوچھا۔

''نہیں .....!! میں اپنے علم سے جسم سے روح نکال تو سکتا ہوں۔ مگر اسے قید نہیں رکھ سکتا۔ میں اس کی روح ایک گلاب کے پھول میں مقید کروں گا۔ اس گلاب کے پودے کو تمہیں دوں گا۔ تم دونوں اس کی حفاظت کرنا۔ اس کی حفاظت تمہاری ذمہ داری ہو گی''۔ بڑے سرکار نے کہا۔

''بڑے سرکار .....!! اب ہمارے لیے کیا حکم ہے''؟

''تم دونوں جاؤ، رات کو آ جانا۔ میں تم دونوں کے ساتھ اس گھر میں جاؤں گا۔ جو اس لڑکی کی گلی میں ہے۔ گھر اس کی گلی میں اس لیے ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ

فاصلہ کم ہونے کی وجہ سے میں اس کی روح کو اس کے جسم سے با آسانی نکال پاؤں گا۔ مگر وہ روح کو اسی کے گھر کے قریب کسی میدان میں رکھنا ہوگا۔ اگر روح جسم سے دور ہوگی۔ تو وہ مر جائے گی۔ میں کسی کو قتل نہیں کرنا چاہتا۔ تم لوگوں نے کل تک ایک گلاب کے پودے کا انتظام کرنا ہے۔ جس میں تین گلاب کے پھول ہوں۔ وہ پودا اچھا خاصہ بڑا ہو۔ اور گملے میں ہو"۔ بڑے سرکار نے ان کو نیا حکم نامہ جاری کر دیا۔ نوری اور سانول کو اس نے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں نکل آئے۔ اب ان کا رخ پودوں کی نرسری کی طرف تھا۔ وہاں دونوں نے ایک خوبصورت تین کھلے پھولوں والا پودا خریدا، وہ گملے کے اندر تھا۔ دونوں نے اس پودے کو گاڑی میں رکھا۔ اور گھر لے آئے۔ اب وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں کام بہت مستعدی سے کر رہے تھے۔ بس دونوں اس کام سے فارغ ہو جانا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس میں کافی وقت برباد ہو چکا تھا۔ بڑے سرکار کو منہ مانگے پیسے دیے گئے تھے۔ وہ اس کام کو تکمیل تک پہنچانے کے پیسہ پانی کی طرح بہا رہے تھے۔ دونوں نے کچھ دیر تاش کھیلا۔ پھر وہ ٹی وی پر پروگرام دیکھنے لگ گئے۔ اب تو سانول ڈانسر کے چہرے پر نظریں جما کر اسموکنگ بھی کر رہا تھا۔ کمرے میں دھواں یہاں وہاں تیرنے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

سوہا کو یقین نہیں آرہا تھا، وہ اپنے گھر کے اندر تھی۔ جب زوہا گھر کا تالا کھول رہی تھی۔ تب سوہا نے دہلیز پر کتنے خوشی کے آنسو بہائے تھے۔ وہ بے حد خوش تھی۔ آشان کاشان اور زوہا اچھلتے کھودتے کھلے دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے۔ شاہ زر نے سامان اتارا، اب محلے والے اس کے ساتھ مدد کر رہے تھے۔ سامان اندر لایا جا رہا تھا۔ کچھ محلے والے پوچھ گچھ میں مصروف ہو گئے تھے۔ کیونکہ وہ بنا بتائے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گئے تھے۔ شاہ زر کو آفس بھی دوبارہ جانا تھا۔ اسے اب کچھ پھر سے ٹھیک کرنا تھا۔ زندگی اب پھر سے معمول کے مطابق چلانی تھی۔ وہ بھی خوش تھے۔ سب کو یہی وضاحت دیتے گئے۔

"گاؤں میں ہماری کچھ زمین تھی۔ جس پر کسی نے زبردستی قبضہ کرنا چاہا تھا۔ اس لیے افراتفری میں گاؤں جانا پڑا تھا۔ بچے میرے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ ان کو بھی ساتھ لے جانا پڑا" شاہ کی بات سن کر سب مطمئن ہو گئے۔ ایک ضعیف نے پوچھا:

"کہو میاں.....!! اب کیا مسئلہ حل ہو گیا ہے"۔

"ہاں.....!! چچا جی.....!! اللہ نے اپنے فضل سے سب مسئلے مسائل حل کر دیے ہیں"۔ اس نے سامان میں مدد کرنے پر نوجوانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور ان سب کو مطمئن کر کے گھر کے اندر چلا آیا۔ سارا بھاری سامان گھر کے اندر منتقل کیا جا چکا تھا۔ اب کچھ لڑکے اس سامان کو اندر کمروں میں رکھ رہے تھے۔ شاہ زر ان سب کے ممنون سے ہو گئے تھے۔ زندگی آگے یہاں آسانی سے گزر جانی تھی۔ کافی دیر بعد وہ لڑکے چلے گئے۔ سوہا اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ چھت پر گئی ہوئی تھی۔ اس نے یہاں آگے سب سے پہلے زین کو ڈھونڈنا تھا۔ مگر ابھی تو وہ گھر آئی تھی۔ اس نے دوبارہ باپ سے موبائل مانگا ہی نہیں تھا۔ وہ اپنا موبائل خریدنا چاہ رہی تھی۔ وہاں گاؤں میں اس نے جتنا وقت بھی گزارا تھا۔ اس نے وہ بہت مشکل اور صبر آزما گزارا تھا۔ اب اس کو لگ رہا تھا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ واقعی سب ٹھیک ہو سکتا تھا۔ اس نے سارا سامان پہلے کی طرح سیٹ کر لیا تھا۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی تھی۔ اس نے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کے قریب ہی روہا کھڑی تھی۔ وہ اس کو حیرانگی سے دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ سوہا مسکرائے جا رہی تھی۔

"ارے کہیں پاگل واگل تو نہیں ہو گئی ہو"؟ روہا نے اس کو پکڑ کا جھنجھوڑا۔ اس نے روہا کو دیکھا۔

"روہا.....!! آج میں بہت خوش ہو۔ تم کیا نہیں جانتی، اپنے گھر کا سکون کیسا ہوتا ہے۔ تم بھی

میرے ساتھ مسکراؤ''۔سوہا نے رونوں کے بانہوں میں ڈال کر گھمایا۔

''اچھا.....!! مجھے لگ رہا تھا کہ تم کہیں پاگل تو نہیں ہوگئی ہو۔کیونکہ پاگل تنہائی میں مسکراتے ہیں''۔ روہا نے گھومتے ہوئے کہا۔

''ارے.....!! پاگل کہاں تنہائی میں مسکراتے ہیں۔ وہ تو قہقہے لگاتے ہیں''۔سوہا نے گھومتے گھومتے اسے چھوڑ دیا۔روہا ابھی بھی بدستور گھومے جارہی تھی۔

''سوہا روہا.....!! باہر آجاؤ''۔اچانک ان کے کانوں میں شاہ زر کی آواز آئی۔

''جی ابو''.....!! سوہا نے فوراً آواز دی۔

''آؤ روہا چلیں.....!! ابو بلا رہے ہیں''۔سوہا نے روہا کا ہاتھ تھاما،اور اس کو لے کر باہر جانے لگی۔

باہر شاہ زر چارپائی میں بیٹھے ہوئے تھے۔اس کے سامنے کھانے کی ٹرے پڑی ہوئی تھی۔اس میں سے خوشبو اٹھ کر سارے آنگن کو مہکا رہی تھی۔

''ابو.....!! یہ کھانا کہاں سے آیا''۔سوہا نے پوچھا۔

''پڑوس کے قدوسی صاحب نے بھجوایا ہے۔ابھی میں باہر سے کھانا لانے کا سوچ ہی رہا تھا''۔شاہ زر کے پاس آشان اور کاشان بھی بیٹھے ہوئے تھے۔زوہا وہی قریب ہی کھڑی تھی۔سوہا نے اس کو گود میں اٹھا کر باپ کے پاس بیٹھا دیا۔اب وہ لوگ مل بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔کھانے کے بعد روہا سوہا کا ہاتھ پکڑ کر چھت پر چلی گئی۔

''کیا ہے روہا''؟ سوہا نے روہا کو دیکھا۔وہ ہنس رہی تھی۔

''کچھ نہیں ہے۔تمہیں ساجل یاد ہے''۔روہا نے کہا۔

''ساجل تمہیں کہاں سے یاد آگیا''۔سوہا کو جھٹکا سا لگا۔

''یار.....!! آخری بار گھر سے باہر جاتے ہوئے وہ اداس سا تھا۔پھر ہم سے ملا تک نہیں حالانکہ ہماری کتنی دوستی ہوگئی تھی''۔روہا نے اداسی سے کہا۔

''تمہیں بہت یاد آرہا ہے۔یار.....!! کیا بات ہے''؟ سوہا نے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''کچھ نہیں مجھے لگا کہ تم میں وہ انوالڈ ہو رہا ہے''۔روہا نے صاف بات بتا ہی دی۔

''ہاں.....!! وہ ہو رہا تھا۔گاؤں کے لڑکے دوستی اور محبت میں فرق نہیں سمجھ سکتے ہیں''۔سوہا نے جیسے آسمان کو دیکھ کر کہا۔

''بالکل.....!! تم نے ٹھیک کہا۔مجھے خود ڈر لگ رہا تھا۔کہ کہیں تم اس گاؤں میں رہ نہ گئی ہو۔۔۔!!''روہا نے جیسے پتے کی بات کی۔

''اوہ.....!! کیا مجھے اتنا بے وقوف سمجھا ہوا ہے۔میں وہاں مجبوری میں گئی تھی۔کسی سے دل لگی کرنے نہیں۔اور ویسے بھی دل لگانے والے،چاہنے والے،سراہنے والے یہاں ملتے ہیں،اور ہم شہری لوگ گاؤں میں کہاں زندگی گزار سکتے ہیں''۔سوہا نے ادھورے چاند کو دیکھا۔وہ بے رونق سا تھا۔

''اچھا.....!! شکر ہے کہ تم اس چکر میں نہیں ہو۔میں خود وہاں مجبوری میں زندگی گزار رہی تھی''۔روہا نے اسے گلے سے لگایا۔

''بالکل.....!! تم بہت سمجھ دار ہو۔زندگی میں سمجھ دار لوگوں کا ساتھ بہت کم ملتا ہے۔مجھے تم پر فخر ہے''۔سوہا نے دونوں ہاتھ اس کے کندھے پر ہار کی طرح گھما دیے۔

''ہاں.....!! تھینکس''۔اس نے بھی اس کو خود میں بھینچ لیا۔اب وہ دونوں نیچے جارہی تھیں۔رات گہری ہو رہی تھی،اور رات کی تاریکی میں ایک بڑی سی گاڑی محلے میں آکے رک گئی تھی۔جس میں سے بڑے سرکار باہر نکل آئے تھے۔

باقی آئندہ ماہ انشاء اللہ۔۔۔!!! کیا زین کی شادی سوہا سے ہوجائے گی؟ یا نہیں؟ یا بڑے سرکار سوہا کو لے جائینگے۔اس سوالات کو جاننے کے لیے پڑھتے رہیے گا۔جلتے گلاب۔۔۔!!

قصہ ایک رات کا

ضرغام محمود۔ کراچی

انسپکٹر نے قتل کا معمہ حل کرنا چاہا تو اس کے سامنے دو کہانیاں تھیں ایک کہانی جو لاش سنا رہی تھی اور دوسری کہانی جو نوجون سنا رہا تھا، مگر حقیقت سے وہ دور تھے کہ اچانک.....

بری عادتوں کے عادی لوگ اکثر نشانِ عبرت بن جاتے ہیں، کہانی پڑھ کر دیکھیں

وہ بھاگ رہا تھا اور اس کے پیچھے ایک ہجوم تھا جو شور مچاتا ہوا بھاگ رہا تھا اس کا نام چینٹو تر ویدی تھا اور وہ ایک چور تھا ابھی اس نے مارکیٹ میں ایک سنار کی دکان سے چوری کی کوشش کی مگر دکاندار نے عین وقت پر اس کو پکڑ لیا وہ جوان تھا اور دکاندار ادھیڑ عمر کا لہذا چینٹو نے اسے دھکا دے کر اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑا لیا اور سر پر پیر رکھ کر وہاں سے بھاگا دکاندار بھی چور چور چیختا ہوا اس کے تعاقب میں دوڑا دکاندار کی چور چور کی صدائیں سن کر مارکیٹ میں موجود بہت سے لوگ بھی دکاندار کے ساتھ اس کا پیچھا کرنے لگے ایک پولیس انسپکٹر بھی اس وقت مارکیٹ میں تھا وہ بھی اس کے تعاقب میں بھاگ رہا تھا چینٹو جانتا تھا کہ اگر وہ ہجوم کے ہاتھوں پکڑا گیا تو پھر اس کی خیر نہیں۔ لوگ اسے مار مار کر ادھ موا ضرور بنا دیں گے لہذا وہ اپنی جان بچانے کیلئے اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا مجمع بھی اس

کے تعاقب میں تھا۔ چینٹو جان بچانے کے لئے دوڑ رہا تھا رات کا اندھیرا پھیلا جاتا تھا۔

اچانک چینٹو کا پیر پھسلا اور وہ دھڑام سے گر پڑا دن میں ہونے والی بارش کی وجہ سے جگہ جگہ پانی بھرا ہوا تھا چینٹو اسی پانی میں گرا تھا وہ سر سے پیر تک بارش کے پانی میں نہا گیا چینٹو گرتے ہی پھرتی کے ساتھ اٹھا اور اس نے پھر دوڑ لگا دی اس کی ٹانگیں شل ہو رہی تھی بھاگتے بھاگتے اس نے دیکھا پولیس انسپکٹر اور دکاندار ابھی تک اس کے تعاقب میں دوڑے چلے آرہے ہیں لہذا چینٹو بھی تیز بھاگنے لگا بھاگتے بھاگتے چینٹو نے ایک موڑ لیا اور ایک تنگ سی گلی میں گھس گیا گلی میں گھستے ہی وہ ایک مکان کی دیوار پھلانگ کر گھر کے اندر گھس گیا اتفاق سے گھر کا دروازہ کھلا تھا چینٹو سیدھا بھاگتے ہوئے گھر کے اندرونی حصے میں پہنچ گیا گھر میں شاید کوئی نہیں تھا کیونکہ چینٹو کو ابھی تک کسی کی کوئی آواز نہیں محسوس ہوئی تھی اور نہ ہی کوئی نظر آیا تھا۔ چینٹو گھر کا جائزہ لینے لگا اسی وقت اس کے کانوں میں کسی جوان عورت کے گانا گانے کی آواز آئی آواز اسی کی جانب بڑھ رہی تھی چینٹو نے جلدی سے اس جگہ کا جائزہ لیا جہاں وہ کھڑا تھا یہ ایک بڑا سا ہال نما کمرہ تھا جو شاید ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا کھڑکیوں اور دروازوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے چینٹو جلدی سے ایک کھڑکی کی جانب بڑھا جس پر دبیز پردہ پڑا ہوا تھا چینٹو جلدی سے اس پردے کے پیچھے چھپ گیا اسی وقت دروازے کی چٹخنی بجی اور گھر کے اندرونی حصے سے ایک جوان عورت نکل کر دروازے کی جانب بڑھی اور دروازے کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی۔

''کون ہے''؟ اس عورت نے دروازے کے پاس جاتے ہوئے پوچھا۔

''آنٹی میں ہوں آپ کا پڑوسی جتندر'' چینٹو کو دروازے کے پار سے آواز سنائی دی۔

''ہاں جتندر کیا بات ہے؟'' اس عورت نے پوچھا۔

''آنٹی ہمارے محلے میں ایک خطرناک چور آگیا ہے ابھی ابھی پولیس والے آئے تھے اور سب کو خبردار کر کے گئے ہیں آپ بھی دروازہ بند کر لیں'' دروازے کے پار سے جتندر کی آواز سنائی دی۔

''اچھا میں دروازہ بند کر لیتی ہوں''۔ اس عورت نے کہا اور دروازہ بند کر کے گھنٹی لگا دی اور پھر پلٹ کر گھر کے اندرونی حصے میں جانے لگی۔ تو اس کی نظر کھڑکی کے پردے پر پڑی پردے کے نیچے سے چینٹو کے پیر جھانک رہے تھے۔

''کک کون ہو تم؟'' عورت کی ڈری ڈری آواز نکلی تو چینٹو نے جلدی سے پردے کو ہٹایا اور تیزی کے ساتھ عورت کی جانب لپکا عورت اس کو دیکھتے ہی چیخنے کے لئے منہ کھولنے والی تھی کہ چینٹو نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھ دیا۔ ساتھ ہی اپنا خنجر عورت کے گلے پر رکھ دیا۔

''اگر تم نے چیخنے کی کوشش کی تو۔۔۔'' چینٹو نے خنجر پر تھوڑا سا دباؤ بڑھایا تو عورت کے منہ سے دبی دبی سسکی نکل گئی۔

''میں تمہارے منہ پر سے ہاتھ ہٹا رہا ہوں چیخنے کو کوشش نہیں کرنا'' چینٹو نے پھر عورت سے کہا تو اس نے اقرار میں گردن ہلا دی عورت کے اقرار کے بعد چینٹو نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر سے ہٹایا مگر اپنا خنجر اس کے گلے پر ہی رہنے دیا اس عورت نے ڈرے ڈرے انداز میں چینٹو کو دیکھا تو چینٹو نے خنجر بھی اس کے گلے سے ہٹا لیا مگر خنجر اس طرح پکڑ کر رکھا تھا کہ خنجر کی نوک عورت کی جانب ہی تھی۔

''کک۔۔۔ کون ہو تم؟'' عورت نے ڈرے ڈرے لہجے میں پوچھا۔

''ابھی لڑکے نے تمہیں بتایا تھا نا میں وہی ہوں'' چینٹو بولا۔

''تت۔۔۔ تم چور ہو''۔

''ہوں تو میں چور۔ مگر ضرورت پڑنے پر کسی کی جان بھی لے سکتا ہوں'' چینٹو نے خنجر لہرا کر جواب دیا تو وہ عورت ڈرے ڈرے انداز میں چینٹو کو دیکھنے لگی۔

''گھر میں اور کون کون ہے''؟ چینٹو نے گھر کو

دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کک۔۔۔کوئی نہیں میں اور میرا بچہ۔۔۔ہم دونوں اکیلے ہیں''عورت نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

''بچہ۔کہاں ہے تمہارا بچہ''چینٹو بولا۔

''وہ۔وہ صوفے پر سو رہا ہے''عورت نے ایک صوفے کی جانب اشارہ کیا تو چینٹو نے دیکھا کہ ایک ڈیڑھ دو سال کا معصوم بچہ صوفے پر بے خبر سو رہا ہے''۔

''یہ تصویر کس کی ہے''چینٹو نے دیوار پر لگی ایک بڑی سی تصویر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ میرے پتی دیپک اگروال کی تصویر ہے''عورت نے جواب دیا۔

''تمہارا نام کیا ہے''؟چینٹو نے پوچھا۔

''ریکھا۔ریکھا اگروال''عورت جس کا نام ریکھا اگروال تھا اس نے جواب دیا۔

''تمہارا پتی اس وقت کہاں ہے''چینٹو نے پوچھا۔

''وہ۔وہ بمبئی گئے ہوئے ہیں''ریکھا نے جواب دیا۔

''بمبئی۔کیوں''۔

''بزنس کے سلسلے میں گئے ہوئے ہیں''۔

''کس چیز کا بزنس ہے''؟چینٹو پوری معلومات لینا چاہتا تھا۔

''ان کی فوڈ کیمیکل کی فیکٹری ہے''۔

''کب واپس آئے گا دیپک''چینٹو نے پھر پوچھا۔

''آج رات کو انہیں واپس آنا ہے۔شاید رات کی فلائیٹ سے واپس آجائیں''ریکھا اگروال نے جواب دیا۔

''دیکھو اگر تم میرے ساتھ تعاون کروگی تو میں کچھ دیر یہاں رک کر پھر چلا جاؤں گا ورنہ۔۔۔''چینٹو نے خنجر کی نوک ریکھا کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مم۔۔۔میں۔۔۔جیسا تم کہو میں ویسا ہی کروں گی بس میرے پتی کے آنے سے پہلے پہلے یہاں سے چلے جاؤ''ریکھا بولی۔

''کیوں۔تمہارے پتی کے آنے سے پہلے پہلے کیوں''چینٹو نے اشتیاق سے پوچھا۔

''میرے پتی بہت شکی مزاج اور غصے کے تیز ہیں''ریکھا نے جواب دیا۔

''کب تک آجائے گا تمہارا پتی دیپک اگروال''چینٹو نے پوچھا۔

''ان کی فلائیٹ رات گیارہ بجے بمبئی ایئرپورٹ سے اڑے گی یعنی رات ایک یا دو بجے تک وہ گھر آجائیں گے''ریکھا بولی۔

''ابھی رات کے سات بج رہے ہیں میں دو تین گھنٹے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا''چینٹو بولا اور آرام سے صوفے پر بیٹھنے لگا تو ریکھا چلا اٹھی چینٹو نے تیزی کے ساتھ خنجر ریکھا کی گردن پر رکھا اور درشت لہجے میں کہا۔

''کیوں چلا رہی ہو''؟

''ان گیلے کپڑوں میں صوفے پر بیٹھو گے تو صوفہ گیلا ہو جائے گا''ریکھا نے کہا تو چینٹو نے اپنے کپڑوں کی جانب دیکھا جو کیچڑ اور پانی سے لت پت تھے۔

''تمہارا بیڈروم کہاں ہے''چینٹو نے پوچھا۔

''کیوں''؟

''مجھے اپنے پتی کا کوئی جوڑا دو''چینٹو اپنے کپڑے دیکھتے ہوئے بولا۔

''تم یہیں رکو میں کپڑے لے کر آتی ہوں''۔ ریکھا بولی۔

''نہیں میں تمہارے ساتھ چلوں گا''چینٹو بولا تو ریکھا نے اس کو دیکھا اور پھر سیڑھیوں سے اوپر کی جانب جانے لگی چینٹو بھی محتاط انداز میں چلتا ہوا ریکھا کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اوپر پہنچ کر ریکھا نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور کمرے میں داخل ہوگئی چینٹو بھی اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گیا کمرے میں داخل ہو کر چینٹو نے دیکھا کہ ایک بڑا سا کمرہ ہے جس کے بیچ میں ایک کنگ سائز کا بیڈ رکھا ہے بیڈ سے دائیں ہاتھ پر ایک بڑی سی الماری رکھی ہے۔ریکھا اس الماری کی جانب بڑھی چینٹو بھی ریکھا کے پیچھے الماری کی جانب بڑھا ریکھا نے

الماری کھولی اور کن انکھیوں سے چینٹو کو دیکھا جو ریکھا سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہوا تھا اس کی توجہ ریکھا کی جانب نہیں تھی یہ دیکھ کر ریکھا نے ایک دراز آہستہ سے کھولی دراز میں اوپر ہی ایک پستول رکھا ہوا تھا ریکھا نے پستول کے دستے پر ہاتھ رکھا اور پستول دراز سے باہر نکالا اچانک چینٹو نے جھپٹ کر ریکھا کے ہاتھ سے پستول چھین لیا اور پستول کی نال ریکھا کی کنپٹی پر رکھ دی۔

''چالاکی'' مجھ سے چالاکی۔ چلاؤں گولی'' چینٹو نے ٹریگر پر اپنی انگلی کا دباؤ بڑھایا تو ریکھا تھر تھر کانپنے لگی۔

''مم۔۔۔ معاف کردو۔۔۔ اب اب غلطی نہیں کروں گی''۔

''یہ تمہاری پہلی اور آخری غلطی ہے اگر آئندہ کوئی غلطی کی تو۔۔۔'' چینٹو نے پستول لہرا کر کہا۔

''نن۔۔ نہیں۔۔ نہیں اب کوئی غلطی نہیں ہوگی''۔

''کوئی صاف سا جوڑا نکالو'' چینٹو بولا۔

''خود ہی نکال لو'' ریکھا بولی تو چینٹو نے الماری پر نظر دوڑائی اور ایک کالی پینٹ اور ٹی شرٹ نکال لیا۔

''تمہارے پتی کی جو اُس تو کافی اچھی ہے'' چینٹو کپڑے دیکھتے ہوئے کہنے لگا اور کپڑے کندھے پر ڈال کر نیچے ہال میں آ گیا چینٹو کے آگے ریکھا چل رہی تھی جبکہ چینٹو دائیں ہاتھ میں پستول تھامے ہوئے تھا جس کی نال کا رخ ریکھا کی جانب تھا ہال میں آنے کے بعد چینٹو نے کپڑے کندھے پر سے اتار کر صوفے پر رکھے اور پھر اپنے قمیص کے بٹن کھولنے لگا۔

''تت۔ تم یہاں۔ یہاں کپڑے بدلو گے''۔ ریکھا نے بوکھلا کر کہا۔

''ہاں''

''مم۔ میرے سامنے۔ وہاں کمرے میں جا کر بدل لو کپڑے'' ریکھا کے چہرے پر گھبراہٹ طاری تھی۔

''تم اپنا منہ دوسری جانب کر کے کھڑی ہو جاؤ'' چینٹو نے پستول لہرا کر کہا۔

''مم۔ مگر'' ریکھا نے کچھ کہنا چاہا۔

''جو کہہ رہا ہوں وہ کرو'' چینٹو غرایا تو ریکھا اپنا منہ دیوار کی جانب کر کے کھڑی ہو گئی۔ چینٹو نے جلدی سے اپنی قمیص اتاری اور ٹی شرٹ پہن لی پھر اپنی گیلی پینٹ بھی اتار کر دیپ اگروال کی پینٹ پہن لی دیپک کے کپڑے چینٹو کو تھوڑے ڈھیلے تھے مگر اتنے خاص بھی نہیں چینٹو گیلے کپڑوں کے مقابلے میں اب اپنے آپ کو کافی آرام دہ محسوس کر رہا تھا۔

''اپنا چہرہ ادھر کر سکتی ہو''۔ چینٹو نے کپڑے بدلنے کے بعد ریکھا سے کہا تو ریکھا نے مڑ کر چینٹو کی جانب دیکھا چینٹو نے اپنے گیلے کیچڑ زدہ کپڑے اٹھا کر صوفے کے نیچے اس طرح رکھ دیئے کہ پہلی نظر میں کسی کو نظر نہ آ سکے۔

''تت۔ تم کب تک یہاں رُکو گے؟ ریکھا نے کچھ دیر بعد چینٹو سے پوچھا۔

''تھوڑی دیر اور'' چینٹو آرام سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی تو چینٹو اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''اس وقت کون آ گیا؟'' چینٹو نے ریکھا سے پوچھا۔

''پپ۔ پتا نہیں''۔

''تمہارا پتی تو نہیں آ گیا'' چینٹو نے پھر پوچھا۔

''اس کی فلائٹ رات کی ہے وہ آدھی رات کے بعد آئے گا'' ریکھا بولی اسی وقت گھنٹی دوبارہ بجی تو چینٹو نے چاروں طرف نظر گھمائی پھر ایک دروازے پر اس کی نظر رک گئی۔

''یہ دروازہ کہاں کھلتا ہے'' چینٹو نے دروازے کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا وہ دروازہ بالکل مرکزی دروازے کی سیدھ میں تھا۔

''یہ کچن ہے'' ریکھا بولی تو چینٹو نے جلدی سے دروازہ کھولا اور اندر جھانکا واقعی وہ کچن تھا۔

''میں کچن میں تمہارے بچے کے ساتھ رہوں گا اگر تم نے آنے والوں کو میرے بارے میں کچھ بتانے کی کوشش کی تو'' چینٹو نے سوئے ہوئے بچے کو احتیاط کے ساتھ گود میں اس طرح اٹھایا کہ بچے کی نیند خراب نہ ہو۔

''مم۔ میرے بچے کو چھوڑ دو میں۔ میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی'' ریکھا گڑگڑائی اسی وقت گھنٹی دوبارہ بجی۔

''جاؤ جا کر دروازہ کھولو'' چینٹو یہ کہہ کر بچے کو لیکر کچن کی جانب بڑھا۔

''مم۔۔۔ میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گی'' ریکھا خوف سے لرزنے لگی۔

چینٹو ریکھا کو دھمکی آمیز انداز میں دیکھتا ہوا کچن کی جانب بڑھا بچہ چینٹو کی گود میں سو رہا تھا چینٹو نے کچن کے دروازے پر رکنے کے بعد ریکھا کی جانب دیکھا اور بولا ''دروازہ کھولو''۔

چینٹو کی بات سن کر ریکھا مرکزی دروازے کی جانب بڑھی اور چینٹو نے آگے بڑھ کر کچن کا دروازہ بند کیا اور کی ہول سے اپنی آنکھ لگا کر باہر کا منظر دیکھنے لگا۔

ریکھا مرکزی دروازے کی جانب بڑھی اور دروازے کے سامنے رکتے ہوئے بولی ''کون ہے؟''۔

''پولیس'' ریکھا کے سوال کے جواب میں باہر سے آواز آئی تو ریکھا نے ڈرتے ڈرتے مڑ کر کچن کی جانب دیکھا کچن کے کی ہول سے چینٹو کی آنکھ باہر کا سارا منظر دیکھ رہی تھی ریکھا خوف سے لرز اٹھی اس نے ایک گہری سانس لیکر دروازے کی کنڈی گرا دی اور دروازہ کھول دیا دروازہ کھولتے ہی ایک انسپکٹر اور ایک سب انسپکٹر اندر داخل ہو گئے۔

''ریکھا بھابھی کیسی ہیں آپ'' انسپکٹر اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہوں خان بھائی'' ریکھا نے جواب دیا اور کن انکھیوں سے اس دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے چینٹو باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔

''دیپک بمبئی سے واپس آیا یا نہیں'' انسپکٹر خان نے پوچھا۔

''آج رات کو آئیں گے'' ریکھا نے جواب دیا۔

''آپ اکیلی ہیں گھر میں''؟ انسپکٹر خان نے پھر پوچھا۔

''ہاں''۔

''پرکاش'' انسپکٹر خان نے اپنے ساتھ آنے والے سب انسپکٹر کو مخاطب کیا۔

''جی سر''۔

''اس گھر کا خاص خیال رکھنا یہ میرے بھائی جیسے دوست کا گھر ہے'' انسپکٹر خان نے پرکاش سے کہا پھر ریکھا کی جانب مڑا۔ ''یہ سب انسپکٹر پرکاش ہے اور آج رات اسی محلے میں ڈیوٹی دے رہا ہے یہ یہاں کا خاص خیال رکھے گا''۔

''کوئی خاص بات ہے خان بھائی'' ریکھا نے پوچھا۔

''ایک چور سنار کی دکان سے چوری کر کے بھاگا ہے ہمیں کسی گھر میں اس نے پناہ لے رکھی ہے اسی کی تلاش ہے'' انسپکٹر خان نے کہا۔

''اوہ''۔

''آپ آرام کیجئے۔ ہم باہر پہرہ دے رہے ہیں'' انسپکٹر خان نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا اسی کے ساتھ سب انسپکٹر پرکاش بھی گھر سے باہر نکل گیا۔ پولیس کے جاتے ہی چینٹو باہر نکل آیا۔

''انسپکٹر خان سے کیا جان پہچان ہے''؟ چینٹو نے ریکھا کے قریب آتے ہوئے درشت لہجے میں پوچھا۔

''وہ میرے پتی دیپک کے بچپن کے دوست ہیں'' ریکھا بے جواب دیا۔

''اوہ۔۔۔ پھر تو یہ دوبارہ بھی آسکتا ہے'' چینٹو سوچتے ہوئے بولا چینٹو کی بات کا ریکھا نے کوئی جواب نہیں دیا چینٹو صوفے پر بیٹھ گیا اور اس نے سوتے ہوئے بچے کو صوفے پر لیٹا دیا۔ ریکھا چینٹو کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔

ابھی انہیں بیٹھے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک بار پھر دروازے کی گھنٹی بجنے لگی۔

''کون ہو سکتا ہے''؟ چینٹو نے پستول کی نالی ریکھا کی جانب کرتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے کیا معلوم''؟ ریکھا نے جواب دیا۔

''جاؤ جا کر دروازہ کھولو اور دھیان رکھنا میں کچن

کے دروازے کے پیچھے سے سب کچھ دیکھتا رہوں گا'' چینٹو نے کہا اور ایک بار پھر سوتے بچے کو اٹھا کر کچن کی جانب چل دیا اور کچن کا دروازہ کھول کر کچن میں داخل ہوا اور دروازے کے کی ہول سے آنکھ لگا کر باہر کا منظر دیکھنے لگا چینٹو کے جانے کے بعد ریکھا بھی صوفے سے اٹھی اور مرکزی دروازے کی جانب چل دی اور دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے پہلے کچن کی جانب دیکھا اور پھر دروازہ کھول دیا۔

دروازے پر اس کی پڑوسن شیکھا سروپ کھڑی تھی دروازہ کھلتے ہی شیکھا گھر کے اندر چلی آئی ریکھا بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی اور کن انکھیوں سے کچن کے دروازے کو دیکھ رہی تھی جہاں چینٹو اس کے معصوم بچے کو ڈھال بنائے کھڑا تھا۔

''اگروال بھائی بمبئی سے واپس آ گئے؟'' شیکھا نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔آج رات کو واپس آجائیں گے'' ریکھا نے جواب دیا۔

''بلو کہاں ہے؟'' شیکھا نے ریکھا سے اس کے بیٹے کے متعلق پوچھا۔

''وہ۔۔وہ بلو اوپر سو رہا ہے'' ریکھا نے بوکھلا کر جواب دیا۔

''ارے بلو کو اکیلا اوپر چھوڑ کر آ گئی ہو اگر وہ اٹھ گیا تو۔۔۔'' شیکھا گھبرا کر صوفے سے کھڑی ہوگئی۔

''مم۔۔میں بھی اوپر ہی تھی گھنٹی کی آواز سن کر آ گئی ہوں'' ریکھا بولی تو شیکھا نے اطمینان کا سانس لیا۔

''ارے ہاں ریکھا تم نے سنا ہمارے محلے میں کوئی چور گھس آیا ہے باہر پولیس نے چاروں طرف پہرہ لگا دیا ہے تم ذرا محتاط رہنا'' شیکھا نے کہا۔

''ہاں انسپکٹر خان ابھی آئے تھے انھوں نے بتایا اسی لئے میں نے ساری کھڑکی دروازے بند کر رکھے ہیں'' ریکھا بولی۔

''ہاں یہ تم نے ٹھیک کیا''۔

''تم۔۔کیسے آئی ہو؟'' ریکھا نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''ارے دیکھو باتوں ہی باتوں میں میں بتانا بھول گئی کل میرے گھر درگا پوجا ہے تم ضرور آنا'' شیکھا بولی۔

''ہاں۔۔ہاں میں ضرور آؤں گی'' ریکھا جلدی سے بولی۔

''اچھا میں چلتی ہوں تم ذرا دھیان سے رہنا'' شیکھا بولی اور اٹھ کر باہر کی جانب چل دی دروازے کے پاس رک کر کچن کی جانب دیکھنے لگی تو ریکھا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

''تمہارا کچن کا دروازہ کھلا ہوا ہے'' شیکھا نے دروازے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں وہ۔۔میں بلو کے لئے دودھ بنا رہی تھی اسی لئے شاید دروازہ کھلا رہ گیا'' ریکھا جلدی سے بولی۔

''اچھا میں چلتی ہوں کل درگا پوجا میں ضرور آنا'' شیکھا بولی اور وہاں سے چلی گئی شیکھا کے جانے کے بعد ریکھا نے سکون کا سانس لیا اور دروازہ بند کر دیا۔

شیکھا کے جاتے ہی چینٹو بلو کے سینے سے لگائے کچن سے نکلا تو ریکھا نے جلدی سے بلو کو اپنی آغوش میں لے لیا بلو کسمسا رہا تھا ریکھا نے اس کی پیٹھ پر تھپکی دی تو وہ پھر سو گیا ریکھا نے احتیاط کے ساتھ اسے صوفے پر لیٹا دیا۔ چینٹو سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ ریکھا بھی بلو کو تھپکنے کے بعد دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''تم آخر کب تک یہاں رکو گے''؟ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ریکھا نے پوچھا۔

''اس وقت یہ گھر میرے لئے سب سے زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ انسپکٹر خان کے دوست کا گھر ہے اور یہاں کی تلاشی اسی لئے نہیں لی جا رہی۔۔۔'' چینٹو اطمینان کے ساتھ بولا۔

''میں یہ پوچھ رہی ہوں کہ تم کب تک یہاں رکو گے؟'' ریکھا نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

''بس پولیس مطمئن ہو کر چلی جائے تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا'' چینٹو بولا۔

''اور اگر پولیس نے صبح تک محلے سے پہرہ نہیں

ہٹایا تو" ریکھا بے چین ہوگئی۔

"یہ تمہاری قسمت ہے" چینٹو اطمینان کے ساتھ صوفے سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا تو ریکھا نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا چینٹو ریکھا کے تیکھی نظریں دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"یہ سگریٹ کون پیتا ہے" چینٹو نے صوفے کے سامنے رکھی میز پر سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"میرے پتی دیپک چین اسموگر ہے" ریکھا بولی تو چینٹو نے سر ہلا دیا اور پھر پیکٹ سے ایک سگریٹ نکال کر اپنے ہونٹوں میں دبالی۔

"مجھے بھی ایک سگریٹ دو" ریکھا نے چینٹو کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تم سگریٹ پیتی ہو؟"۔

"عموماً تو نہیں ۔۔مگر ٹینشن کے وقت پی لیتی ہوں؟" ریکھا نے جواب دیا تو چینٹو نے سگریٹ کا پیکٹ اس کی جانب بڑھا دیا ریکھا نے پیکٹ میں سے ایک سگریٹ نکالا اور پیکٹ میز پر رکھ دیا۔

"ماچس لاؤں" ریکھا نے بھی سگریٹ منہ سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں میرے پاس لائیٹر ہے" اتنا کہہ کر چینٹو نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک سونے کا بنا خوبصورت لائیٹر نکال کر اسے جلایا جیسے ہی چینٹو نے لائیٹر جلایا لائیٹر میں سے سریلی میوزک نکلنے لگی چینٹو نے پہلے ریکھا کی سگریٹ جلائی اور پھر اپنی سگریٹ کو آگ دکھائی۔

"لائیٹر تو بہت خوبصورت اور قیمتی معلوم ہوتا ہے" ریکھا لائیٹر کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"میرا نہیں ہے یہ میں نے اسی سنار کا چرایا ہے جہاں میں چوری کرنے گیا تھا" چینٹو بھی لائیٹر کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں اچھالتا ہوا بولا۔

"اور کیا کیا چرایا سنار کی دکان سے" ریکھا سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کچھ نہیں صرف یہ لائیٹر اٹھا کر تجوری کی جانب بڑھا ہی تھا کہ سالا سنار دکان میں داخل ہوگیا اور اس نے چور چور کا شور مچادیا اور مجھے وہاں سے ترنت بھاگنا پڑا" چینٹو بولا تو ریکھا مسکرانے لگی اور اس نے سگریٹ کا ایک گہرا کش مارا اور دھواں اپنی ناک اور منہ سے نکال کر فضا میں چھوڑ دیا۔

چینٹو اور ریکھا کافی دیر تک باتیں کرتے رہے رات ڈھلتی جارہی تھی چینٹو نے صوفے سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں آنکھیں بند کرنے کے باوجود چینٹو پوری طرح چوکس تھا وقفے وقفے سے کن آنکھیوں سے ریکھا کی جانب دیکھتا رہتا تھا ریکھا نے بھی صوفے کی پشت سے اپنا سر ٹکا دیا اور آنکھیں بند کرلیں تھوڑی دیر ہی میں ریکھا کی آنکھ لگ گئی اور وہ سوگئی اس کے خراٹے فضا میں گونجنے لگے۔ چینٹو نے تھوڑی دیر بعد اپنی آنکھیں پوری کھولیں اور ریکھا کہ جانب دیکھا جو صوفے کی پشت سے سر ٹکائے گہری نیند سو رہی تھی۔ چینٹو آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھا اور ریکھا کی جانب بڑھا اور ریکھا کے چہرے کے سامنے دو تین بار اپنا ہاتھ اس طرح لہرایا جیسے وہ دیکھنا چاہتا ہو کہ ریکھا سو رہی ہے یا مکر کر رہی ہے۔ جب چینٹو کا اطمینان ہوگیا کہ ریکھا سوگئی ہے تو وہ آہستہ سے ریکھا کہ بیڈروم کی جانب بڑھا۔ چینٹو کو اس وقت باتھ روم کی حاجت محسوس رہی تھی ۔چینٹو بغیر آواز کئے ریکھا کہ بیڈروم میں داخل ہوا سامنے ہی بیڈروم سے متصل باتھ روم تھا جس کا دروازہ آدھا کھلا اور آدھا بند تھا چینٹو باتھ روم کی جانب بڑھا اور اس نے باتھ روم کا دروازہ پورا کھولا اور باتھ روم میں داخل ہوگیا مگر۔۔۔مگر باتھ روم میں داخل ہوتے ہی چینٹو کے چودہ طبق روشن ہوگئے باتھ کے فرش پر ایک لاش پڑی تھی چینٹو لاش دیکھ کر بہت زیادہ گھبرا گیا اس نے لاش کی چہرے پر نظر ڈالی تو۔۔تو وہ چونک اٹھا اس کے آنکھوں کے سامنے ڈرائنگ روم میں لگی بڑی سے تصویر گھوم گئی۔

"یہ۔۔۔یہ تو دیپک اگروال کی لاش ہے" چینٹو کے ذہن میں آواز ابھری چینٹو گھبرا کر چیختا ہوا بیڈروم سے باہر کی جانب بھاگا اور دو دو تین سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے نیچے پہنچا۔ چینٹو کی چیخ سن کر ریکھا کی آنکھ کھل گئی۔

''کیا ہوا؟'' ریکھا نے بوکھلا کر پوچھا۔

''وہ۔۔وہ وہاں ۔۔تت تمہارے باتھ روم۔۔'' چینٹو کے منہ سے بے ربط باتیں نکلی۔

''کیا ہوا باتھ روم میں'' ریکھا نے پھر پوچھا۔

''وہاں باتھ روم میں تمہاری پتی دیپک کی لاش پڑی ہے'' چینٹو حواس بحال کرتا ہوا بولا۔

''پاگل ہو گئے ہو تم۔۔۔دیپک اس وقت بمبئی میں ہے'' ریکھا بولی۔

''نہیں۔۔نہیں میں نے خود دیپک کی لاش باتھ روم میں دیکھی ہے'' چینٹو بولا۔

''تمہاری آنکھوں نے دھوکا کھایا ہوگا'' ریکھا بولی۔

''چلو۔۔چل کر خود دیکھ لو'' چینٹو بولا۔

''اچھا چلتی ہو'' ریکھا صوفے سے کھڑی ہوتے ہوئے بولی مگر اس سے پہلے کے وہ دونوں بیڈروم کی جانب قدم بڑھاتے دروازے کی گھنٹی بجنے لگی۔

''کون آ گیا اتنی رات کو'' چینٹو بولا۔

''ہو سکتا ہے میرے پتی آئے ہو'' ریکھا بولی۔

''نہیں۔۔نہیں ان کی لاش میں نے خود باتھ روم میں دیکھی ہے'' چینٹو جلدی سے بولا تو ریکھا نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر دروازے کی جانب بڑھی اور پوچھا ''کون ہے''؟

''پولیس'' باہر سے آواز آئی تو ریکھا نے چینٹو کی جانب دیکھا چینٹو نے جلدی سے سوئے ہوئے ببلو کو گود میں اٹھایا اور کچن کی جانب چل دیا کچن کا دروازہ کھول کر چینٹو نے ریکھا کی جانب دیکھا اور آنکھوں سے دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا اور ببلو کے لیکر کچن میں داخل ہو گیا اور کچن کا دروازہ بند کر کے کی ہول سے اپنی آنکھ لگا دی تا کہ باہر کا منظر دیکھ سکے۔

چینٹو کے کچن میں جانے اور کچن کا دروازہ بند ہونے کے بعد ریکھا نے مرکزی دروازہ کھولا باہر سب انسپکٹر پرکاش کھڑا تھا دروازہ کھلتے ہی پرکاش اندر داخل ہو گیا چینٹو کچن کے دروازے کے کی ہول سے آنکھ ٹکائے باہر کا منظر دیکھ رہا تھا اور اس کے کان ریکھا اور پرکاش کی باتیں سن رہے تھے۔

''میڈم آپ ٹھیک ہے میں نے ابھی ابھی کسی کے چیخنے کا آواز سنی ہے'' پرکاش نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں یہاں کوئی نہیں ہے۔۔میں ٹی وی دیکھ رہی تھی'' ریکھا نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ کے پتی دیپک اگروال بمبئی سے آ گئے؟'' پرکاش نے سوال کیا۔

''نہیں میں ان ہی کے انتظار میں جاگ رہی ہوں'' ریکھا نے جواب دیا پرکاش دروازے سے چلتا ہوا صوفوں کے پاس آیا اور میز پر سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھاتے ہوئے بولا ''یہ سگریٹ کون پی رہا تھا''۔

''میں۔۔کبھی کبھار کا شوق کر لیتی ہوں'' ریکھا نے کہا تو پرکاش سر ہلانے لگا۔

''اجازت ہو تو میں بھی ایک سگریٹ لے لو۔۔میرا سگریٹ کا پیکٹ پولیس اسٹیشن ہی میں رہ گیا ہے'' پرکاش بولا تو ریکھا نے رضامندی سے سر ہلا دیا پرکاش نے سگریٹ کے پیکٹ سے سگریٹ نکالا اور اپنے ہونٹوں میں دبایا اور اسے سلگانے کے لئے ادھر ادھر دیکھنے لگا ریکھا آگے بڑھی اور اس نے میز پر رکھا چینٹو کا سونے لائیٹر اٹھایا اور پرکاش کا سگریٹ سلگا دیا۔

''خوبصورت لائیٹر ہے'' پرکاش ریکھا سے لائیٹر لے کر دیکھتا ہوا بولا تو ریکھا نے کچھ کہے بغیر سر ہلا دیا پرکاش لائیٹر اپنے ہاتھوں میں لیکر اچھالنے لگا۔

''میں آپ کا بیڈروم دیکھنا چاہتا ہوں'' پرکاش نے ریکھا سے کہا اور اوپر کی جانب قدم بڑھانے لگا۔

''آپ۔۔اس طرح میرے بیڈروم میں نہیں جا سکتے'' ریکھا جلدی سے پرکاش کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے بولی ریکھا کے اس طرح پرکاش کے سامنے کھڑی تھی کہ اس کی کمر کچن کے دروازے کے سامنے آ گئی تھی اور چینٹو کو باہر کا کوئی منظر نہیں آ رہا تھا۔ ریکھا کچھ دیر تک پرکاش کو کنونس کرتی رہی کہ وہ اس کے بیڈروم میں نہ جائے اور پرکاش اس کے بیڈروم میں جانے پر اصرار کرتا رہا

اسماء الحسنیٰ کامیابی کا راستہ

پریشانیوں سے چھٹکارہ
ہمارا ہر عمل دنیا کے ہر کونے میں اثر کرتا ہے

آرزوئیں اس طرح بھی پوری ہو جایا کرتی ہیں

ہر مشکل کا حل بذریعہ موکلات جس پریشانی کی وجہ سے آپ کی زندگی موت سے بھی بدتر ہو گئی ہو اور ہر عامل ناکام ہو گیا ہو ہم سے مشورہ ایک مرتبہ ضرور لیں عامل وہ جس کا علم سات سمندر پار چلے کالے و سفلی جادو ختم پتھر سے پتھر دل محبوب تابع ہو گا اولاد فرمان بردار خاوند سے بے رخی بچوں کے اچھے رشتے اور کاروبار میں کامیابی وہ لوگ مایوس نہ ہوں بلکہ اپنی آخری امید سمجھ کر سید عالم شاہ سے رابطہ کریں انشاء آپ محسوس کریں گے ایک فون کال نے ہماری زندگی بدل دی

شادی کرنی ہو یا رکوانی ہو | جادو چلانا ہو یا ختم کرنا ہو
شوہر یا بیوی کی اصلاح | اولاد کا نہ ہونا یا ہو کر مر جانا
گھریلو ناچاقی | کاروباری بندش
جنات کا سایہ | دیگر مسائل

سید عالم شاہ

کا پیغام جو لوگ سوچتے رہتے ہیں
وہ ہمیشہ دکھی رہتے ہیں پلک جھپکنے سے پہلے کام علم جو بگڑے کام بنائے

سسرال میں بہو سب کی آنکھ کا تارا بن سکتی ہے ہر کام رازداری کے ساتھ کلام الٰہی سے ہر پریشان حال پہلے تعویز سے آپکی اجڑی ہوئی زندگی میں بہار ایک فون کال پر آپ کے مسائل کا حل ایک فون کال پر

خواہش زندگی کی کوئی خواہش ہے یا کسی کو پانے کی تمنا اپنوں کی بے رخی سے دکھی ہیں یا میاں بیوی کی رنجش کو ختم کرنا ہے

غرض کوئی بھی جائز خواہش ہے تو پوری ہو گی انشاء اللہ

میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں فون ملائیے اور آزما لیجئے
ایک بار ہمیں خدمت کا موقع دیں کامرانیاں آپ کے قدم چومیں گی اور آپ یقیناً بہترین اور خوشگوار زندگی کا لطف اٹھائیں گے
نوٹ: جو خواتین و حضرات خود نہیں آسکتے وہ گھر بیٹھے فون کریں اور ہم سے کام لیں انشاء اللہ کامیابی ہو گی

وہ علم ہی کیا جس میں اثر نہ ہو وہ آنکھیں ہی کیا جن میں شرم نہ ہو وہ علم ہی کیا جس میں عمل نہ ہو وہ زبان ہی کیا جس میں اثر نہ ہو

سید عالم شاہ
رام تلائی چوک جی ٹی روڈ گجرات
0300-6282386

۔بالآخر پرکاش مان گیا اور ریکھا کو احتیاط کرنے کا کہہ کر واپس چلا گیا۔ پرکاش کے جاتے ہی ریکھا نے کچن کا دروازہ کھول دیا۔ کچن کے دروازے کے سامنے چینٹو بلو کو سینے سے لگائے کھڑا تھا۔

''چلا گیا انسپکٹر'' پرکاش بلو کے صوفے پر لیٹاتا ہوا بولا۔

''ہاں''۔

''اس نے بیڈروم نہیں دیکھا''۔

''نہیں''۔

''ہاں۔۔تم۔کیوں اس کو بیڈروم میں جانے دیتی کیونکہ وہ بیڈروم میں جاتا تو یقیناً باتھ روم بھی چیک کرتا جہاں دیپک کی لاش پڑی ہے'' چینٹو طنزیہ لہجے میں بولا۔

''پاگل ہو تم۔بالکل پاگل۔دیپک ابھی دہلی واپس نہیں آیا ہے'' ریکھا نے تیز لہجے میں کہا تو چینٹو کو ریکھا پر غصہ آگیا اور اس نے آگے بڑھ کر ریکھا کے بال پکڑے اور اس بیڈروم کی جانب کھینچنے لگا۔

''چھوڑو میرے بال'' ریکھا نے اپنے بال چینٹو کے ہاتھ سے چھڑائے۔

''چلو میں تمہیں دیپک کی لاش دکھاؤں'' چینٹو نے ریکھا کا ہاتھ پکڑا اور اسے بیڈروم کی جانب لیکر جانے لگا۔

''چلو دیکھ لیتی ہوں۔کہاں ہے دیپک کی لاش'' ریکھا نے چینٹو سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اس کے ساتھ بیڈروم کی جانب چلنے لگی بیڈروم میں پہنچ کر چینٹو نے جلدی سے باتھ روم کا دروازہ کھولا اور ریکھا کو بولا'' دیکھو۔دیکھو دیپک کی لاش''۔

چینٹو کے یہ کہنے پر ریکھا باتھ روم میں داخل ہوئی اور اس نے باتھ روم پر پوری نظر دوڑائی اسے باتھ روم میں کوئی لاش نظر نہیں آئی تو وہ چمک کر بولی'' کہاں ہے لاش''۔

''وہ کیا ہے باتھ روم کے فرش پر۔۔'' چینٹو نے ہاتھ کے اشارہ سے کہا اور پھر چونک اٹھا اب باتھ روم میں کوئی لاش نہیں تھی۔

''یہ۔یہ لاش کہاں گئی'' چینٹو بوکھلا گیا۔

''تمہاری آنکھوں کا دھوکا ہے سب۔یہاں کوئی لاش نہیں ہے'' ریکھا بولی۔

''رام قسم۔میں نے خود دیکھی تھی یہیں پڑی تھی لاش'' چینٹو نے بوکھلا کر ہاتھ کے اشارے سے اس جگہ کی نشان دہی کی جہاں لاش پڑی تھی۔

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے تم پاگل ہو گئے ہو'' ریکھا بولی اور باتھ روم سے نکل کر بیڈروم میں آگئی اور پھر بیڈروم سے نکل کر نیچے کی جانب جانے لگی۔ چینٹو کچھ دیر باتھ روم میں کھڑا سوچتا رہا پھر وہ بھی باتھ روم سے نکل آیا اور ریکھا کے پیچھے نیچے کی جانب چل دیا۔

نیچے پہنچ کر ریکھا صوفے پر بیٹھ گئی اور چینٹو سیڑھیوں کے پاس کھڑا تھا چینٹو کے چہرے پر کشمکش کے اظہار نمایاں تھے وہ کبھی ریکھا کو دیکھتا اور کبھی اوپر بیڈروم کے دروازے پر نظر ڈالتا اور پھر سوچوں میں گم ہو جاتا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر دیپک اگروال کی لاش کہاں گئی اس نے پورے ہوش وحواس میں دیپک کی لاش باتھ روم کے ٹب کے پاس پڑی ہوئی دیکھی تھی اور اب۔۔۔اب لاش وہاں پر نہیں ہے چینٹو سوچ رہا تھا اسی وقت فون کی گھنٹی نے خاموش فضا میں ارتعاش برپا کیا ریکھا جو ٹیلیفون کے پاس ہی بیٹھی تھی اس نے ٹیلیفون کا کریڈل اٹھالیا۔

''ہیلو'' ریکھا فون اٹھا کر بولی اس سے پہلے کہ ریکھا فون پر کچھ اور بولتی چینٹو تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور اس نے ریکھا کہ ہاتھ سے کریڈل چھین لیا اس طرح کریڈل چھیننے کی وجہ سے ریکھا کہ منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی چینٹو نے جلدی سے کریڈل فون پر رکھا اور پستول ریکھا کی کنپٹی سے لگا کر بولا۔''مجھ سے پوچھے بغیر کوئی فون نہیں اٹھانا''۔

''مم۔۔۔میں نے بے خیالی میں فون اٹھالیا تھا'' ریکھا منمنائی چینٹو ریکھا کو گہری نظر سے دیکھتا ہوا سیڑھیوں سے نیچے اترا اور صوفے پر بلو کے سرہانے بیٹھ گیا۔اس کے ماتھے پر سوچ کی گہری شکنیں نمایاں ہونے لگیں۔

کتنی ہی دیر تک چینٹو ایک ہی پوزیشن میں بیٹھا

سوچ رہا تھا کہ اچانک دروازے کی گھنٹی بجی تو چینٹو چونک اٹھا۔

''اس وقت کون آسکتا ہے'' چینٹو نے ریکھا سے پوچھا۔

''شش۔شاید میرے پتی دیپک آئے ہوں گے'' ریکھا ہاتھ ملتے ہوئے بولی۔

''تمہارا پتی مر چکا ہے اور شاید اسے تم نے ہی مارا ہے۔ میں نے اس کی لاش اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے'' چینٹو بولا۔

''پاگل ہو تم پورے پاگل۔خود اپنی آنکھوں سے تم نے باتھ روم دیکھا ہے وہاں کوئی لاش تھی''۔ریکھا بولی۔

''لیکن پہلے میں نے اپنی آنکھوں سے دیپک کی لاش دیکھی تھی'' چینٹو کے چہرے پر بے یقینی تھی۔

''اگر تم نے اپنی آنکھوں سے اس کی لاش دیکھی تھی تو پھر لاش کہاں غائب ہوگئی'' ریکھا بولی تو چینٹو سے کوئی جواب نہ بن پڑا وہ صرف گہری نظروں سے ریکھا کو دیکھے جارہا تھا اس کے چہرے پر عجیب بے یقینی کی سی کیفیت تھی جیسے کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی ہو۔

اسی وقت دروازے کی گھنٹی دوبارہ بجی تو چینٹو نے جلدی سے سوئے ہوئے ببلو کو گود میں اٹھایا اور اوپر بیڈ روم کی جانب چل دیا بیڈ روم کے دروازے کے پاس رک کر اس نے ریکھا کو اشارہ کیا کہ وہ دروازہ کھول دے اور خود بیڈ روم میں داخل ہو کر اس نے بیڈ روم کا دروازہ بند کر دیا۔

جیسے ہی چینٹو نے بیڈ روم کا دروازہ بند کیا ریکھا نے مرکزی دروازہ کھول دیا دروازہ کھولتے ہی انسپکٹر خان اور سب انسپکٹر پرکاش اندر داخل ہوئے۔

''ریکھا بھابھی آپ۔۔۔آپ خیریت سے تو ہیں نا''؟ انسپکٹر خان نے اندر داخل ہونے کے بعد ریکھا سے پوچھا ساتھ ہی انسپکٹر خان کی آنکھیں سرچ لائٹ کی طرح چاروں طرف گردش کرنے لگی جیسے وہ گھر میں موجود کسی غیر معمولی بات کا جائزہ لے رہے ہو۔

''جی۔جی میں ٹھیک ہوں'' ریکھا نے لڑکھڑاتی زبان سے جواب دیا۔

''پھر آپ فون پر چیخی کیوں تھی''؟ انسپکٹر خان نے پوچھا۔

''فون پر میں چیخی تھی؟'' ریکھا نے حیرانگی سے پوچھا۔

''ابھی میں نے فون کیا تھا تو آپ نے ہیلو کہا اور پھر آپ کی ہلکی سی چیخ سنائی دی اور فون کا رابطہ منقطع ہوگیا ایسا لگا جیسے کسی نے آپ کے ہاتھ سے کریڈل لیکر فون پر رکھ دیا ہو۔سب خیریت ہے نا'' انسپکٹر خان نے کہا۔

''وہ۔۔۔وہ'' ریکھا کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ فون کی گھنٹی ایک بار پھر بجنے لگی ریکھا فون کی جانب بڑھی اس کے پیچھے انسپکٹر خان اور پرکاش بھی فون کے پاس آئے ریکھا نے جیسے ہی فون اٹھانا چاہا تو انسپکٹر خان نے اسے روک دیا اور خود آگے بڑھ کر فون کا کریڈل اٹھا کر اپنے کان سے لگایا۔

''ہیلو'' انسپکٹر خان فون کان سے لگاتے ہوئے بولے۔

''جی ہاں یہ دیپک اگروال کا ہی گھر ہے آپ کون'' دوسری جانب کی بات سن کر انسپکٹر خان بول اٹھے۔

''اچھا بمبئی سے کال ہے۔جی کہیے''

''جی دیپک تو بمبئی ہی میں ہے'' دوسری جانب سے شاید دیپک سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار ہوا تو انسپکٹر خان بولے۔

''اچھا دیپک دوپہر کی فلائیٹ سے دہلی روانہ ہو گیا۔مگر وہ ابھی تک گھر نہیں پہنچا'' انسپکٹر خان دوسری جانب کی بات سن کر بول اٹھے۔

''آپ نے خود دوپہر کی فلائیٹ میں دیپک کو سوار کرایا۔دیکھئے ابھی تک تو دیپک گھر نہیں آیا۔جیسے ہی وہ گھر آتا ہے میں آپ کی بات اس سے کروادوں گا'' انسپکٹر خان نے اتنا کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا فون پر بات کرنے کے بعد انسپکٹر خان کی کشادہ پیشانی پر بل پڑنے لگے ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو۔

''کیا بات ہے سر۔کس کا فون تھا'' فون رکھنے کے بعد سب انسپکٹر پرکاش نے انسپکٹر خان سے پوچھا۔

''بمبئی سے کال تھی دیپک سے بات کرنا چاہ رہے تھے'' انسپکٹر خان سوچتے ہوئے بولے۔

''مگر دیپک تو بمبئی ہی میں ہیں'' ریکھا انسپکٹر خان کی بات سن کر بول اٹھی۔

''دیپک دوپہر کی فلائیٹ سے دہلی کے لئے روانہ ہو چکا ہے'' انسپکٹر خان ریکھا کی بات سن کر بولے۔

''تو۔۔۔ پھر دیپک صاحب کہاں رہ گئے'' پرکاش ریکھا اور انسپکٹر خان کی بات سننے کے بعد سوچتا ہوا بولا۔

''یہی بات تو میں سوچ رہا ہوں کہ اگر دیپک دوپہر کو بمبئی سے روانہ ہوا ہے تو اسے شام چھ سات بجے تک گھر پر آجانا چاہئے تھا'' انسپکٹر خان نے جواب دیا پھر کچھ سوچنے کے بعد بولے ''میں دیپک کے موبائل پر فون کرتا ہوں''

اتنا کہہ کر انسپکٹر خان نے اپنا موبائل نکالا اور دیپک کا نمبر ملا کر اسے کال کرنے لگے کچھ دیر بعد انہوں نے موبائل آف کر دیا۔

''کیا ہوا سر'' پرکاش نے پوچھا۔

''دیپک کا موبائل بند آرہا ہے'' انسپکٹر خان نے پریشانی سے ماتھا رگڑتے ہوئے کہا۔ ''نہ جانے دیپک کہاں ہے''۔

''میں بتاتا ہوں کہ دیپک کہاں ہے'' اچانک اوپر کے بیڈروم سے چینٹو ہاتھ میں پستول لئے اور بلو کو کندھے سے لگائے بیڈروم سے نکلا اور سیڑھیوں سے نیچے اترا۔

''چینٹو تم۔۔'' انسپکٹر خان نے اپنا پستول نکالنے کی کوشش کی۔

''نہیں انسپکٹر خان یہ غلطی نہ کیجئے'' چینٹو پستول لہراتے ہوئے بولا پھر اس نے سوئے ہوئے بلو کو صوفے پر لٹا دیا اور خود انسپکٹر خان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''چینٹو اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دو ورنہ۔ تم بچ کر نہیں جا سکتے'' انسپکٹر خان نے چینٹو سے کہا۔

''میں ابھی اسی وقت خود کو قانون کے حوالے کرتا ہوں۔ مگر آپ مجھے گارنٹی دیتے ہیں کہ میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی'' چینٹو ایک ایک لفظ چباتے ہوئے بولا۔

''میں گارنٹی دیتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔۔۔۔۔ مگر تمہیں اپنے ساتھ کس قسم کی زیادتی کا خطرہ ہے'' انسپکٹر خان نے پہلے چینٹو کی بات کا جواب دیا پھر حیرت سے پوچھا۔

''میں ایک چور ہوں اور چوری میرا کام ہے مگر مجھے خطرہ ہے کہ یہاں مجھے خون کے جرم میں پھنسا دیا جائے گا'' چینٹو بولا۔

''خون کس کا خون'' انسپکٹر خان نے حیرت سے پوچھا۔

''دیپک اگروال کا خون''۔

''دیپک اگروال کا خون؟''۔

''جی ہاں۔ میں نے دیپک کی لاش بیڈروم سے ملحق باتھ روم میں اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی مگر اب لاش وہاں نہیں ہے'' چینٹو بولا۔

''لاش اب وہاں نہیں ہے مطلب لاش کہاں گئی'' انسپکٹر خان کی حیرت قابلِ دید تھی۔

''اگر آپ مجھے اس بات کی گارنٹی دیتے ہیں کہ میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی تو میں آپ کو پوری کہانی سناتا ہوں'' چینٹو بولا۔

''چینٹو۔ میں قانون کا رکھوالا ہوں میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ اس پستول کو درمیان سے ہٹا لو'' انسپکٹر خان نے کہا تو چینٹو سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے اپنا سر اوپر کیا اور پستول انسپکٹر خان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مجھے پورا یقین ہے کہ آپ اپنی بات کا مان رکھیں گے یہ لیجئے پستول میں سرنڈر کرتا ہوں'' چینٹو نے اتنا کہہ کر پستول انسپکٹر خان کی جانب بڑھا دیا جسے انسپکٹر خان نے رومال سے پکڑ کر اپنی جیب میں رکھ لیا جیسے ہی انسپکٹر خان نے چینٹو سے پستول لیکر اپنی جیب میں رکھا سب انسپکٹر پرکاش تیزی کے ساتھ چینٹو کی جانب بڑھا تاکہ اسے گرفتار کر سکے مگر انسپکٹر خان پرکاش اور چینٹو کے درمیان آگئے۔

''چینٹو نے خود سرنڈر کیا ہے۔ ہمیں پہلے اس کی ساری بات سننی ہوگی''۔

''سر یہ کرمنل ہے۔ ہمیں اسے گرفتار کرنا چاہیے ہوسکتا ہے دیپک کا قتل بھی اسی نے کیا ہو''۔ پرکاش بول اٹھا۔

''پھر بھی ہمیں چینٹو کی پوری بات سننی ہوگی''۔ انسپکٹر خان پرکاش سے بولے اور پھر چینٹو کی جانب متوجہ ہوئے ''کہو چینٹو تم کیا کہنا چاہتے ہو''۔

''سر جب میں آنند راج سنار کی دکان میں چوری کی نیت سے داخل ہوا اور وہاں چوری کرنے میں، میں ناکام رہا۔ میرے چوری کرنے سے پہلے ہی آنند راج وہاں آگئے اور انہوں نے چور چور کی آوازیں لگانی شروع کیں تو میں وہاں سے بھاگا آنند راج بھی میرے پیچھے چور چور چیختے ہوئے بھاگنے لگے آنند کی آواز سن کر مارکیٹ میں آئے کئی لوگ میرے تعاقب میں دوڑ پڑے میں جان بچانے کے لئے جان توڑ بھاگ رہا تھا مگر میں نے محسوس کیا کہ میں زیادہ دیر تک نہیں بھاگ سکتا تو میں نے اردگرد کا جائزہ لیا اس مکان کا دروازہ کھلا ہوا تھا میں دروازے سے گزر کر گھر میں داخل ہوگیا اور پردے کے پیچھے چھپ گیا۔ میرے گھر میں گھسنے کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ عورت دروازے میں کھڑی محلے کے کسی لڑکے سے بات کررہی ہے اور وہ لڑکا اس عورت کو میرے متعلق بتا رہا ہے جب وہ لڑکا چلا گیا تو یہ عورت دروازہ بند کر کے اندر آئی تو میں نے اسے قابو کیا اور کچھ دیر اس گھر میں پناہ لینے کی بات کی اس عورت نے مجھے پناہ دی مجھے اس وقت حیرت ہوئی کہ اس نے اتنی جلدی میری بات کیوں مان لی۔ پھر میں نے اس کے پتی کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ بمبئی گیا ہوا ہے اور آدھی رات کو واپس آئے گا میں مطمئن ہوگیا جب پہلی بار آپ یہاں آئے تھے تو میں کچن میں چھپا ہوا تھا اس عورت نے میرے متعلق آپ کو کوئی اشارہ تک نہیں دیا۔ پھر میں نے اپنے گیلے کیچڑ زدہ کپڑے دیپک کے کپڑوں سے تبدیل کئے اور آرام سے یہاں بیٹھ گیا اس دوران میں نے اس سے سگریٹ مانگی تو نہ صرف اس نے مجھے سگریٹ دی بلکہ خود بھی سگریٹ پی۔ ان صوفوں پر بیٹھے بیٹھے ہم دونوں سوگئے۔ کسی وقت میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا یہ عورت سو رہی ہے مجھے باتھ روم کی حاجت محسوس ہوئی تو میں اٹھ کر بیڈ روم میں گیا اور بیڈ روم سے متصل باتھ روم کا دروازہ کھولا اور اندر گیا تو۔۔۔۔ تو دیپک اگروال کی لاش میں نے باتھ روم میں دیکھی۔'' چینٹو یہاں تک بتا کر رک گیا۔

''کیا۔ دیپک کی لاش باتھ روم میں ہے؟'' انسپکٹر خان تیزی کے ساتھ اوپر بیڈ روم میں جانے کے لئے سیڑھیوں کی جانب دوڑے مگر چینٹو نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں روک دیا۔

''اب دیپک کی لاش باتھ روم میں نہیں ہے'' چینٹو بولا۔

''پاگل ہے یہ شخص۔ اس نے مجھے یرغمال بنا کر رکھا ہوا تھا اور عجیب عجیب باتیں کررہا تھا'' ریکھا اچانک چیخنے لگی۔

''اگر دیپک کی لاش باتھ روم میں تم نے دیکھی تو وہ لاش کہاں گئی''۔ سب انسپکٹر پرکاش بول اٹھا۔

''پتا نہیں''۔

''جھوٹ بول رہے ہو تم۔۔۔ لاش کے کوئی پیر نہیں ہوتے جو وہ خود سے اٹھ کر کہیں چلی جائے'' پرکاش پھر تیز لہجے میں بولا پھر وہ انسپکٹر خان کے جانب مڑا ''سر یہ جھوٹی کہانی بنا رہا ہے ہمیں اسے فوراً گرفتار کرلینا چاہئے''۔

''چینٹو اگر تم نے دیپک کی لاش دیکھی ہے تو پھر وہ لاش کہاں گئی'' انسپکٹر خان نے چینٹو سے پوچھا۔

''لاش یہاں ہے سر'' گھر کے بیرونی دروازے کے پاس سے آواز آئی تو سب نے چونک کر اس جانب دیکھا جہاں دو پولیس والے ایک اسٹریچر پر ایک لاش رکھے ہوئے گھر میں داخل ہوئے اور لاش کو دیوار کے ساتھ کونے میں رکھ دیا۔

''مسز اگروال پلیز آپ آیئے اور ذرا اس لاش کو شناخت کیجئے'' ایک پولیس والا بولا تو ریکھا پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ لاش کے قریب گئی جیسے ہی ریکھا لاش کے قریب پہنچی پولیس والے نے لاش کے منہ سے چادر ہٹا دی۔ لاش دیکھتے ہی ریکھا چیخ پڑی۔

''دیپک۔دیپک'' اتنا کہہ کر ریکھا لاش سے لپٹ کر رونے لگی۔

''یہی۔ یہی لاش تھی جو میں نے باتھ روم میں دیکھی تھی'' چینٹو زور سے چیخا اور لاش کی جانب بڑھا۔ چینٹو کی آواز سن کر ریکھا کھڑی ہوگئی اور چینٹو کا گریبان پکڑ کر بولی۔ ''تم۔تم نے میرے دیپک کو قتل کیا ہے''۔

''سر۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا میں چور ہوں۔ قاتل نہیں'' چینٹو گھبرا کر بولا۔

''سر میرا خیال ہے اسی نے دیپک صاحب کا خون کیا ہے'' پرکاش بھی بول اٹھا۔

''نہیں۔نہیں۔ میں نے کوئی قتل نہیں کیا'' چینٹو پھر چیخا انسپکٹر خان نے غور طلب نظروں سے پہلے لاش کو دیکھا اور پھر سب لوگوں کو دیکھا پھر وہ چینٹو کے قریب آئے۔

''چینٹو تم نے لاش کب دیکھی تھی''۔

''تقریباً ایک گھنٹہ پہلے''۔

''اوہ''۔

''سر میرا خیال ہے اس چینٹو کی مڈبھیڑ دیپک صاحب سے باہر ہی ہوگئی تھی اور اس چینٹو نے انہیں مار کر گھر میں داخل ہوا'' پرکاش پھر بول اٹھا۔

''نہیں نہیں میں نے کبھی دیپک کو زندہ حالت میں دیکھا ہی نہیں ہے۔ پہلی بار میں نے دیپک کو لاش کی صورت میں باتھ روم میں دیکھا تھا'' چینٹو پھر چیخ اٹھا۔

''اگر تم نے لاش باتھ روم میں دیکھی تھی تو پھر لاش گھر سے باہر کیسے چلی گئی'' انسپکٹر خان سوچتے ہوئے بولے ''دیپک دوپہر کی فلائیٹ سے بمبئی سے آیا تھا اس کا مطلب ہے وہ چھ سات بجے تک گھر پہنچ گیا ہوگا''۔

''سر اور یہی وقت تھا جب چینٹو اس گھر میں داخل ہوا'' پرکاش بول اٹھا۔

''چینٹو تم نے پہلی بار باتھ روم میں لاش دیکھی اور بعد میں لاش باتھ روم سے غائب ہوگئی اس دوران اس گھر میں کون کون آیا تھا'' انسپکٹر خان سوچ سوچ کر بول رہے تھے۔

''کون آیا تھا'' چینٹو سوچنے لگا۔

''کوئی نہیں آیا تھا یہ۔ یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے'' ریکھا ہذیانی کیفیت میں بولی۔

''آپ بے فکر رہیں بھابھی۔ میں بات کی تہہ تک جلد ہی پہنچ جاؤں گا'' انسپکٹر خان نے کارنس پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا اور ریکھا کو پانی کا گلاس دیتے ہوئے بولا ریکھا نے پانی کا گلاس لیا اور غٹاغٹ پی لیا۔

''ہاں یاد آیا'' چینٹو اچانک چمک کر بولا ''جب میں نے باتھ روم میں لاش دیکھی تو میری چیخ نکل گئی اور میں بھاگتا ہوا وہاں سے یہاں آیا میں مسز دیپک سے ابھی یہی کہا تھا کہ باتھ روم میں لاش پڑی ہوئی ہے کہ دروازے کی گھنٹی بجی میں گھنٹی کی آواز سن کر گھبرا گیا اور ببلو کو اٹھا کر کچن میں چھپ گیا اور کچن کے دروازے کے کی ہول سے یہاں کا منظر دیکھنے لگا مسز دیپک نے جب دروازہ کھولا تو ایک شخص اندر آیا اور مسز ریکھا سے باتیں کرنے لگا پھر مسز دیپک کچن کے دروازے کے سامنے اس طرح کھڑی ہوگئی کہ مجھے باہر کا کوئی منظر نظر نہیں آیا مسز دیپک پانچ منٹ تک کی ہول کے سامنے کھڑی رہی پھر انہوں نے دروازہ کھول دیا تو میں نے دیکھا کہ وہ شخص یہاں سے جا چکا ہے پہلے میں یہ سمجھا کہ مسز دیپک مجھے بچا رہی تھی مگر۔۔۔۔مگر اب مجھے احساس ہو رہا وہ مجھے نہیں بلکہ اپنے آپ کو بچا رہی تھی'' چینٹو کی بولتے بولتے سانس پھول گئی۔

''جھوٹ بول رہا ہے یہ اسی نے۔اسی نے میرے دیپک کو مارا ہے'' ریکھا پھر چیخنے لگی۔

''بیڈ روم کے باتھ روم میں تم نے دیپک کی لاش دیکھی تھی'' انسپکٹر خان نے چینٹو سے پوچھا۔

''جی ہاں''۔

چینٹو کا جواب سن کر انسپکٹر خان بیڈ روم کی جانب بڑھ گئے اور بیڈ روم میں داخل ہو کر سیدھے باتھ روم میں گئے اور باتھ روم کا معائنہ کرنے لگے باتھ روم کو معائنہ کرنے کے بعد انسپکٹر خان بیڈ روم کے بیڈ کے پاس پہنچے اور بیڈ کے پاس کھڑے ہو کر بیڈ روم کا جائزہ لینے لگے اچانک ان کی نظر ڈریسنگ ٹیبل کے نیچے پڑی جہاں سے

ایک سرخ رنگ کا کارڈ کا ذرا سا حصہ جھانک رہا تھا انسپکٹر خان ڈریسنگ ٹیبل کے پاس پہنچے اور جھک کر ڈریسنگ ٹیبل کے نیچے سے وہ کارڈ نکالنے لگے کارڈ کافی اندر تھا صرف اس کا ذرا سا حصہ نظر آرہا تھا انسپکٹر خان نے ڈریسنگ ٹیبل پر نظر دوڑائی تو انہیں ایک پن نظر آئی انسپکٹر خان نے اس پن کی مدد سے اس کارڈ کو ڈریسنگ ٹیبل کے نیچے سے نکالا اور اسے پڑھنے لگے وہ جہاز کا بورڈنگ پاس تھا جس پر واضح طور پر دیپک اگروال کا نام تاریخ اور وقت لکھا ہوا تھا۔

''اس کا مطلب ہے دیپک گھر آ گیا تھا'' انسپکٹر خان نے سوچا اور پھر کارڈ کو اپنی جیب میں رکھ لیا اور بیڈ روم سے باہر کی جانب چل دیئے۔

''چینٹو تم اس آدمی کو پہچان سکتے ہو۔ جو تمہارے اش دیکھنے کے بعد یہاں آیا تھا'' نیچے اترنے کے بعد انسپکٹر خان نے چینٹو سے پوچھا۔

''ہاں''۔

''کون تھا وہ''۔

''وہ شخص اس وقت اسی کمرے میں موجود ہے'' چینٹو نے کہا۔

''کون''؟ انسپکٹر خان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''آپ کا سب انسپکٹر پرکاش۔۔۔۔ یہی شخص اس وقت یہاں آیا تھا'' چینٹو نے ڈرامائی انداز میں پرکاش کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا بکواس ہے یہ'' چینٹو کے الزام پر انسپکٹر پرکاش بھڑک اٹھا ''سر میں صرف ایک مرتبہ آپ کے ساتھ یہاں آیا تھا''۔

''چینٹو تمہیں یقین ہے وہ شخص انسپکٹر پرکاش تھا'' انسپکٹر خان نے چینٹو سے پوچھا۔

''سو فیصد یقین ہے بلکہ مسز دیپک اور انسپکٹر پرکاش جس طرح باتیں کر رہے تھے ایسا لگتا تھا جیسے یہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں'' چینٹو بولا۔

''سر یہ جھوٹ بول رہا ہے میں پہلی بار آپ کے ساتھ ہی یہاں آیا تھا اور میں اسی وقت مسز اگروال سے ملا تھا اس سے پہلے میں مسز اگروال کو جانتا تک نہیں تھا'' سب انسپکٹر پرکاش نے جلدی سے انسپکٹر خان سے کہا۔

''بھابھی اس بارے میں آپ کیا کہتی ہیں'' انسپکٹر خان نے ریکھا کو مخاطب کیا۔

''میں بھی انسپکٹر پرکاش کو پہلی بار ہی دیکھ رہی ہوں۔ یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے'' ریکھا نے چینٹو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''سر یہ دیکھئے لاش کے ہاتھ میں کچھ ہے'' ایک پولیس والا جو دیپک کی لاش کے پاس بیٹھا تھا بول اٹھا اس پولیس والے کی بات سن کر انسپکٹر خان پھرتی کے ساتھ لاش کے پاس پہنچے اور دیپک کی مٹھی دیکھنے لگے جو مضبوطی کے ساتھ بند تھی انسپکٹر خان لاش کے پاس بیٹھ گئے اور انہوں نے لاش کی مٹھی کھولی تو اس مٹھی میں کسی کی جیب کا کپڑا تھا انسپکٹر خان نے وہ کپڑا اٹھایا اور سب کو دکھانے لگے۔

''کوئی پہچانتا ہے اس کپڑے کو'' انسپکٹر خان نے سب لوگوں کو وہ کپڑا دکھاتے ہوئے پوچھا۔

''یہ۔ یہ کپڑا تو میری اس قمیض کی جیب ہے جو میں نے یہاں اتار کر رکھی تھی'' چینٹو بوکھلا کر بولا اور صوفے کے نیچے سے اپنے کیچڑ زدہ کپڑے نکالے اور انہیں کھول کر دیکھنے لگا۔ انسپکٹر خان آگے بڑھے اور انہوں نے چینٹو سے اس کی کیچڑ لگی ہوئی قمیض لے لی اور اسے دیکھنے لگے۔

''یہ جیب اسی قمیض کی ہے'' انسپکٹر خان قمیض سے جیب کا کپڑا ملاتے ہوئے بولے۔

''سر اس سے ثابت ہو گیا کہ دیپک اگروال کا خون چینٹو ہی نے کیا ہے'' سب انسپکٹر پرکاش بول اٹھا۔

''نہیں۔۔۔ نہیں۔ میں نے کوئی خون نہیں کیا'' چینٹو چیخ اٹھا۔

''ہوں'' انسپکٹر خان نے ایک لمبی سانس بھری اور کچھ سوچنے لگے۔

''سر آپ کیا سوچ رہے ہیں'' سب انسپکٹر پرکاش نے انسپکٹر خان سے پوچھا۔

''اس قتل کے متعلق ہی سوچ رہا ہوں۔ اس وقت میرے سامنے دو کہانیاں ہیں ایک کہانی جو لاش سنا رہی ہے

اور ایک کہانی جو مسٹر چینٹو بتا رہے ہیں۔۔۔۔ سچی کہانی کون سی ہے یہ معلوم کرنا ہے'' انسپکٹر خان بولے۔

''سر چینٹو جھوٹ بول رہا ہے اس لاش کے ہاتھوں میں چینٹو کی قمیص کا کپڑا ہونے کا صاف مطلب ہی ہے کہ باہر چینٹو اور مسٹر اگروال کی لڑائی ہوئی اور چینٹو نے مسٹر اگروال کا گلا دبا کر انہیں مار دیا اور پھر اسی گھر میں پناہ لے کر ایک جھوٹی کہانی بنادی'' سب انسپکٹر پرکاش سوچتے ہوئے کہنے لگا۔

''یہ۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ میں چور ہوں قاتل نہیں'' چینٹو چیخنے لگا۔

''بھابھی دیپک کو آپ نے آخری بار کب دیکھا تھا'' انسپکٹر خان نے ریکھا سے پوچھا جو سیڑھیوں کی ریلنگ سے ٹیک لگائے اداس کھڑی تھی۔

''دو دن پہلے جب دیپک بمبئی جا رہے تھے'' ریکھا نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

''اگر دیپک زندہ اس گھر میں واپس نہیں آیا تو پھر اس کا یہ بورڈنگ پاس آپ کے بیڈروم میں کیسے آیا'' انسپکٹر خان نے اپنی جیب سے بورڈنگ کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔

''مم۔۔۔ میں نہیں جانتی یہ کہاں سے آیا'' ریکھا روتے ہوئے کہنے لگی۔

''سر ہوسکتا ہے جس طرح چینٹو کی قمیص کی جیب پھٹ کر مسٹر اگروال کے ہاتھ میں آگئی تھی اسی طرح مسٹر اگروال کا بورڈنگ کارڈ چینٹو کے ہاتھ لگ گیا ہو اور چینٹو نے اپنی کہانی سچ ثابت کرنے کے لئے خود ہی بورڈنگ کارڈ بیڈ روم میں گرا دیا ہو'' سب انسپکٹر پرکاش جلدی سے بولا۔

''سچ کہہ رہے ہو تم'' انسپکٹر خان نے پرکاش کی بات سن کر جواب دیا۔

''نہیں۔۔۔ نہیں یہ جھوٹ ہے میں نے اس شخص کو کبھی زندہ حالت میں نہیں دیکھا'' چینٹو لاش کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''مانک۔ چینٹو کو ہتھکڑی لگاؤ'' انسپکٹر خان نے کہا پھر چینٹو کی جانب مڑے اور چینٹو سے کہا ''مسٹر چینٹو درویدی میں تمہیں مسٹر دیپک اگروال کے قتل کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں''۔

''نہیں۔ نہیں میں نے کوئی قتل نہیں کیا'' چینٹو چیخنے لگا۔

''اب جو کچھ آپ کو کہنا ہے وہ عدالت میں کہنا'' اتنا کہہ کر انسپکٹر نے سپاہی مانک کو اشارہ کیا تو اس نے آگے بڑھ کر چینٹو کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دی۔ انسپکٹر خان نے اپنی جیب سے سگریٹ نکالی اور منہ سے لگالی اور سگریٹ جلانے کے لئے لائٹر یا ماچس ڈھونڈنے لگے۔

''شاید میں اپنا لائیٹر پولیس اسٹیشن ہی میں بھول آیا ہوں'' انسپکٹر خان نے اپنی جیبیں ٹٹولتے ہوئے کہا۔

''پرکاش تمہارے پاس لائٹر ہے'' انسپکٹر خان نے پرکاش سے کہا تو اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر لائٹر نکالا اور لائٹر کا بٹن دبایا تو لائٹر سے شعلہ بلند ہوا شعلے کے ساتھ ہی دلفریب موسیقی بھی لائٹر سے نکلنے لگی۔ لائٹر کی موسیقی سن کر چینٹو چونک اٹھا اور اس نے جلدی سے پرکاش کے ہاتھ سے لائٹر چھین لیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے'' پرکاش چینٹو کے اس طرح لائٹر چھیننے پر غصہ ہوگیا۔

''یہ۔۔۔ یہ لائٹر تمہارا ہے'' چینٹو لائٹر دکھاتے ہوئے بولا۔

''جب میرے پاس ہے تو میرا ہی ہے'' پرکاش جز بز ہوگیا۔

''سر یہ لائٹر میں نے آنند راج سنار کی دکان سے چرایا تھا اور سگریٹ پیتے ہوئے یہاں پر رکھ دیا تھا انسپکٹر پرکاش کہہ رہے ہیں کہ یہ صرف آپ کے ساتھ یہاں آئے جبکہ یہ آپ کے بعد بھی یہاں آئے تھے اور انہوں نے بے خیالی میں یہ لائٹر اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا تھا'' چینٹو جوش کے ساتھ بولا۔

''کیا بکواس ہے یہ میرا لائٹر ہے'' پرکاش چیخا۔

''سر ابھی آنند راج سنار کو بلایئے دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوجائے گا'' چینٹو جوش میں بھرا ہوا تھا انسپکٹر خان

نے چینٹو سے لائٹر لیا اور اسے غور سے دیکھنے لگے۔

''سر یہ میرا لائٹر ہے'' پرکاش ہاتھ بڑھا کر لائٹر انسپکٹر خان سے لینا چاہتا تھا مگر انسپکٹر خان نے اپنا ہاتھ پیچھے کرلیا اور سپاہی مانک سے مخاطب ہوئے۔

''مانک۔ سیدھے ہاتھ پر جو تیسرا مکان ہے وہ آنند راج سنار کا ہے ذرا جلدی سے اسے بلا کر لے آؤ'' انسپکٹر خان کی بات سن کر کانسٹیبل مانک بھاگتے ہوئے گیا اور پانچ منٹ بعد ہی آنند راج سنار کے ساتھ واپس آیا آنند راج سنار ادھیڑ عمر کا ایک فربہ شخص ہے۔ آنند راج گھر کے اندر داخل ہوتے ہی سیدھا انسپکٹر خان کے قریب آیا اور بولا۔ ''خیریت انسپکٹر صاحب۔ اتنی رات گئے آپ نے مجھے بلایا''۔

''آپ کو تکلیف دینے کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ سے تھوڑی مدد چاہئے'' انسپکٹر خان نے آنند راج سنار سے کہا۔

''جی۔ جی انسپکٹر صاحب۔ کہئے میں کیا مدد کرسکتا ہوں''۔

''ذرا اس لائٹر کو پہچانئے یہ آپ کا لائٹر ہے'' انسپکٹر خان نے لائٹر آنند راج کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا آنند راج نے لائٹر انسپکٹر خان کے ہاتھ سے لیا اور اسے دیکھنے لگے۔

''جی سر یہ میرا لائٹر ہے جسے اس شخص نے میری دکان سے چرایا تھا'' آنند راج لائٹر کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

''نہیں یہ لائٹر میرا ہے میں نے مارکیٹ سے خریدا تھا'' پرکاش چیخ اٹھا۔

''مسٹر آنند آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ آپ کا لائٹر ہے'' انسپکٹر خان نے آنند راج سنار سے پوچھا۔

''بہت آسانی سے سر۔ یہ لائٹر میری بیوی نے مجھے تحفے میں دیا تھا اور یہ دیکھئے اس پر باریک حرفوں میں لکھا ہے with love R۔

اور R مراد ہے ریچا۔۔۔۔۔ جو میری بیوی کا نام ہے'' آنند راج نے لائٹر پر باریک حرفوں میں لکھا ہوا With love R انسپکٹر خان کو دکھاتے ہوئے کہا۔

''R کا مطلب ہے ریکھا۔ یہ لائٹر ریکھا نے مجھے دیا تھا'' سب انسپکٹر پرکاش بوکھلا کر بولا۔

''ہاں۔ ہاں یہ لائٹر میں نے پرکاش کو گفٹ میں دیا تھا'' ریکھا بھی جلدی سے بول اٹھی ریکھا اور پرکاش کی بات سن کر انسپکٹر خان مسکرانے لگے۔

''پرکاش تم اپنے کہے میں خود پھنس چکے ہو۔ ابھی تم دونوں نے یہ کہا تھا کہ تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں ہو۔۔۔ تو پھر دو اجنبیوں میں یہ تحفے تحائف کا لین دین کیوں'' انسپکٹر خان مسکراتے ہوئے کہنے لگے انسپکٹر خان کی بات سن کر پرکاش اور ریکھا پریشانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''مجھے بیڈ روم سے صرف بورڈنگ کارڈ ہی نہیں ایک اور چیز بھی ملی ہے'' انسپکٹر خان نے ڈرامائی انداز میں کہا ''تم دونوں وہ چیز دیکھنا چاہو گے'' اتنا کہہ کر انسپکٹر خان نے اپنی پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جب ان کا ہاتھ جیب سے باہر آیا تو سب نے دیکھا ان کے ہاتھ میں ایک بلیک اینڈ وائٹ تصویر ہے۔

''یہ تصویر کسی کالج کے پاسنگ آؤٹ کی ہے جب طلبہ اپنی تعلیم مکمل کر کے کالج کو الوداع کہتے ہیں اور ان کے اعزاز میں الوداعی پارٹی دی جاتی ہے اور اس تصویر میں ریکھا اور پرکاش دونوں صاف نظر آرہے ہیں۔۔۔ اس کا مطلب ہے کہ تم دونوں کالج فرینڈ ہو'' انسپکٹر خان بولے۔

''اگر۔۔۔ اگر میں اور ریکھا کالج فرینڈ ہے تو۔۔۔ تو اس سے یہ مطلب ہوا کہ ہم نے دیپک کو مارا ہے'' سب انسپکٹر پرکاش نے اٹکتے ہوئے جملہ مکمل کیا مگر اب پرکاش کا لہجہ کھوکھلا تھا چند منٹ پہلے کا اس کا اعتماد اب مفقود تھا۔

''اس کا ایک اور مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ۔۔۔۔۔ دیپک نے تمہیں اور ریکھا کو اس حالت میں دیکھ لیا ہوگا جس حالت میں شاید کوئی پتی اپنی پتنی کو

برداشت نہیں کرسکتا اور پھر تمہارے اور دیپک کے درمیان ہاتھا پائی شروع ہوگئی جس میں دیپک کی جان چلی گئی۔۔۔ ویسے بھی میں نے معلوم کرلیا ہے چار بجے سے سات بجے تک تم پولیس اسٹیشن سے غائب تھے'' انسپکٹر خان نے کہا تو پرکاش دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''مانک۔۔۔ سب انسپکٹر پرکاش اور مسز دیپک کو دیپک اگروال کے قتل کے جرم میں ہتھکڑیاں لگادو'' انسپکٹر خان نے کانسٹیبل مانک سے کہا تو پرکاش اور پیچھے ہٹ گیا اور اس نے پھرتی کے ساتھ اپنا سرکاری پستول نکال لیا۔

''خبردار حرکت مت کرنا۔ ورنہ'' پرکاش پستول سے سب کو نشانہ بناتے ہوئے بولا اور پیچھے کی جانب ہٹنے لگا اس کا ارادہ دروازے سے نکل کر فرار ہونے کا تھا مگر اسی وقت ریکھا تیزی سے آگے بڑھی اور پرکاش کے راستے میں آگئی۔

''ہٹ جاؤ ریکھا ورنہ میں گولی چلادوں گا'' پرکاش غرایا۔

''چلاؤ گولی اس ذلت بھری زندگی سے تو موت بہتر ہے تم نے مجھے ورغلایا اور پرانی محبت کا واسطہ دے کر مجھ سے تعلقات استوار کرلئے۔۔۔ مجھے شرم آتی ہے اپنے آپ سے۔۔۔ مجھے گولی ماردو'' ریکھا پرکاش کی جانب بڑھتے ہوئے بولی۔

''ریکھا رک جاؤ ورنہ میں گولی چلادوں گا'' پرکاش ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھاتے ہوئے بولا مگر ریکھا نے اس کی ایک نہ سنی اور مسلسل اس کے قدم پرکاش کی جانب بڑھتے رہے آخرکار پرکاش نے اپنی انگلی کا دباؤ ٹریگر پر بڑھایا تو ایک زوردار آواز کے ساتھ گولی چل گئی اور گولی سیدھے ریکھا کے سینے میں گھس گئی ریکھا کی ساڑھی اس کے اپنے خون سے سرخ ہونے لگی اور ریکھا اپنا سینہ پکڑے زمین پر گر پڑی جیسے ہی ریکھا کو گولی لگی پرکاش بھی بوکھلا گیا اور اسی بوکھلاہٹ کا فائدہ انسپکٹر خان نے اٹھایا ان کی سیدھی ٹانگ گھومی اور پستول پرکاش کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا جیسے ہی پرکاش کے ہاتھ سے پستول گرا مانک اور دوسرے کانسٹیبلوں نے پرکاش کو دبوچ لیا اور اسے مار مار کر ادھ موا کردیا۔ انسپکٹر خان پرکاش کی جانب سے مطمئن ہوکر ریکھا کی جانب بڑھے اور ریکھا کے پاس زمین پر بیٹھ گئے اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

''مانک فوراً ایمبولنس کو فون کرو'' انسپکٹر خان نے اپنے کانسٹیبل سے کہا تو وہ اسپتال کو فون ملانے لگا۔

''نہیں خان بھائی۔ اب بہت دیر ہوچکی ہے میں نے اپنے پاپوں کی سزا پائی ہے مجھے کوئی افسوس نہیں۔۔۔۔۔ میں نے جو پاپ کیا ہے یہ اس کی بہت کم سزا ہے بھگوان مجھے معاف کرے بس آپ مجھے وچن دیں۔۔۔ کہ۔۔۔ کہ میرے بلو کو اپنا بیٹا۔ بیٹا سمجھ کر پالیں گے۔'' ریکھا اپنا جملہ مکمل نہ کرسکی اور اپنے گناہوں کی سزا پانے کے لئے دوسری دنیا سدھار گئی۔ ریکھا کے مرتے ہی بلو روتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا انسپکٹر خان نے ریکھا کی بے نور آنکھیں بند کیں اور اس کا سر آہستہ سے زمین پر رکھ دیا اور اٹھ کر بلو کے پاس آئے اور بلو کو گود میں اٹھا کر اپنے سینے سے لگالیا۔

''ریکھا۔۔۔ بلو میرا بیٹا ہے اور یہ ہمیشہ میرا بیٹا رہے گا'' انسپکٹر خان نے بلو کو سینے سے لگاتے ہوئے ریکھا کی لاش کی جانب منہ کرکے کہا۔

''چینٹو۔ تم نے ایک ذمہ دار شہری کی طرح پولیس کی مدد کی ہے میں کوشش کروں گا کہ تمہیں کم سے کم سزا ہو مگر ابھی تمہیں آنند راج سنار کی دکان میں چوری کرنے پر گرفتار کیا جاتا ہے'' انسپکٹر خان نے چینٹو سے کہا اور مانک کو اشارہ کیا تو مانک چینٹو اور پرکاش کو ہتھکڑیاں لگا کر باہر لے گیا انسپکٹر خان بلو کو گود میں لئے ریکھا کی لاش کے پاس بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں اسپتال سے ایمبولینس آگئی اور انہوں نے ریکھا اور دیپک کی لاش کو اسٹریچر پر رکھ کر ایمبولنس میں رکھا اور اسپتال کے لئے روانہ ہوگئے انسپکٹر خان بلو کو گود میں لئے بوجھل دل کے ساتھ اپنی پولیس کی جیپ کی جانب بڑھ گئے۔

پراسرار دلہن

شہزاد خان-صادق آباد

اپنی نوعیت کی عجیب کہانی جس کا مرکزی کردار ایک نئی نویلی دلہن تھی وہ لمحہ جب ایک خوبرو حسینہ نے ایک بھیانک ڈائن کا روپ دھارا تو اسے دیکھنے والے اپنے حواس کھو بیٹھے۔

قدم قدم پر.....خوف پھیلاتی اور دل و دماغ پر سکتہ طاری کرتی، ناقابل فراموش کہانی

گھر کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سجایا گیا تھا پورے گھر میں رنگ برنگی روشنیوں کا جیسے سیلاب آ گیا تھا۔ عورتیں، بچے، بوڑھے جوان غرض سب نئے کپڑوں میں ملبوس ادھر ادھر بھاگ دوڑ میں مصروف تھے۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی، ایک طرف جوان بچیاں ایک بوفر پر شادی کے نغمات اونچی آواز میں چلانے کے باوجود ڈھولکی پر اپنے اوٹ پٹانگ قسم کے گانے الاپنے میں مصروف تھیں۔ شکیلہ کی خوشی دیدنی تھی کیونکہ آج اس کے اکلوتے بھائی ارشد کی شادی تھی جو اس کی اپنی پسند کی لڑکی سے ہونے جارہی تھی۔ ارشد اس سے تین سال بڑا تھا اور ان دونوں میں خوب بنتی تھی۔ ارشد پیشے کے اعتبار سے ایک ڈاکٹر تھا جو ایک چھوٹے سے ہسپتال میں ملازمت کرتا تھا اس کے والد رحمان علی کا شہر میں چمڑے کا کاروبار تھا جو زیادہ تر

بیرون ممالک کو ایکسپورٹ کیا جاتا تھا گھر میں خوشحالی تھی اس لئے ان دونوں بہن بھائی کو اچھی تعلیم حاصل کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔

ارشد تو خیر سے ایک ڈاکٹر بن کر اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کو بخوبی نبھا رہا تھا لیکن شکیلہ ابھی زیر تعلیم تھی اس نے فائن آرٹ کا شعبہ چنا تھا۔ اور شہر کے نامور انسٹی ٹیوٹ سے ڈگری مکمل کرنے کے لئے داخلہ لے چکی تھی۔

ارشد کو ایک روز ہسپتال سے واپسی پر سڑک پر اداس بیٹھی ایک جوان لڑکی نظر آئی جو اتنی رات گہری ہونے کے باوجود سڑک کے کنارے بیٹھی تھی نہ جانے وہ کون تھی؟ اور رات کے اس وقت سڑک کنارے کیوں بیٹھی تھی؟

ارشد پہلے تو گاڑی کو اسپیڈ سے دوڑاتے بہت آگے نکل گیا تھا لیکن اچانک بیک مرر میں اسے سڑک کے دائیں کنارے بیٹھی وہ لڑکی جو اپنا چہرہ نیچے کئے خاموش بیٹھی تھی دکھائی دینے پر اچانک اس نے زور سے گاڑی کو بریک لگائے اور تیزی سے گاڑی کو ریورس کرتے ہوئے اس سڑک کنارے بیٹھی لڑکی کے نزدیک پہنچ کر گاڑی روک دی..... اور پھر تیزی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا اس لڑکی کے قریب پہنچ کر اس نے اسے مخاطب کیا..... "کون ہو تم.....؟ اور اس وقت یہاں کیوں بیٹھی ہوئی ہو.....؟

لڑکی نے شاید اس کی بات سنی نہیں اس لئے وہ خاموشی سے سر نیچے کئے اسی انداز میں بیٹھی رہی..... یہ دیکھ کر ارشد نے سڑک کے دونوں جانب دیکھا لیکن دور دور تک کوئی اور گاڑی یا کوئی انسان تک دکھائی نہ دیا۔ اسے بڑی حیرت ہو رہی تھی کہ اس سنسان سڑک پر آخر یہ کون لڑکی ہے۔ اس نے دوبارہ اسے ذرا زور سے مخاطب کرتے ہوئے دوبارہ پوچھا..... محترمہ میں آپ سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔ کون ہو اور اس وقت یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہوئی ہو.....؟ اب شاید اس کے اونچا بولنے پر اس لڑکی پر کچھ اثر ہوتا دکھائی دیا..... اس نے جواب میں اپنا سر اوپر اٹھایا..... اور یہ دیکھ کر ارشد کی آنکھوں میں ایک چمک سی دکھائی دی جیسے کوئی اپنی پسندیدہ چیز کو دیکھ کر اسے پانے کے لئے بے چین ہو جاتا ہے۔ یہ سب جیسے لاشعوری طور پر ہوا تھا کیونکہ وہ لڑکی اس کی سوچ سے زیادہ حسین و جمیل تھی اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھا جیسے کسی نے اس کے چہرے پر سفید رنگ پینٹ کر دیا ہو اس کے سفید چہرے پر سیاہ ہرنی جیسی آنکھیں بہت بھلی لگ رہی تھیں۔ اور ہونٹ اس طرح تھے جیسے گلاب کی پنکھڑیاں ہوں۔ لباس سے وہ یوں لگ رہی تھی جیسے ابھی ابھی کسی شادی کے فنکشن سے آ رہی ہو یا جا رہی ہو.....

غرض اسے دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے قدرت نے بہت پیار سے اسے تخلیق کیا ہو..... اس کی یہ ظاہری شکل اور خدوخال دیکھ کر ارشد نے فوری طور پر اپنے دل میں ایک فیصلہ کر لیا تھا..... اسے یوں لگا تھا کہ جس لڑکی کی اسے تلاش تھی شاید وہ یہی ہے۔ وہ دل ہی دل میں اسے اپنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

لڑکی نے جیسے ہی سر اٹھا کر سامنے ارشد کو دیکھا تو جیسے اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اس نے روتے روتے اسے بتایا کہ وہ شادی کی ایک تقریب میں گئی تھی لیکن وہاں اس کا کسی بات پر اپنے کزن سے جھگڑا ہو گیا تو واپسی میں اس نے انتقام کے طور پر اسے اس ویران اور سنسان سڑک پر چھوڑ دیا..... میں نے اس کی بہت منت سماجت کی لیکن میرے رونے دھونے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا جواب میں، میں تھک ہار کر یہاں دو گھنٹوں سے بیٹھی ہوں کہ شاید کوئی میری مدد کو آ جائے لیکن اس دوران بھولے بھٹکے سے بھی کوئی گاڑی نہیں آئی..... مجھے یہاں ڈر بھی لگ رہا تھا لیکن کیا کرتی پیدل کہاں جا سکتی تھی اس لئے یہ سوچ کر کہ یہیں سڑک کے کنارے بیٹھ کر کسی مدد کا انتظار کرنے میں ہی بہتری ہے..... لڑکی یوں شروع ہو گئی جیسے پہلے سے غصے سے بھری بیٹھی ہو اور کسی ہمدرد کو سامنے پا کر جواب میں پوری تقریر کر ڈالی۔ ارشد ہونق بنا اس کی روداد سن رہا تھا

اسے اس لڑکی سے بہت ہمدردی ہوگئی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے کزن پر غصہ بھی آنے لگا تھا جو اس جوان اور اتنی خوبصورت لڑکی کو یوں سڑک کے بیچ چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔اس نے اس کی تمام بات سننے کے بعد اسے اپنی گاڑی میں بیٹھنے کے لئے کہا.....

لیکن لڑکی اس کی بات سن کر اسے یوں دیکھنے لگی جیسے اسے اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھنا اچھا نہیں لگ رہا ہو.....ارشد بھی شاید اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا چکا تھا۔حالانکہ کچھ دیر پہلے وہ لڑکی خود اسے یہ بتا چکی تھی کہ وہ یہاں بیٹھی کسی مدد کی منتظر تھی اور اب جب کہ وہ اسی کی مدد کو پہنچ گیا تھا تو وہ اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے کے لئے ہچکچا رہی تھی.....۔ارشد نے کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کیا پھر کندھے جھٹکتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف قدم بڑھائے.....

لڑکی شاید اس کے اس رویے کی توقع نہ رکھتی تھی اسے اس طرح واپس لوٹتے دیکھ کر جلدی سے اس کے پیچھے لپکی اسے اپنے پیچھے آتا دیکھ کر ارشد زیر لب مسکرایا اور پھر اندر بیٹھ کر دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا لڑکی گھوم کر دوسری جانب سے اس کی گاڑی میں بیٹھی اور دروازہ بند ہوتے ہی ارشد نے گاڑی آگے بڑھادی۔راستے میں وہ اس سے اس کے متعلق کافی معلومات لے چکا تھا اس کا نام صاعقہ تھا لیکن اس میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس کے ماں باپ کچھ عرصہ پہلے اس دنیا سے جا چکے تھے اور کوئی بہن بھائی تھا نہیں صرف یہی ایک کزن تھا جس کا شہر میں ایک جنرل اسٹور تھا جو شادی شدہ تھا اور اپنی بیوی اور تین بچوں کے ساتھ ایک کرائے کے مکان میں رہ رہا تھا۔والدین کے مرنے کے بعد وہ اس کے ساتھ اس کے گھر میں ہی رہتی تھی اور محلے میں ایک مالدار عورت کے ساتھ دوستی کی وجہ سے اس سے کبھی کبھار شادی وغیرہ میں جانے کے لئے نئے کپڑے اور آرٹیفیشل جیولری لے لیتی تھی اور استعمال کے بعد واپس کر دیتی تھی۔گھر میں اس کی حیثیت ایک ملازمہ کی سی تھی اس لئے رہنے کے لئے اسے کام کاج کر کے وہاں رہنے کا جواز بنانا مجبوری تھی۔

لڑکی کی باتوں سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ دوبارہ اس گھر میں جانا نہیں چاہتی خاص طور پر اس صورتحال میں جب اس کا کزن ایک چھوٹی سی بات کی وجہ سے اسے یوں سنسان سڑک پر چھوڑ کر بھاگ گیا جیسے وہ پہلے سے ہی اپنے دل میں اس بات کا تہیہ کر چکا ہو۔بہرحال جو بھی تھا ارشد کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے وہ تصور ہی تصور میں ساتھ بیٹھی اس حسین و جمیل لڑکی کو اپنی دلہن کے روپ میں دیکھ رہا تھا۔گاڑی فراٹے بھرتی سڑک پر دوڑتی رہی اور پھر تقریباً پندرہ منٹ کے بعد شہر کے ایک بارونق علاقے میں مڑ گئی۔دونوں طرف خوبصورت مکانات بنے ہوئے تھے لیکن اس وقت کوئی بندہ بشر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔چند منٹ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ارشد نے ایک درمیانے طرز کے بنے ایک خوبصورت مکان کے سامنے پہنچ کر گاڑی روک دی۔سیاہ رنگ کا بڑا سا گیٹ بند تھا اس نے گاڑی سے نیچے اتر کر بیل دی دو ایک ہلکی سی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی اور پھر تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد کسی نے اندر سے گیٹ کی کنڈی کھولی اور دوسرے لمحے اسے دوسری طرف اپنی بہن کا چہرہ دکھائی دیا شکیلہ نے جلدی سے دونوں گیٹ کھول دیئے۔انہوں نے کوئی چوکیدار نہیں رکھا تھا اس لئے یہ کام شکیلہ کو ہی کرنا پڑتا تھا۔

ویسے بھی ان دونوں بہن بھائی میں بہت دوستی تھی اور وہ ہر موضوع پر ڈھیروں باتیں کرتے رہتے تھے۔ارشد نے گیٹ کھلتے دیکھ کر دوبارہ گاڑی کو اسٹارٹ کر کے اندر پورچ میں لا کر کھڑا کیا اور دوسرے لمحے اسے شکیلہ کی حیرت سے پھٹی نگاہیں اس گاڑی سے اترتی لڑکی کے چہرے پر ٹکی دکھائی دیں۔جو خود بھی بڑی عجیب سی نگاہوں سے شکیلہ اور گھر کے اطراف نظریں دوڑانے میں مصروف تھی۔

"یہ صاعقہ ہے لیکن اس کے متعلق ابھی کچھ سوال مت کرنا میں تمہیں سب کچھ بتا دونگا"۔ارشد نے

شکیلہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوا اسے مخاطب کیا..... اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتی ارشد نے اسے پہلے سے ہی منع کر دیا۔ شکیلہ شاید اس لڑکی کی خوبصورتی کو دیکھ کر شش و پنج میں مبتلا ہوگئی تھی اس کے اس طرح پکارنے پر یکدم چونک گئی اور پھر اثبات میں سر ہلاتی ہوئی ان دونوں کے پیچھے پیچھے گھر کے اندر داخل ہوگئی۔ ڈرائنگ روم میں ان کے امی اور ابو دونوں جیسے ان کے ہی منتظر تھے لیکن ان دونوں کے ساتھ ایک اجنبی لڑکی کو آتے دیکھ کر بڑی حیرت سے انہیں دیکھنے لگے۔

رات کے وقت ایک جوان اور خوبصورت لڑکی کو ارشد کے ساتھ گھر میں داخل ہونے پر انہیں کافی حیرت کے جھٹکے لگے تھے..... اور جب ارشد نے انہیں تمام تفصیل بتائی تو انہیں اس لڑکی سے ہمدردی ہونے لگی اور پھر بہت مشکل سے ارشد کے امی ابو نے اس لڑکی کو گھر پر رہنے کی اجازت دی لیکن اس شرط پر کہ جب بھی وہ اپنے گھر واپس جانا چاہے گی تو اسے بالکل بھی نہیں روکا جائے گا..... چار و ناچار ارشد نے ان کی یہ بات مان لی لیکن دل ہی دل میں پکا ارادہ کرلیا کہ موقع ملتے ہی اپنے والدین کو اپنی پسند سے ضرور آگاہ کردے گا اور اس کے لئے اس نے شکیلہ کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کرلیا تھا ویسے بھی وہ دونوں اتنے بے تکلف تھے کہ ایکدوسرے کو اپنے دل کی بات بتانے میں ذرا نہیں شرماتے تھے۔ شکیلہ بھی اپنے بھائی کی آنکھوں میں اس انجان لڑکی کے لئے پسندیدگی کے آثار دیکھ چکی تھی لیکن کچھ سوچ کر خاموش ہوگئی تھی۔ اس کے لئے ایک کمرہ اوپر والی منزل پر مختص کر دیا گیا تھا جس میں ضرورت کا سب سامان موجود تھا جو غالباً مہمان وغیرہ کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ اسے کھانا وغیرہ دیکر وہ دونوں اس وقت ارشد کے کمرے میں ہی موجود تھے اور ارشد اسے تمام تفصیل بتا رہا تھا کہ کس طرح اسے ہسپتال سے گھر لوٹتے وقت وہ لڑکی سڑک کنارے بیٹھی دکھائی تھی اور پھر اس کی بتائی ہوئی تمام معلومات وہ پہلے ہی امی ابو کے سامنے اسے سنا چکا تھا۔ لگے ہاتھوں اس نے اسے اپنی پسند کا بھی بتا دیا کہ وہ اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

شکیلہ شاید پہلے سے اسے اپنی بھابھی بنانے کے خواب دیکھ چکی تھی اور دل ہی دل میں اس بات پر فخر کر رہی تھی کہ اگر وہ اس کی بھابھی بن جائے گی تو وہ بڑے فخر سے اپنی سہیلیوں کے ساتھ اس کا تعارف کروا سکے گی۔ اس کی معلومات کے مطابق اس کی کسی سہیلی کی کوئی بھی بھابھی اس لڑکی جیسی خوبصورت اور حسین نہیں تھی۔ کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ دونوں اپنے اپنے کمروں میں سونے کی غرض سے چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

چار ماہ ہوگئے تھے یوں لگتا تھا جیسے صاعقہ کے کزن اور اس کی فیملی نے اس سے پیچھا چھوٹ جانے پر شکرانے کے نوافل ادا کر کے سکون کی سانس لی ہو اور ان چار ماہ میں صاعقہ نے اپنے رویے سے اور رات دن خدمت کر کے ارشد کے والدین کے دل میں اپنے لئے ایک نرم گوشہ پیدا کرلیا تھا اور وہ اسے بھی اب شکیلہ کی طرح اپنی بیٹی کی طرح ہی سمجھنے لگے تھے اور بازار سے واپسی کے وقت اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ اس کی ضرورت کے لئے بھی سامان لے آنے لگے۔ غرض ان چار ماہ میں صاعقہ نے ارشد کے والدین کو بھی یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ بھی اسے ارشد کی دلہن بنانے کا تہیہ کر چکے تھے اور پھر ایک روز موقع دیکھتے ہی ارشد نے اپنی امی ابو کے سامنے اپنی پسند کا اظہار کر دیا اور انہوں نے بھی کوئی اعتراض کئے بناء اس کی اور صاعقہ کی شادی کی تیاری شروع کر دی۔

شکیلہ کے تو جیسے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے وہ سارے گھر میں اڑی اڑی پھر رہی تھی اور بڑی خوشی خوشی وہ اور ارشد روزانہ شادی کی شاپنگ کے لئے سارا سارا دن شاپنگ مالز میں گھومتے پھرتے تھے ارشد بہت خوش تھا اس کا انداز ایسے تھا جیسے اسے جنت کی حور مل گئی ہو وہ بہت بے صبری سے شادی کا

دن کا انتظار کر رہا تھا جب وہ صاعقہ کو دلہن کے روپ میں دیکھ سکے۔

آخر اللہ اللہ کر کے وہ دن آ ہی گیا اور صاعقہ ارشد کی دلہن بن کر اس وقت عجلہ عروسی کے کمرے میں موجود تھی۔ ارشد نے منہ دکھائی میں اسے ہیرے کا ایک بریسلیٹ تحفے میں دیا تھا جسے اس نے اپنے ہاتھوں سے اس کی خوبصورت اور نازک کلائی میں پہنایا تھا۔ ارشد کی خوشی دیدنی تھی اور صاعقہ بھی بہت خوش تھی۔

سہانی رات دھیرے دھیرے صبح کے اجالے کو خوش آمدید کہنے کے لئے کھڑکیوں سے نکلتی جارہی تھی اور صبح کا اجالا دھیرے دھیرے اپنے پنجے پھیلائے کمرے کی کھڑکیوں سے اپنی آمد کا پتہ دینے لگا تھا۔

صبح ہوتے ہی ضروری حاجات سے فراغت پاکر اور تیار ہوکر وہ دونوں ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھے جہاں اس کی بہن شکیلہ اپنے امی ابو کے ساتھ پہلے سی موجود تھی۔ ان دونوں نے پہنچتے ہی سلام کیا اور پھر دونوں نے ان سب کے ساتھ مل کر بھرپور ناشتہ کیا۔ ناشتے سے فراغت کے بعد ارشد کو ایک ایمرجنسی فون آنے پر ہسپتال جانا پڑا اور صاعقہ گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگی۔ اس کے باوجود کے وہ اسی گھر میں چار ماہ سے رہ رہی تھی لیکن ارشد کے والدین نے اسے کچھ دنوں تک گھر کا کام نہ کرنے کی تلقین کی اس کے بار بار انکار کرنے کے باوجود انہوں نے اس کی ایک نہ سنی اور وہ پھر کچھ دیر بیٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے دروازہ بند کیا اور دوسرے لمحے ایک حیرت ناک بات دیکھنے میں آئی کہ کچھ دیر پہلے خوبصورت اور حسین وجمیل دکھائی دینے والا چہرہ ایک انتہائی بھیانک اور بدصورت چہرے میں بدل چکا تھا۔

جی ہاں وہی صاعقہ جو کچھ دیر پہلے جنت کی حور بنی ہوئی تھی اب انتہائی بدصورت اور دل دہلا دینے والے چہرے کے ساتھ اس کمرے میں موجود تھی۔ اس کے چہرے کے خدوخال کسی سو سالہ بوڑھی عورت جیسے ہوگئے تھے چہرے کی کھال لٹک گئی تھی اور باچھوں سے دونو کیلے دانت باہر نکل آئے تھے اور ہاتھوں پر سیاہ بال ابھر آئے تھے۔ پاؤں کی انگلیوں کا سائز بھی بڑھ گیا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں سفید رنگ میں بدل گئی تھیں.....

کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ اس خوبصورت چہرے کے پیچھے ایک انتہائی بھیانک اور مکروہ شکل چھپی ہوئی ہے۔ اپنے چہرے کے خدوخال اور جسمانی تغیر کے بدلتے ہی جیسے وہ کسی اور دنیا کی مخلوق لگنے لگی تھی وہ تیزی سے کمرے میں یوں چکراتی پھر رہی تھی جیسے کوئی بھوکا شخص انتہائی بھوک میں کچھ بھی کھانے والی چیز کے لئے بھاگ دوڑ کرتا ہو۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کمرے میں موجود فرنیچر کو ہڑپ کرجائے وہ تیزی سے کمرے میں موجود ایک اور چھوٹے کمرے میں داخل ہوئی لیکن وہاں بھی اسے ناکامی ہوئی اس کی نظریں بڑی تیزی سے کمرے کی دیواروں چھتوں کی جانب سرچ لائٹس کی مانند گھوم رہی تھیں اور پھر اچانک جیسے اس کی آنکھوں میں ایک چمک دکھائی دی اور اسے اپنے مطلب کی ایک چیز دکھائی دے گئی.....

جی ہاں دیوار کے ایک کونے میں چھت سے چپکی ہوئی ایک موٹی چھپکلی جو نہ جانے اس کمرے میں کب اور کیسے آن گھسی تھی..... اس پر نظر پڑتے ہی وہ تیزی سے ایک بڑی چھپکلی کی مانند بڑی تیزی سے دیوار پر چڑھنے لگی اور اس سے پہلے کہ دیوار پر چپکی چھپکلی اپنے بچاؤ کے لئے کچھ کرتی صاعقہ نے جھپٹ کر اسے دبوچا اور ایک ہی لقمے میں اپنے حلق میں اتار لیا.....

اف خدایا.....!

وہ کیا چیز تھی ایک ہی لقمے میں اس نے اس چھپکلی کو زندہ حالت میں اپنے معدے میں اتار لیا تھا۔ جس طرح وہ دیوار پر چڑھی تھی اسی طرح واپس اتر کر زمین پر موجود تھی۔ وہ دوبارہ اپنی نظروں کو ادھر ادھر دوڑانے لگی شاید اسے پھر کسی اور چیز کی تلاش تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ واش روم کی جانب بڑھتی کمرے کا دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی یہ

آواز سنتے ہی صاعقہ کی ظاہری حالت دوبارہ پہلے والی حالت میں تبدیل ہونے لگی اور چند لمحوں کے بعد وہ پہلے کی طرح جوان اور خوبصورت بنی کمرے میں موجود تھی اس نے دروازہ کھولا تو سامنے شکیلہ موجود تھی.....اس کے ہاتھ میں نئے کپڑوں کا ایک پیکٹ تھا جسے اس نے یہ کہہ کر صاعقہ کی طرف بڑھادیا کہ یہ پیکٹ اسے شادی کے تحائف میں دیا گیا تھا شاید سامان اٹھاتے وقت وہیں نیچے ایک کمرے میں رہ گیا تھا۔

صاعقہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ پیکٹ اس سے لیتے ہوئے اندر آنے کا کہا لیکن شکیلہ کسی کام کر کہہ واپس پلٹ گئی۔ صاعقہ نے چند لمحوں تک اسے واپس جاتے دیکھا اور چہرے پر ایک خبیث سی مسکراہٹ ابھر آئی اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں کی پتلیاں ایک لمحہ کے لئے سفیدی میں بدل گئیں لیکن دوسرے لمحے وہ دروازہ بند کر کے واپس کمرے میں لوٹ آئی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا پیکٹ بیڈ پر اچھال دیا۔ اس کے چہرے پر یوں آثار تھے جیسے اسے شکیلہ کا اس وقت آنا ناگوار گزرا ہو۔ اس نے دانت کچکچاتے ہوئے واش روم کا دروازہ کھولا اور ایک جھٹکے سے بند کر دیا۔

اور دوسرے لمحے واش روم سے یوں آوازیں آنے لگیں جیسے اندر بہت سی بلیاں آپس میں لڑ جھگڑ رہی ہوں اس گھر کے مکین تصور میں بھی یہ نہیں سوچ سکتے تھے کہ جسے وہ ایک خوبصورت دلہن کے روپ میں اپنے گھر لے آئے ہیں وہ درحقیقت ایک بلا ہے ایک انتہائی خوفناک بلا۔

☆.....☆.....☆

گھر میں ایک خوبصورت بلی جو شکیلہ نے اپنے والدین کی مخالفت کے باوجود بڑے پیار سے پالی ہوئی تھی وہ اچانک ایک روز غائب ہوگئی سارے گھر میں ڈھونڈنے کے باوجود کہیں نہیں ملی چھت پر بھی نہیں ملی آس پڑوس کے گھروں سے معلوم کرنے پر اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بلی اس وقت صاعقہ کے پیٹ میں موجود تھی جب وہ ایک رات چپکے سے پانی پینے کی غرض سے کچن میں واپس آتے ہوئے اس بلی کو ہڑپ کر چکی تھی اسی طرح گھر میں موجود اسٹور کے تمام چوہے بھی اس کا تر نوالہ بن چکے تھے۔

ایک روز شکیلہ کے رشتے کے لئے کچھ لوگ گھر میں آئے اور ایک نظر میں ہی انہیں شکیلہ بہت اچھی لگی اور کچھ ہی دنوں میں چٹ منگنی کی رسم ادا کر دی گئی اور ایک ماہ بعد شادی کی تاریخ طے پائی گئی۔ گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

صاعقہ نے اس بار شکیلہ کے ساتھ مل کر اس کی شادی کی تمام شاپنگ کی.....ارشد مصروفیت کی بناء پر جا نہیں پاتا تھا لیکن انہیں ضرورت کے وقت پیسے دے دیتا تھا جو وہ صبح ناشتے سے فارغ ہو کر شاپنگ کی غرض سے بازار نکل جاتی تھیں۔ دن کیسے گزرے پتہ ہی نہیں چلا اور شادی کا دن سر پر آن پہنچا۔

گھر میں تمام رشتہ دار اکٹھے ہوگئے تھے۔ صبح بارات آنا تھی گھر میں مناسب انتظام ہونے کی وجہ سے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ چونکہ سب اپنے ہی عزیز واقارب تھے اس لئے کوئی بدمزگی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ شکیلہ اپنے کمرے میں موجود تھی اور اس کے کمرے میں اس وقت اس کی سہیلیاں اور کچھ رشتہ دار لڑکیاں موجود تھیں جو اس سے چھیڑ چھاڑ میں لگی ہوئی تھیں۔ اتنے میں ایک لڑکی ہاتھ میں ایک سوٹ اٹھائے اس کمرے میں داخل ہوئی اور کہنے لگی.....

''بھئی جس کمرے میں بھی جاؤ دو چار افراد موجود ہیں حتیٰ کہ واش روم بھی خالی نہیں ہیں.....مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کپڑے کہاں تبدیل کروں''.....؟ لڑکی نے بے بسی سے یہ کہتے ہوئے سب کی جانب دیکھا.....وہ سب ہنسی کھیل میں مصروف تھیں اس کی بات سن کر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگیں.....

''میرے خیال میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم بھابی کے کمرے میں چلی جاؤ وہ اس وقت اپنے کمرے میں ہی موجود ہیں ان کے سر میں درد ہو رہا تھا اس لئے آرام کی غرض سے وہ کمرے میں

چلی گئی تھیں.....''۔

شکیلہ نے اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا.....وہ اس کی دور کی کزن تھی جو خانیوال سے اپنی دادی کے ساتھ شادی کی رسومات میں شرکت کی غرض سے لاہور آئی تھی۔شکیلہ کی بات سن کر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور واپس لوٹ گئی۔ چونکہ اسے اس گھر میں آئے تین چار روز ہوگئے تھے اس لئے اسے بھابی صاعقہ کا کمرہ ڈھونڈنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی .....دروازے کے سامنے پہنچ کر ہاتھ سے دروازہ کھٹکھٹانے پر دوسری طرف کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد کسی کے چٹخنی کھولنے کی آواز آئی اور دروازہ کھلتے ہی دوسری طرف صاعقہ کی شکل نظر آئی اس کے چہرے سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ نیند سے اٹھی ہو.....سامنے کھڑی ایک لڑکی پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھرے لیکن ایسا صرف پل بھر کے لئے ہوا اور دوسرے لمحے لبوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے اس نے اس سے یہاں آنے کا مقصد پوچھا۔ جب اس نے کمرے میں کپڑے بدلنے کے لئے کہا تو صاعقہ نے کچھ دیر سوچتے ہوئے ایک طرف ہوکر اسے اندر کمرے میں داخل ہونے کے لئے راستہ دیا اور پر ہاتھ کے اشارے سے واش روم کی جانب اشارہ کردیا۔لڑکی سیدھی واش روم کی طرف بڑھ گئی اور اندر سے کنڈی لگا کر کپڑے تبدیل کرنے لگی۔ کچھ ہی دیر میں وہ ہاتھ میں اتارا ہوا لباس تھامے جیسے ہی کمرے سے نکلی اس کے منہ سے خوف سے چیخ نکل گئی اس کی حالت دیکھنے والی تھی۔

تھوڑی دیر پہلے جب وہ کمرے میں آئی تھی تو جو حسین چہرہ اس کے سامنے تھا اب انتہائی بھیانک صورت لئے اس کے سامنے تھا دوسرے لمحے وہ بیہوش ہوکر نیچے زمین پر گر گئی اس کے منہ سے خوف سے جھاگ نکلنے لگا تھا یوں لگتا تھا جیسے اسے مرگی کا دورہ پڑ گیا ہو.....گھر زیادہ بڑا نہ ہونے کی وجہ سے چیخ کی بازگشت پورے گھر میں پھیل گئی تھی اور دوسرے لمحے صاعقہ کے کمرے میں بہت سے افراد اکٹھے ہوئے چہ مگوئیوں میں مصروف تھے۔ ہر کوئی اپنی اپنی ہانک رہا تھا۔سب صاعقہ سے اس لڑکی کے بیہوش ہونے کی وجہ پوچھ رہے تھے لیکن صاعقہ نے انہیں بتایا کہ جب وہ لڑکی واش روم سے لباس تبدیل کرکے واپس نکلی تو نہ جانے کیوں ایک چیخ مار کر بیہوش ہوگئی.....؟

سب لوگ حیرت سے زمین پر بے ترتیب پڑی اس لڑکی کو دیکھ رہے تھے اس کی دادی کو کسی نے ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ کہیں خوامخواہ وہ پریشان نہ ہوجائے ویسے بھی وہ شوگر کی اور بلڈ پریشر کی مریضہ تھی اس لئے اس سے یہ بات پوشیدہ رکھی گئی تھی.....۔ صاعقہ نے جلدی سے ارشد کو ہسپتال میں فون کردیا تھا جو دس پندرہ منٹ کے وقفے سے فوراً گھر پہنچ گیا تھا اس نے گھر پہنچتے ہی اس لڑکی کو فوری ابتدائی طبی امداد دیکر ایمبولینس کو فون کردیا تھا جو کچھ ہی دیر میں پہنچ گئی تھی پھر کچھ لوگوں کی مدد سے اسے اٹھا کر ایمبولینس میں ڈال کر ہسپتال لے گئے۔ارشد نے کسی کو بھی اپنے ساتھ لیجانے سے اجتناب کیا تھا۔گھر میں سب لوگ ایک کمرے میں بیٹھے اسی بات کا تذکرہ کررہے تھے۔

شکیلہ بھی بہت پریشان تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کچھ دیر پہلے تو وہ ٹھیک ٹھاک اس کے کمرے میں آن کر اپنے کپڑے بدلنے کے لئے جگہ کے متعلق پوچھنے آئی تھی اس وقت اس کے چہرے اور باتوں سے یہ اندازہ نہ ہوا تھا کہ اسے کوئی بیماری وغیرہ ہو۔لیکن پھر اچانک ایسا کیا ہوا کہ بھابی کے کمرے میں وہ بیہوشی کی حالت میں پائی گئی.....!!!.....کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ سب اس کی صحت یابی کے لئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ ویسے بھی شادی کا موقع تھا اس لئے کوئی بھی بدمزگی ان کے لئے پریشانی کا سبب بن سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

رات کے دو بج چکے تھے لیکن ابھی تک ہسپتال سے کوئی اطلاع موصول نہ ہوئی تھی سب لوگ ایک کمرے میں جمع تھے کہ اچانک فون کی گھنٹی بجنے سے تمام

ماحول گونج اٹھا۔شکیلہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر فون اٹھایا اور دوسری جانب سے نہ جانے کیا سنائی دیا کہ اس کے ہاتھ سے رسیور چھوٹ گیا اور وہ لہرا کر ایک جانب جا گری اور دوسرے لمحے وہ بیہوش پڑی تھی۔

کمرے میں موجود تمام افراد جو اس طرح اچانک فون کی گھنٹی بجنے پر چونک گئے تھے اس کے زمین پر گرتے ہی اس کے اردگرد اکھٹے ہوگئے رسیور ابھی تک نیچے زمین کی جانب لٹک رہا تھا ایک نے آگے بڑھ کر جلدی سے رسیور تھاما اور ہیلو ہیلو کرتے ہوئے دوسری جانب کی آواز سننے کی کوشش لیکن شاید دوسری طرف سے کال منقطع کردی گئی تھی۔کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ کیا ہورہا ہے.....؟ آخر کس کا فون تھا.....؟

اور دوسری جانب سے ایسا کیا کہا گیا کہ شکیلہ بیہوش ہوگئی.....؟ ان سب سوالوں کا جواب تو شکیلہ کے ہوش آنے کے بعد ہی مل سکتا تھا۔

کچھ عورتوں نے جلدی سے اس کے ہاتھوں کو مسلنا شروع کردیا اور ایک لڑکی بھاگ کر جلدی سے پانی کا ایک جگ اٹھالائی ایک سیانی عورت نے شکیلہ کا ناک چٹکی میں پکڑ کر اس کا سانس روکا تو چند لمحوں بعد شکیلہ نے ایک جھٹکے سے جھرجھری لیتے ہوئے آنکھیں کھول دیں اور پھر چند لمحوں تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے خود پر جھکی ہوئی عورتوں کو دیکھنے لگی پھر شعور کے بیدار ہوتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئی ایک عورت نے جلدی سے اسے پانی پلایا تو اسے کچھ سکون ملا تو پھر سب کے استفسار پر اس نے بتایا کہ ہسپتال سے ارشد بھائی کا فون تھا اور یہ کہ وہ لڑکی اب اس دنیا میں نہیں رہی.....مزید بتایا کہ ارشد بھائی نے یہ بھی کہا کہ وہ کسی انجانی چیز کے بارے میں بتانے کی کوشش کرتی رہی لیکن اس کے منہ سے بے ربط الفاظ نکل رہے تھے جو سمجھ میں نہیں آرہے تھے لیکن اس کے چہرے کا رنگ بتا رہا تھا کہ اس نے کوئی انتہائی خوفناک اور بھیانک چیز دیکھ لی ہو.....!!! کچھ دیر تک یونہی خوفزدہ حالت میں رہنے کے بعد اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔اور یہ کہ ہسپتال میں ضروری کارروائی پوری کرنے کے بعد اس کی ڈیڈ باڈی صبح لائی جاسکے گی۔اب کوئی جواز نہ رہا تھا کہ اس کی دادی کو بھی تمام حقیقت سے آگاہ کردیا جاتا اس لئے شکیلہ کے ابو نے اس لڑکی کی دادی کو اس کے کمرے میں جا کر اس کی پوتی کی یوں اچانک موت کا بتادیا۔یہ سن کر دادی کی طبعیت بہت خراب ہوگئی لیکن گھر میں ان کی ادویات موجود ہونے کی وجہ سے بڑی مشکل سے انہیں دوا دیکر بیہوش ہونے سے بچالیا گیا ورنہ جس طرح ان کی حالت بگڑ گئی تھی وہ ان سب کے لئے پریشانی کا باعث بن سکتی تھی۔شکیلہ کے ابو نے فوری فون پر ارشد سے بات کرکے تمام حالات معلوم کئے اور پھر تمام افراد کو مزید صورتحال سے آگاہ کرکے ان میں سے کچھ افراد کو صبح کے کچھ کام سمجھائے باقی سب کو اپنے اپنے کمروں میں جانے کی تلقین کرکے خود بھی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

☆.....☆.....☆

صبح سویرے ہی ارشد ایک ایمبولینس میں لڑکی کی لاش ایک تابوت میں لے آیا تھا گھر میں ایک کہرام مچ گیا تھا صرف ایک چہرہ ایسا تھا جس پر ایک عجیب طرح کی شیطانی مسکراہٹ تھی اور وہ تھی صاعقہ.....!!!وہ دوپٹے میں منہ چھپائے اپنے نوکیلے دانتوں سے کھیل رہی تھی۔ارشد نے مہمانوں میں سے چند نوجوانوں کو ساتھ لیکر تابوت صحن میں ہی رکھ دیا۔سب رونے دھونے میں لگے ہوئے تھے ارشد صاعقہ کو کچھ بتانے لگا جسے سن کر اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔تمام ضروری رسومات سے فراغت کے بعد اور آپس میں باہمی رضامندی کے بعد لڑکی کو وہیں قبرستان میں دفنادیا گیا۔

شکیلہ کی شادی بڑی سادگی کے ساتھ کردی گئی اور وہ پیا گھر سدھار گئی۔دن گزرتے رہے اور ایک رات اچانک ارشد کی امی کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی باہر کوریڈور میں پاؤں گھسیٹتے ہوئے چل رہا ہو۔رات کے تقریباً ایک بجے کا وقت ہوگا جب وہ واش روم جانے کی غرض سے اپنے پلنگ سے اتر کر جانے لگی تو باہر کسی کے

چلنے کی آواز سنائی دی۔

رات کے اس وقت کون ایسا ہوسکتا ہے جو یوں پاؤں گھسیٹ کر چل رہا ہو.....!!! صاعقہ اور ارشد تو اوپر اپنے کمرے میں تھے اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ یہاں موجود تھی تو پھر..... پہلے تو اسے خوف محسوس ہوا کہ کہیں کوئی چور نہ ہو لیکن ایسا ناممکن تھا کیوں کہ باہر کا دروازہ مقفل تھا اور صحن کی بھی اس طرح تعمیر کی گئی تھی کوئی باہر سے کود کر اندر داخل نہیں ہوسکتا تھا تو پھر چور کیسے آسکتا تھا.....!!!..... یہ سوچ کر اسے ہمت ہوئی اور اس نے دروازہ کھول کر باہر دیکھنے کا فیصلہ کیا..... اس نے آہستہ سے دروازے کی کنڈی کھول کر باہر جھانکنے کی کوشش کی ہی تھی کہ جیسے کسی نے جلدی سے باہر سے دروازے کو دھکا دیکر بند کردیا.....

دروازہ ایک زوردار آواز سے بند ہوگیا اور اس کے شور سے یکدم ارشد کے ابو کی آنکھ کھل گئی اور دوسرے لمحے اس کی نظریں سامنے کھڑی اپنی بیگم پر پڑیں جو انہیں ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا کہہ رہی تھی..... ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہوا ہے.....؟ اور وہ انہیں ایسا رہنے کے لئے کیوں اشارہ کررہی ہیں۔ وہ بھی بیڈ سے اتر کر ان کے نزدیک آن کر کھڑا ہوگیا اور سرگوشی میں اس سے کچھ پوچھا جواب میں اس نے اسے تمام بات بتادی یہ سن کر ارشد کے ابو نے دوبارہ دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ دروازہ باہر سے بند کردیا گیا تھا..... انہوں نے زور زور سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ لیکن اب باہر خاموشی چھا چکی تھی۔

کچھ دیر تک زور آزمائی کرنے کے بعد وہ دوبارہ اپنے بیڈ پر آن کر لیٹ گئے لیکن اس بار نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ باقی رات یوں ہی آپس میں اس اچانک ہونے والی افتاد پر باتیں کرتے رہے لیکن کافی دیر تک مغزماری کرنے کے باوجود انہیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ پھر نہ جانے کس وقت نیند کی دیوی نے انہیں آدبوچا اور کمرے میں ان دونوں کے خراٹے گونجنے لگے۔

☆.....☆.....☆

صبح ناشتے کی میز پر دونوں چور نظروں سے ایک دوسرے کی طرف یوں دیکھ رہے تھے کہ جیسے یہ فیصلہ نہ کر پارہے ہوں کہ انہیں ارشد اور اپنی بہو کو رات والا واقعہ بتانا چاہئے یا نہیں.....!!!

کیونکہ وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ وہ دونوں یہ واقعہ سن کر کہیں خوفزدہ ہی نہ ہوجائیں۔ صبح جب انہوں نے دوبارہ دروازہ کھولنا چاہا تو وہ آسانی سے کھل گیا جیسے کسی نے اسے بند ہی نہ کیا ہو.....!!!۔ پھر کافی دیر تک سوچنے کے بعد انہوں نے اس بات کو پوشیدہ رکھنے میں ہی عافیت سمجھی اور خاموشی سے ناشتہ کرکے فارغ ہوگئے۔ ارشد حسب معمول ناشتہ کرکے ہسپتال کے لئے نکل گیا اور صاعقہ گھر کے کام کاج کرنے میں مصروف ہوگئی۔ ناشتے کی ٹیبل سے اٹھ کر وہ دونوں اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اور رات والے واقعے پر آپس میں گفتگو کرنے لگے۔

دن گزرتے رہے اور پھر ایک دن اچانک ارشد کے ابو کی طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے انہیں ہسپتال داخل کروانا پڑا..... ارشد نے انہیں اپنے ہسپتال میں آئی سی یو میں ایک بیڈ الاٹ کروادیا تھا اور ان کا علاج معالجہ شروع کردیا۔ اس کی امی کو چند روز ان کے ساتھ رہنا پڑا لیکن گھر کی دیکھ بھال اور کام کاج کے سلسلہ میں انہیں گھر جانا پڑا اور ان کے جانے کے بعد ارشد نے ایک میل نرس کی خدمات حاصل کرلیں۔ ان کی طبعیت کے مطابق ابھی انہیں ایک ہفتہ مزید ہسپتال میں رہنا تھا۔

☆.....☆.....☆

یہ رات کے تقریباً ایک تین بجے کا وقت ہوگا جب ارشد کی امی کو تہجد کے لئے اٹھنا ہوتا تھا معمول کے مطابق اس کی آنکھ خود بخود اس وقت کھل جاتی تھی اس بار آنکھ کھلنے سے انہوں نے بیڈ سے اترنے سے

پہلے چند منٹ توقف کیا اور پھر واش روم کی جانب قدم بڑھائے کہ اچانک یوں محسوس ہوا جیسے باورچی خانے میں کوئی برتن کھٹکا ہو پہلے تو اس نے اسے اپنا وہم خیال کیا لیکن پھر اچانک انہیں کچھ دنوں پہلے والا واقعہ یاد آ گیا وہ خوفزدہ ہوگئی اس نے ڈرتے ڈرتے باہر جانے والا دروازہ کھولنا چاہا تو وہ یوں کھل گیا جیسے پہلے سے اس بات کا منتظر ہو یہ دیکھ کر انہیں ذرا حوصلہ ہوا وہ آیت الکرسی پڑھتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگیں.....

باورچی خانہ کوریڈور سے ذرا فاصلہ پر تھا لیکن اس میں پیدا ہونے والی آوازیں باقاعدہ کمرے میں سنی جاسکتی تھیں اسی لئے شاید انہیں بھی وہ آواز سنائی دے گئی تھی۔ ارشد اور ان کی بہو کا کمرہ بالائی منزل پر تھا اس لئے انہیں آواز نہیں دی جاسکتی تھی اس لئے انہوں نے ہمت یکجا کر کے باورچی خانے کی جانب قدم بڑھانے شروع کر دیئے.....۔ جوں جوں وہ نزدیک جاتی رہیں ویسے ویسے آوازیں صاف سنائی دیتی رہیں یوں لگ رہا تھا جیسے کچر کچر کوئی چیز چبانے کی کوشش کر رہا ہو..... پہلے تو وہ سمجھیں کہ شاید باورچی خانے میں کوئی بلی وغیرہ گھس آئی ہوگی لیکن پھر دوسرے لمحے انہوں نے اپنا سر جھٹک دیا کیونکہ رات کو سونے سے پہلے انہوں نے خود باورچی خانہ کا دروازہ باہر سے کنڈی لگا کر بند کر دیا تھا ایسے میں کسی بلی کا دروازہ کھول کر اندر گھسنا ناممکن تھا۔ اسی سوچنے کے عمل کے دوران وہ ٹھیک باورچی خانے کے نزدیک پہنچ گئیں۔

دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا اور اندر سے اب آوازیں بہت واضح سنائی دینے لگی تھیں۔ انہوں نے خود کو دروازے کے پیچھے چھپاتے ہوئے ہلکا سا سر اندر کی جانب کر کے جھانکا اور دوسرے لمحے ان کے منہ سے انتہائی بھیانک چیخ نکل گئی..... اف خدایا.....!!! یہ کیا تھا.....؟؟

ایک انتہائی کریہہ الشکل عورت جس کے سر کنڈوں جیسے بال تھے جو اوپر کی جانب اٹھے ہوئے تھے اور اس نے لمبا سیاہ چوغہ زیب تن کیا ہوا تھا پاؤں اور ہاتھوں پر سیاہ بال تھے اس کے سامنے ڈیپ فریزر کھلا ہوا تھا اور اس میں رکھا ہوا گوشت جو مہینہ بھر کے لئے خریدا جاتا تھا ایک تھال میں رکھا تھا اور وہ بھیانک صورت عورت بڑی رغبت سے اس کچے گوشت کو کھانے میں مصروف تھی..... گوشت کھانے سے اس کے منہ سے بڑی عجیب وغریب آوازیں نکل رہی تھیں..... وہ کچا گوشت یوں کھا رہی تھی جیسے وہ اس کا من پسند کھاجہ ہو۔

اس عورت کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ رات کے اس پہر کوئی اچانک وہاں پہنچ کر اس کی اصلیت کا بھانڈہ پھوڑ دیگا۔ لیکن یہ سب کچھ ہو چکا تھا..... اس نے جیسے ہی ایک چیخ سنی تو اس نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا اور دوسرے لمحے کھلے دروازے سے ارشد کی امی یوں نیچے فرش پر گریں جیسے آٹے کی بوری۔

ارشد کی امی کے نیچے گرتے ہی وہ عورت دانت کچکچاتی جلدی سے پلٹی اور ایک جھٹکے سے ڈیپ فریزر کا دروازہ بند کر کے تیزی سے باہر نکل گئی۔ اس کے انداز سے یوں لگ رہا تھا جیسے اسے کسی کی مداخلت بہت بری لگی ہو لیکن نہ جانے کس وجہ سے وہ بے بسی سے اور غصے سے تلملاتی باہر نکل گئی تھی۔ رات ختم ہونے میں ابھی چند گھنٹے مزید تھے نہ جانے کس وقت تک ارشد کی امی زمین پر پڑی رہتیں کہ ان کی چیخ کی بازگشت پورے گھر میں گونج اٹھی تھی اور شاید اسی وجہ سے ارشد بے تحاشہ بھاگتا ہوا اپنی امی کے کمرے کی جانب لپکا کہ اچانک راستے میں وہ کوریڈور اور باورچی خانے کے دروازے کے درمیان بیہوشی کی حالت میں پڑیں تھیں انہوں نے جلدی سے ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے لیکن اس کے باوجود ان پر پانی کا کچھ اثر نہ ہوا۔ پریشانی کی حالت میں اسے یہ بھی خیال تک نہ آیا کہ اپنے کمرے میں اپنی بیوی کی موجودگی کا بھی خیال کر لے کہ وہ اس وقت وہاں موجود تھی یا نہیں.....!!!

لیکن اب خیال آنے پر اس نے اپنی بیوی صاعقہ کے ساتھ مل کر اپنی امی کو اٹھا کر ان کے بستر تک جانے کے لئے اسے آوازیں دینا شروع کیں تو ایک دو

آوازوں پر ہی دوسرے لمحے وہ اس کے سامنے تھی۔ ارشد نے یہ سوچنا بھی گوارہ نہ کیا کہ صاعقہ چند لمحوں میں ہی اس کے سامنے کیسے آ گئی تھی.....!! حالانکہ بالائی منزل سے نیچے آنے تک تقریباً پانچ چھ منٹ کا وقت تو لازمی درکار تھا۔ لیکن وہ چونکہ اپنی امی کی بیہوشی کی وجہ سے پریشان تھا اس لئے اس طرف توجہ نہ دے سکا۔ رات کے اس وقت وہ انہیں ہسپتال تک لیجانے کی بجائے صاعقہ کی مدد سے ان کے بیڈ تک لیجانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ وہ ابھی تک بیہوش تھیں۔

ارشد نے ابتدائی طبی امداد کے تحت گھر میں موجود میڈیسن کے ذریعے انہیں ہوش میں لانے کی بھرپور کوشش کی لیکن یہ دیکھ کر اسے بہت حیرت ہوئی کہ لاکھ کوششوں کے باوجود ان کی بیہوشی والی کیفیت دور نہ ہوسکی۔ یہ دیکھ کر اس نے جلدی سے ہسپتال فون کر کے ایمبولینس منگوائی وہ امی کی حالت دیکھ کر کافی پریشان ہوگیا تھا۔ لیکن دوسری طرف کھڑی صاعقہ کا چہرہ ایک لمحہ کے لئے انتہائی بھیانک ہوگیا تھا اور اس کی آنکھوں کی پتلیاں یکدم سفید ہوگئی تھیں اور اس کے لبوں پر بڑی خباثت بھری مسکراہٹ پھیل گئی تھی یوں لگتا تھا جیسے اسے سامنے بستر پر بیہوش پڑی اپنی ساس کی حالت دیکھ کر انجانی خوشی مل رہی ہو۔ لیکن اس کا یہ روپ ارشد دیکھنے سے قاصر رہا۔

ابھی بیس منٹ ہی گزرے ہونگے کہ باہر ایمبولینس کا ہارن بجنے کی آواز سنائی دی ارشد پہلے سے ہی بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا آواز سنتے ہی فوری باہر کی جانب لپکا اور بڑا گیٹ کھول کر ایمبولینس سے اترتے ایک شخص کو دیکھ اسے جلدی سی اسٹریچر اندر لانے کے لئے ہدایات دیں لیکن اس کے منہ سے الفاظ نکلنے سے پہلے ہی وہ شخص ایمبولینس کے پچھلے دروازے کو کھول کر اسٹریچر نکال چکا تھا پھر ان دونوں نے مل کر امی کو ایمبولینس تک پہنچایا اور چند ہی منٹوں میں ہسپتال پہنچ گئے ..... ارشد سارے راستے بہت پریشانی کی حالت میں بار بار امی کی جانب دیکھ رہا تھا جن کی حالت جوں کی توں تھی۔ مکمل بیہوشی والی کیفیت۔

☆.....☆.....☆

ارشد کے باہر نکلتے ہی جیسے صاعقہ کے من کی مراد پوری ہوگئی اور دوسرے لمحے اس کے خوبصورت چہرے نے ایک بھیانک ڈائن کا روپ دھار لیا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں سیاہ بالوں سے چھپ گئے اس کی آنکھوں کی پتلیاں سفید ہوگئیں اور ہاتھوں کی انگلیاں انتہائی لمبی اور بدصورت شکل اختیار کر چکی تھیں اس نے جلدی سے پورے گھر میں گھومنا شروع کر دیا.....اس کا انداز یوں تھا جیسے وہ گھر میں کچھ تلاش کر رہی ہو.....!!!

اس کے منہ سے بڑی عجیب و غریب اور خوفناک آوازیں نکل رہی تھیں لیکن اس وقت گھر میں اس کے سوا کوئی اور نہ تھا جو اس کا یہ بھیانک روپ دیکھ پاتا.....!!!.....

اسی اثناء میں باہر کا دروازہ بجا حالانکہ باہر گھنٹی بھی لگی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود دروازے کا کھٹکھٹانا اس بات کی علامت تھی کہ ضرور کوئی بچہ ہوگا جس کا ہاتھ دروازے پر لگی گھنٹی تک نہیں پہنچ پا رہا ہوگا۔ یہ سوچ کر اس ڈائن کے لبوں پر ایک عجیب مسکراہٹ ابھری اور دوسرے لمحے اس نے دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہوکر باہر کا دروازہ کھول دیا دوسری طرف کوئی بچہ ہی تھا جس کے ہاتھ میں ایک پلیٹ جس پر سفید رومال ڈھکا ہوا تھا کھڑا تھا غالباً وہ اس گھر میں کوئی چیز دینے آیا تھا۔ دروازہ کھلتے دیکھ کر وہ جلدی سے اندر کی جانب بڑھا اور دوسرے لمحے دروازہ تیزی سے بند ہوا اور دوسری طرف کھڑی اس ڈائن نے جلدی سے بچے کو گلے سے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا وہ چھ سات سال کا بچہ تھا جو اچانک اس افتاد پر گھبرا گیا اور پلیٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گئی اور اس میں موجود چاول زمین پر بکھر گئے۔ ایک مضبوط پنجے میں اس معصوم کی گردن بھلا کیا حیثیت رکھتی تھی۔

چند ہی لمحوں میں وہ ایک مردہ کینچوے کی مانند اس بھیانک ہاتھوں میں جھول رہا تھا۔ بچے کے مردہ جسم

کو ہاتھوں میں لٹکائے وہ سیدھی باورچی خانے کی جانب بڑھی اور اس کے فرش پر اسے آٹے کی بوری کی مانند پھینک دیا دوسرے لمحے دائیں جانب پڑی ایک چھری اٹھائی اور پھر وہاں ایک بھیانک کھیل دیکھنے میں آیا جسے ایک اچھا خاصہ دل گردے والا انسان بھی جاگتی آنکھوں سے دیکھ لیتا تو شاید گھبرا کر ضرور بیہوش ہو جاتا۔

ابن ڈائن نے اس چھری کی مدد سے اس بچے کے جسم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر ڈالے اور ہڈیوں کا ڈھیر ایک جانب رکھ کر اس کا گوشت بڑی رغبت سے کھانے لگی اس کی باچھوں سے گرنے والا خون اور اس کا حلیہ انتہائی دل دہلا دینے والا تھا۔ گوشت کے تمام پارچے چند ہی منٹوں میں یوں اس کے پیٹ میں چلے گئے جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو..... بعد میں ہڈیوں کو ایک شاپر میں ڈال کر اسے صحن میں رکھے کوڑے دان میں ڈال دیا۔ اس کارروائی سے فراغت پاتے ہی اس نے ایک انگڑائی لی اور پھر اس کا حلیہ دوبارہ صاعقہ کے جسم میں ڈھلنے لگا۔ اپنے پہلے والے حلیے میں آتے ہی اس نے جلدی سے باورچی خانے کا فرش دھو دیا اور خون کی بو ختم کرنے کے لئے فرش کو سرف کے ساتھ اچھی طرح صاف کر دیا۔

وہاں کا منظر دیکھ کر اب کوئی مر کر بھی یقین نہ کر سکتا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے یہاں ایک بہت ہی بھیانک خونی کھیل کھیلا جا چکا ہے۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ وہاں کی کنڈی لگا کر اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگی۔

☆.....☆.....☆

شام کے سات بج چکے تھے جب ارشد واپس گھر پہنچا لیکن اس کے ساتھ اس کی امی نہیں تھیں زمین پر گرنے کی وجہ سے شاید انہیں دماغ پر اندرونی چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے انہیں ہوش تو آ گیا تھا لیکن ان کی جیسے یادداشت چلی گئی تھی وہ ارشد کو بھی بہت مشکل سے پہچان پائی تھیں۔

ارشد بہت پریشان تھا اپنے سینئر سے مشورہ کرنے کے بعد اسے امی کو تقریباً ایک ہفتے کے لئے آئی سی یو میں ہی رکھنا تھا۔ ساتھی ڈاکٹروں کے مطابق شاید ایک ہفتہ کے بعد ان کی طبیعت میں تبدیلی آ جائے اور وہ پہلے والی حالت میں آ جائے یہ سوچ کر ارشد نے گھر کا رخ کیا تھا کہ گھر سے ضروری سامان لے آئے گا اور صاعقہ کو بھی بتا دے گا۔

گھر کے سامنے پہنچتے ہی ارشد نے گھنٹی بجائی تو دروازہ کھلتے ہی وہ اندر داخل ہوا۔ صاعقہ اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی اپنے کمرے تک آئی اور پھر اس کے لئے چائے بنانے کا کہہ کر باورچی خانے کی جانب بڑھنے لگی لیکن ارشد نے منع کر دیا کہ وہ چائے ابھی ہسپتال سے پی کر آ رہا ہے۔ پھر اسے امی کی حالت کے بارے میں بتا کر کچھ سامان پیک کرنے کا کہا وہ بہت تھک گیا تھا اس لئے کچھ دیر بیڈ پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

صاعقہ کچھ دیر تک اسے یونہی لیٹا دیکھتی رہی پھر کچھ سوچ کر کپڑوں کی الماری کی جانب بڑھی اور چند سوٹ نکال کر ایک جانب رکھنے لگی پھر کچھ اور سامان لا کر وہیں رکھ دیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ آرام کرنے کے بعد ارشد نے آنکھیں کھولیں اور پھر صاعقہ کو بتایا کہ وہ صبح ہسپتال جائے گا کیونکہ اس وقت وہ امی کے پاس ایک میل نرس کو چھوڑ آیا تھا جو اس کی غیر موجودگی میں امی کا خیال رکھے گا۔ وہ میل نرس اس کے ہسپتال میں ہی تھا اس لئے بھروسے کا آدمی تھا۔

ارشد کی یہ بات سن کر صاعقہ نے تمام سامان اٹھا کر ایک جانب رکھ دیا اور اس کے لئے چائے بنانے کا کہہ کر باہر نکل گئی۔ ارشد فضا میں نظریں جمائے نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہے.....!!!..... لیکن کیا گڑبڑ ہے.....؟؟ اس بات کی اسے سمجھ نہ آ رہی تھی۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے سر جھٹکا اور نہانے کی غرض سے واش روم میں چلا گیا۔ نہا دھو کر اور کپڑے بدل کر اس نے صاعقہ کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی اور پھر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ ساتھ ہی انہوں نے امی کی طبیعت

بحال ہونے کے لئے دعا مانگی کہ وہ جلد از جلد صحت یاب ہوکر دوبارہ گھر آجائیں۔ پھر ایک ضروری کام کا بتا کر ارشد گھر سے نکل گیا۔ اور صاعقہ رات کے کھانے کی تیاری کے لئے باورچی خانے کی جانب بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

یہ رات کے تقریباً ڈیڑھ بجے کا وقت ہوگا۔ ارشد کو شدت سے پیاس محسوس ہوئی جیسے ہی اس نے پانی پینے کے لئے آنکھیں کھولیں دوسرے لمحے ہولناک دلخراش چیخ مارتے ہوئے بیٹھنے کی کوشش کی..... کیونکہ جیسے ہی اس نے آنکھیں کھولیں اس نے دیکھا کہ صاعقہ اس کی طرف چہرہ کئے بڑے بھیانک انداز میں دیکھ رہی تھی اس کے چہرے کا رنگ ایسا ہوگیا تھا جیسے کسی نے اس کے چہرے سے سارا خون نچوڑ لیا ہو اور ہونٹ اس قدر سرخ ہوگئے تھے لگتا تھا جیسے ابھی ابھی اس نے تازہ خون پیا ہو۔ اس کی آنکھیں یوں پھٹ کر پھیل گئیں تھیں کہ جیسے کسی نے دونوں ہاتھوں کی مدد سے انہیں مخالف سمتوں میں کھینچ دیا ہو۔

اپنی بیوی کا اتنا بھیانک روپ دیکھ کر ارشد کے منہ سے خوف سے چیخ نکل گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر بیڈ سے بھاگتا اسی دوران اسے اٹھتا دیکھ کر صاعقہ نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر اس کی گردن دبوچ لی۔

ارشد کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے آہنی شکنجے میں اس کی گردن کس دی ہو۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی مدد سے اپنی گردن اس ڈائن کے شکنجے سے چھڑانے کی کوشش کی لیکن اس میں ناکام رہا۔ اس ڈائن کے منہ سے بڑی بھیانک آوازیں نکل رہی تھیں اور اس کا چہرہ مزید خوفناک ہوگیا تھا۔ اور ہونٹوں کے کناروں سے دونو کیلے دانت نمودار ہوگئے تھے۔

دوسرے لمحے اس نے ارشد کی گردن میں اپنے دانت گاڑ دیئے۔ ارشد درد سے تلملا اٹھا اور پانی سے نکلی مچھلی کی مانند تڑپنے لگا۔ اس ڈائن نے اپنے دونوں دانت جو ارشد کی گردن میں پیوست کئے ہوئے تھے ان سے بڑے مزے سے اس کا خون چوس رہی تھی۔ جیسے جیسے خون اس کے پیٹ میں جارہا تھا ویسے ویسے اس کے چہرے کا رنگ بھی سرخی مائل ہوتا جاتا تھا۔ تازہ لہو پینے سے اس کے بدن اور چہرے پر توانائی کے واضح آثار دکھائی دے رہے تھے۔ ارشد اب بیہوش ہوچکا تھا۔ اچھی طرح خون پینے کے بعد اس نے ارشد کا مردہ جسم ایک جانب پھینکا اور ایک مکروہ ڈکار لیتی ہوئی بیڈ سے اٹھ گئی۔ خون پینے سے اس کی آنکھوں میں ایک خمار سا اتر آیا تھا۔ اس نے ایک نظر زمین پر پڑے ارشد کے جسم پر ڈالی اور دروازہ کھول کر باہر کوریڈور میں نکل آئی۔ اس کے چلنے کا انداز یوں تھا جیسے اس نے کوئی نشہ آور چیز کھالی ہو۔ اس بار اس نے اپنا روپ بدلنے کی بھی کوشش نہ کی اور سیدھی صحن میں پہنچ کر باہر جانے والے مین گیٹ کی جانب رخ کرلیا۔

گھر میں اس وقت چونکہ وہ دونوں ہی موجود تھے اور امی اس وقت ہسپتال میں تھیں۔ باہر کا مین گیٹ کھول کر وہ لڑکھڑاتی باہر سڑک پر نکل آئی..... اور اپنی دھن میں سڑک کے درمیان چلنے لگی۔

رات کا وقت، بھیانک سناٹا، اور ایسے میں ایک عفریت کا یوں سڑک کے درمیان چلنا ایک ڈراؤنا منظر پیش کررہا تھا۔ اس وقت اگر کوئی یہ منظر دیکھ لیتا تو شاید ڈر کے مارے واپس بھاگ جاتا۔ لیکن رات کے اس وقت دور دور تک کوئی گاڑی یا انسان نظر نہیں آرہا تھا۔

وہ ڈائن اپنی دھن میں آگے بڑھتی چلی جارہی تھی کہ اچانک ایک شہر ور ٹرک کہیں سے نمودار ہوا اور آناً فاناً فراٹے بھرتا سامنے لڑکھڑاتی اور لہراتی ڈائن پر چڑھ دوڑا۔

یوں لگتا تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے اس بیگناہ اور معصوم بچے اور ارشد کی اندوھناک اموات کا بدلہ اس عفریت سے دنیا میں ہی لے لیا تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ بیگناہ کا خون رائیگاں نہیں جاتا۔ اور اللہ کی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے۔

بھیانک تجربہ

ایس امتیاز احمد-کراچی

تجربہ کرنے والا بولا میں زندہ ہوں یہ درست ہے لیکن اب میں مکمل طور پر انسان نہیں رہا میرا دماغ مائوف ہوچکا ہے اور لمحہ گزرتے ہی میری روح بے کار ہوجائے گی لیکن پھر......

چاہت وخلوص کی ایک انمٹ کہانی جوکہ پڑھنے والوں کو اپنے حصار میں لے لے گی

رات کے دو بجے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں لحاف میں دبکا ہوا میٹھی نیند سو رہا تھا۔ غصے اور جھنجھلاہٹ کے ساتھ میں نے ریسیور اٹھایا، میرے بھائی اینڈرک کی بیوی بول رہی تھی۔ ''میں نے تمہارے بھائی کو قتل کردیا ہے، اس کی لاش فیکٹری کی لیبارٹری میں ہے۔ تم پولیس کو اطلاع دینے کے بعد یہاں آجاؤ۔''

''میرے بھائی کو تم نے قتل کردیا ہے! اپنے شوہر کو! کب اور کیوں؟'' میں بولتا چلا گیا۔ ''میں تمہیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتا سکتی۔'' ہیلن نے جواب دیا۔

''اور دیکھو اگر تم پولیس کو اطلاع دینے سے پہلے یہاں آئے تو پریشانی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ پولیس تم پر شک کرے گی۔ تم اس کے سوالات کی بوچھاڑ کا مقابلہ نہ کرسکو گے۔'' ہیلن نے یہ کہہ کر فون بند کردیا۔

میں نے فون ہی پر انسپکٹر چیرس کو اطلاع دی اور وہ چند منٹ بعد پولیس کانسٹیبل کے ہمراہ میرے مکان پر پہنچ گیا۔ میں نے شب خوابی کا لباس اتارا، کپڑے تبدیل کیے اور انسپکٹر کے ساتھ اپنے بھائی کے مکان کی طرف چل دیا۔

کار میں انسپکٹر میرے بھائی کے متعلق مجھ سے مختلف سوالات کرتا رہا۔ میں نے ہر سوال کا جواب ہاں یا نہیں میں دیا۔ میں نے اسے بتایا کہ میرا بھائی فیکٹری کی لیبارٹری میں مختلف تجربات کررہا تھا۔ وہ فیکٹری کے عقب میں پہاڑی پر اس مکان میں رہتا تھا۔ جو ہمارے دادا نے بنایا تھا اور جو کہ کافی عرصے سے خالی تھا۔

انسپکٹر نے آخری سوال پوچھا۔ ''کیا آپ کے بھائی نے اپنے تجربات کے متعلق آپ کو بھی کچھ بتایا۔؟'' میں نے جواب میں کہا۔

''وہ وزارت فضائیہ کے لیے بعض تجربات کررہے تھے۔ کئی مہینوں سے ان کی مشغولیت بہت بڑھ گئی تھی وہ لیبارٹری میں کئی کئی گھنٹے کام کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے صرف اتنا کہا تھا کہ وہ فضاء کے ذریعے ایک چیز کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا تجربہ کررہے ہیں۔'' میں نے بات ختم کی ہی تھی کہ پولیس کی کار فیکٹری کے دروازے پر رک گئی۔

ہم تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس کمرے میں پہنچے جہاں میرا بھائی مردہ پڑا تھا۔ بجلی کا ایک بڑا قمقمہ روشن تھا۔ فرش پر جو لاش پڑی تھی اس کا چہرہ فلیٹ سے ڈھانپا ہوا تھا، فرش پر خون بہہ کر جم گیا تھا۔ انسپکٹر نے فلیٹ چہرے سے ہٹایا۔ اتنا دہشت ناک منظر میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ سر اور منہ کی ہڈیاں ایک دوسرے میں پیوست تھیں، بھیجا باہر نکلا ہوا تھا، چہرہ بگڑ کر اتنا خوف ناک ہوگیا تھا کہ پہچاننا مشکل تھا۔ لاش کا یہ حصہ برقی شکنجے میں پھنسا ہوا تھا۔

میں نے انسپکٹر کو بتایا کہ برقی شکنجہ آٹو میٹک ہے، بٹن دباتے ہی جب سوئی صفر پر پہنچے گی، شکنجہ کھل جائے گا۔ انسپکٹر نے فوراً پوچھا۔ ''کیا آپ کے بھائی کی بیوی اس برقی شکنجے کو حرکت دینے ٹھہرانے کے راز سے واقف ہے؟''

''قطعاً نہیں۔'' میں نے پورے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔ ''اور آپ یہ راز کیسے جانتے ہیں؟'' انسپکٹر نے فوراً ہی دوسرا سوال کردیا۔

میں نے اسے بتایا کہ فیکٹری کے کام سے فارغ ہو

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

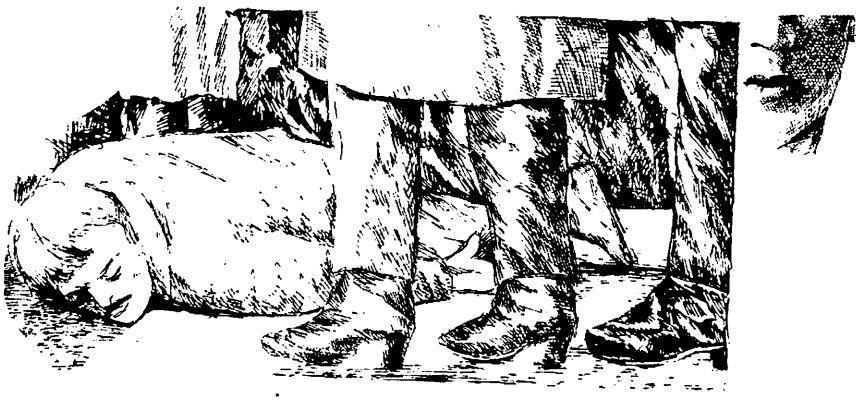

کر جب میں لیبارٹری میں جاتا، تو میرا بھائی یہ عمل بارہا میرے سامنے دہراتا تھا۔ لیکن جب بھی ہیلن وہاں آتی، اینڈر کام روک دیتا اور جب تک وہ چلی نہ جاتی، وہ اپنا کام شروع نہیں کرتا تھا۔

انسپکٹر مقدمے کی تفتیش میں کئی ہفتے مصروف رہا۔ اس نے ہر چیز کا بغور مشاہدہ کیا، مختلف لوگوں سے ہزاروں سوال کیے، لیبارٹری میں جو کچھ بھی ملا، اسے گہری نظر سے دیکھا، لیکن اس عرصے میں ہیلن کا کردار عجیب تھا۔ وہ بالکل خاموش تھی اور ہر سوال کا جواب صرف ایک ہی دیتی تھی کہ میں نے ہی اپنے شوہر کو برقی شکنجے کے ذریعے قتل کیا ہے۔ یہ قتل کیوں کیا ہے؟ اس کا جواب وہ نہیں دینا چاہتی تھی۔ ملامت اور دھمکی کا ہر حربہ، جو پولیس آزما سکتی تھی، اس کی زبان سے ایک لفظ نہ اگلوا سکا۔ آخر پولیس سرجن نے اسے پاگل قرار دے دیا اور ہیلن دماغی امراض کے شفاخانے میں بھیج دی گئی۔

تفتیش کے دوران میں پولیس انسپکٹر میرا گہرا دوست بن گیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ شروع میں اسے مجھ پر قتل کا شبہ تھا، لیکن اب اسے یقین ہے کہ میں اپنے بھائی کا قاتل نہیں ہوں۔ وہ ہیلن کو بھی قاتل ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اسے چوکیدار نے بتایا تھا کہ جس رات اینڈر قتل ہوا ہے، لیبارٹری سے برقی شکنجہ چلنے کی دوبارہ آواز آئی تھی، لیکن ہیلن کا اصرار تھا کہ اس نے برقی شکنجے کو صرف ایک بار چلایا تھا۔ لاش دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ برقی شکنجے میں پہلی بار اینڈر کے بازو کو کچلا گیا اور دوسری بار بازو نکال کر سر پر چوٹ لگائی گئی۔ اس طرح ہیلن کا اعتراف غلط ثابت ہوتا تھا۔

ایک روز پولیس کے چھ اعلیٰ افسر لیبارٹری میں آئے اور کئی گھنٹوں کی جستجو کے بعد انہوں نے صرف اتنی بات لکھی کہ لیبارٹری کی بعض اہم چیزیں تباہ کردی گئی ہیں۔ پولیس لیبارٹری کے ایک افسر اعلیٰ نے رپورٹ پیش کی کہ مقتول کے سر کو مخمل کے ایک ٹکڑے میں لپیٹ کر برقی شکنجے میں دبا دیا گیا ہے۔ پولیس انسپکٹر نے مجھے مخمل کا وہ ٹکڑا دکھایا۔ میں نے اسے فوراً پہچان لیا۔ یہ لیبارٹری میں کھانے کی میز پر بچھا رہتا تھا۔

ہیلن کو جس پاگل خانے میں داخل کیا گیا تھا، وہ صرف مجرموں کے لیے تھا۔ میں ہر اتوار کو اسے ملنے جاتا، کبھی کبھار انسپکٹر بھی میرے ساتھ ہوتا، لیکن ہیلن اپنے رٹے ہوئے جواب کے سوا کوئی بھی ایسی بات نہ بتاتی جس سے قتل کے راز پر سے پردہ اٹھتا۔ وہ دن بھر سویٹر بنتی، لیکن جب بھی کوئی مکھی ادھر سے گزرتی وہ کمال پھرتی کے ساتھ اسے پکڑتی، بغور دیکھتی اور چھوڑ دیتی۔ مکھیاں پکڑنے بغور دیکھنے اور چھوڑ دینے کا یہ جنون اس حد تک بڑھا کہ ڈاکٹر نے مارفیا کے انجکشن کے ذریعے اسے سلانا شروع کردیا۔

ایک روز انسپکٹر نے مجھ سے پوچھا۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ ہیلن پاگل ہے؟"

"مجھے تو اس میں کوئی شک نہیں۔"

"لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہیلن پاگل نہیں۔ وہ بے حد ذہین ہے اور جب وہ مکھیاں پکڑتی ہے، تو غیر معمولی ذہانت کا ثبوت دیتی ہے۔ دنیا بھر کے ڈاکٹر بھی اسے پاگل قرار دے دیں، میں تسلیم نہیں کروں گا۔" انسپکٹر نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"اگر آپ کی بات ٹھیک ہے، تو وہ اپنے چھ سالہ لڑکے ہنری سے سرد مہری کا سلوک کیوں کرتی ہے؟"

"ممکن ہے وہ اسے بھی خود کو پاگل کرنے کا ذریعہ سمجھتی ہو، لیکن ایک بات ضرور ہے کہ جب ہنری موجود ہوتا ہے، ہیلن مکھیاں نہیں پکڑتی، اس میں ضرور کوئی راز ہے۔"

"اچھا یہ بتائیے کہ آپ کے بھائی مکھیوں پر بھی تجربہ کرتے تھے؟" انسپکٹر تفتیش کے انداز میں بولا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں، اس بارے میں آپ وزارت فضائیہ سے کیوں معلوم نہیں کر لیتے؟ اسی کے لیے تو میرا بھائی ریسرچ کر رہا تھا۔"

"ہاں میں نے پوچھا تھا، وہ لوگ مذاق اڑانے لگے کہ اس قتل سے مکھی کا کیا تعلق ہے، اس لیے میں خاموش ہو گیا۔

شام کو کھانے کی میز پر ننھے ہنری نے اچانک سوال کیا۔ "چچا جان، کیا مکھیاں زیادہ عرصے تک زندہ رہ سکتی ہیں؟"

میں اس سوال پر چونک اٹھا۔ میرے رگ و پے میں سنسناہٹ سی پھیل گئی۔ میں نے ہنری سے اس سوال کی وجہ پوچھی۔ اس نے بتایا کہ جس مکھی کو امی تلاش کر رہی ہے وہ اس نے دوبارہ دیکھی ہے۔

میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کیسی ہے اور اسے کہاں دیکھا ہے۔

ہنری نے بتایا کہ یہ مکھی عام مکھیوں کی نسبت جسامت میں بڑے ہے، اس کا سر سفید ہے اور ٹانگیں عجیب طرح کی ہیں جنہیں دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔ ہنری نے یہ بھی بتایا کہ اس نے یہ مکھی تھوڑی دیر ہوئی اوپر کے کمرے میں ڈیسک پر بیٹھی دیکھی تھی۔

"اور تم نے اس مکھی کو پہلی بار کب دیکھا تھا؟" میں نے ہنری سے پوچھا۔

"جس روز پاپا کا انتقال ہوا ہے، میں نے اسے پکڑا تھا، لیکن امی نے چھڑا دیا اور پھر تھوڑی دیر بعد امی نے مجھے حکم دیا کہ میں جس طرح بھی ہو، اس مکھی کو دوبارہ پکڑ لاؤں۔"

ہنری کی یہ باتیں سن کر میرے جسم پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔ مجھے انسپکٹر کی باتوں میں صداقت معلوم ہونے لگی۔ میں کھانے کی میز سے اٹھا اور سیدھا اوپر کے کمرے میں چلا گیا۔ میں نے ہر طرف مکھی کو تلاش کیا، کونہ کونہ چھان مارا، لیکن اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔

میں نے اپنے بھائی اور بھابھی کی برسوں پرانی رفاقت پر نظر ڈالی۔ وہ ایک دوسرے کو بے انتہا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں کبھی لڑتے نہیں دیکھا۔ ہیلن خوش مزاج تھی، اینڈرو بھی ہنس مکھ تھا۔ اُسے بچوں اور جانوروں سے بے پناہ لگاؤ تھا۔ وہ بلا کا ذہین اور اپنے کام کا رسیا تھا۔ میں نے آج تک کوئی ایسی حرکت نہیں دیکھی تھی جو اس کے دماغ میں نقص ظاہر کرتی۔ ہیلن کا کردار بھی اعلیٰ اور بے داغ تھا۔ پھر یہ خودکشی یا قتل کیوں؟" میں سوچ سوچ کر تھک گیا انسپکٹر نے جب مکھی کا ذکر کیا تو میں نے اسے زیادہ وقعت نہیں دی تھی، لیکن ہنری نے سفید سر والی مکھی کا قصہ سنایا، تو غور و فکر کی راہیں کھل گئیں۔

میں نے انسپکٹر کو بتائے بغیر ہی خود ہی اس راز سے پردہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ میں ہیلن سے ملنے کے لئے گیا وہاں اس نے حکام سے اجازت لے کر چھوٹا سا باغیچہ لگایا ہوا تھا۔ وہ مجھے اسی باغیچے میں لے گئی اور ہم دونوں لکڑی کے ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔ ہیلن نے میرے کوٹ کے کالر پکڑتے ہوئے بڑی بے چینی سے پوچھا۔

"فرانکوس، خدا کے لیے مجھے ایک بات بتا دو کہ کیا مکھیاں بہت دنوں تک زندہ رہتی ہیں؟"

میں نے چاہا کہ میں ہیلن کو بتا دوں کہ یہ یہی سوال چند گھنٹے پہلے تمہارا لڑکا بھی مجھ سے کر چکا ہے، لیکن خطرہ یہ تھا کہ ہیلن اور زیادہ محتاط ہو جاتی اور جو بات اب کھلنے لگی تھی وہ ہمیشہ کے لئے راز بن جاتی۔

میں نے اسے بتایا کہ میں مکھیوں کی طویل زندگی کے متعلق تو کچھ نہیں جانتا، البتہ جس مکھی کو تم تلاش کر رہی ہو، وہ صبح میرے مطالعے کے کمرے میں موجود تھی۔

یہ سنتے ہی ہیلن بے تاب ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے پر کبھی مسرت کی سرخی آتی اور کبھی یاس کی زردی چھا جاتی۔ حیرانی سے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو منہ پر رکھ لیا اور پھر چیختے ہوئے بولی۔

"فرانکوئس، کیا تم نے اس مکھی کو مار دیا ہے؟ وہ جوان سننے کے لیے میرے چہرے کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی تھی۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں نے اس مکھی کو نہیں مارا، تو اس نے دونوں ہاتھوں سے مجھے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"تو خدارا یہ مکھی مجھے دے دو۔"

ہیلن اس وقت جذبات سے مغلوب تھی۔ وہ مکھی کے لیے اتنی بے چین تھی کہ اس وقت معمولی ذہن کا آدمی بھی اس سے راز اگلوا سکتا تھا۔ میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"ہیلن، اگر تم اینڈر کے قتل کا صحیح واقعہ بتا دو، تو میں یہ مکھی تمہیں دے سکتا ہوں۔ یہ تفتیش کے پہلے دن ہی سے پولیس انسپکٹر کی تحویل میں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم پاگل نہیں ہو، محض راز کو چھپانے کے لئے تم نے یہ روپ دھارا ہے۔"

ہیلن نے اپنے سنہری بالوں کو پیچھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"اگر تم یہ وعدہ کرو کہ اس مکھی کو مار دو گے اور کسی صورت میں بھی اسے زندہ نہیں رہنے دو گے تو میں اس راز سے پردہ اٹھا دیتی ہوں۔ لیکن یاد رکھو یہ تمہارے مقتول بھائی کی آخری خواہش ہے۔ اگر اس مکھی کو تم نے نہ مارا تو اینڈر کی روح کو صدمہ پہنچے گا۔"

یہ کہہ کر ہیلن نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ پاگل خانے کے بالائی کمرے میں گئی اور بھورے رنگ کا ایک لفافہ دیتے ہوئے بولی:

"اسے رات کو پڑھنا، یہ تمہارے لئے نہیں، پولیس انسپکٹر کے لئے لکھا تھا۔ اگر وہ مکھی کو مار دینے کا وعدہ کر لے تو یہ اسے بھی پڑھنے کے لئے دے دینا۔"

ہیلن جب اپنے کمرے کی طرف لوٹی، تو اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی اور اس کے دونوں ہاتھ کانپ رہے تھے۔

گھر آ کر میں نے ملازموں نے بتایا کہ میں آج رات صرف ہلکا سا کھانا کھاؤں گا اور اسے میرے مطالعہ کے کمرے ہی میں پہنچا دیا جائے..... میں نے لفافے کو میز پر رکھا اور دروازوں، کھڑکیوں کو بند کرنے سے پہلے بڑی احتیاط کے ساتھ کمرے کا جائزہ لیا۔ نوکر کھانا میز پر رکھ کر چلا گیا اور میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

لفافہ چاک کرتے ہی میں نے بے چینی سے خط پڑھنا شروع کیا، اس میں لکھا تھا:

"میں نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے، لیکن میں قاتل نہیں۔ میں نے ان کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے ان کا سر اور دایاں ہاتھ برقی شکنجے میں کچل دیئے ہیں۔ اپنی موت سے ایک سال پہلے میرے شوہر نے مجھے بتایا تھا کہ وہ وزارت فضائیہ کے لئے عجیب و غریب تجربات میں مشغول ہیں۔ آوازیں اور تصویریں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا تجربہ کر رہے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ بہت جلد ایک ایسا ٹرانسمیشن بنا لیں گے جس کے ذریعے خوراک، اشیائے صرف اور انسان کو ہوا میں تحلیل کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ آواز سے زیادہ تیز رفتار کے ساتھ پہنچایا جا سکے گا۔ اس وقت نہ ریلوں، کاروں، بسوں اور جہازوں کی ضرورت ہوگی اور نہ ہی دنیا اسٹیشنوں، بندرگاہوں اور ہوائی اڈوں کی محتاج ہوگی۔ پوری دنیا کے سفر کے لئے اسٹیشن بنا دیئے جائیں گے اور اس مقصد کے لئے خاص ٹرانسمیشنوں کو استعمال کیا جائے گا۔ نیویارک سے لندن جانے کے لئے نیویارک کے ٹرانسمیشن میں مسافر بیٹھیں گے، بٹن دبا دیا جائے گا اور تمام مسافر ایک دم ہوا میں تحلیل ہو کر غائب ہو جائیں گے اور لمحہ بھر میں لندن کے ریسیونگ اسٹیشن پر پہنچ جائیں گے۔

اینڈر نے اپنی لیبارٹری میں ٹرانسمیشن سے چند فٹ

کے فاصلے پر ریسیونگ سیٹ نصب کیا ہوا تھا۔ اس نے سب سے پہلا کامیاب تجربہ ایش ٹرے پر کیا۔ اس نے ایش ٹرے میری گود میں پھینک دی اور کہا کہ اسے ٹرانسمیشن میں رکھ دو اور جب میں بٹن دباؤں گا، تو ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے اندر اندر یہ ریسیونگ سیٹ پر پہنچ جائے گی۔

میں نے ایش ٹرے ٹرانسمیشن میں رکھی اور اینڈر نے بٹن دبایا۔ ٹرے ہوا میں تحلیل ہو کر ایٹمی ذرے بن گئی اور پھر سیکنڈ سے بھی کم مدت میں یہ ذرے یکجا ہو کر ایش ٹرے کی صورت میں ریسیونگ سیٹ پر پہنچ گئے۔

میں نے ایش ٹرے ہاتھ میں اٹھائی، بالکل وہی تھی، میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میں نے ہنستے ہوئے اینڈر سے کہا: ”تم یہ تجربہ کہیں مجھ پر نہ کر بیٹھنا اور میں بھی کہیں ایش ٹرے کی طرح الٹ ہو جاؤں۔“

”الٹ ہونے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟“ اینڈر نے حیرت سے پوچھا۔ میں نے اسے ایش ٹرے کا پیندا دکھایا جس پر ساختہ جاپان کے الفاظ الٹے آ گئے تھے۔

اینڈر کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کا تجربہ ادھورا رہ گیا۔ وہ تیزی سے اپنی لیبارٹری میں چلا گیا اور اگلی صبح تک باہر نہیں نکلا، کچھ دنوں بعد اینڈر نے بتایا کہ وہ اب جاندار اشیاء کو فضا میں تحلیل کر کے دوسری جگہ زندہ صورت میں پہنچانے کا تجربہ کر رہا ہے۔ میرے ذہن میں فوراً اپنی بلی آئی جو کئی روز سے غائب تھی۔ میرے پوچھنے پر اینڈر نے بتایا کہ بلی ٹرانسمیشن کے ذریعے ہوا میں تحلیل تو ہو گئی لیکن ناکام تجربے کے باعث ریسیونگ سیٹ میں نہیں پہنچی۔ اب معلوم نہیں کہ وہ خلاء میں کہاں بھٹکتی پھر رہی ہے۔

دو روز بعد اینڈر نے ایک کتے کے پلے کو آٹھ بار ٹرانسمیشن کے ذریعے ہوا میں تحلیل کیا اور آٹھوں بار وہ مکمل صورت میں ریسیونگ سیٹ پر زندہ پہنچ گیا۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ میری اور اینڈر کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ ایٹم کی اس دنیا میں ایک نیا انقلاب آنے والا تھا۔ میرے شوہر نے جو تجربہ کیا تھا۔ وہ انسان کی زندگی بدل سکتا تھا۔

میں نے تجویز پیش کی کہ وزارت فضائیہ کے اعلیٰ حکام کو دعوت دی جائے اور اینڈر ان کے سامنے اپنا تجربہ دہرائے، لیکن اینڈر نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ اس کا خیال تھا کہ ابھی اس کے تجربے خام ہیں اور ٹرانسمیشن کے بہت سے پرزے ایسے ہیں جو خود ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آئے اور جب تک وہ خود اپنی ذات پر تجربہ نہیں کر لیتا، وہ اس راز کو فاش نہیں کرے گا۔

اور پھر وہ ہولناک دن آیا جس نے مجھ سے شوہر، ہنری سے باپ اور فرانکوائس سے اس کا بھائی چھین لیا۔ اس صبح اینڈر اس خطرناک تجربے کے لئے اپنی لیبارٹری میں گیا اور دوپہر کو کھانے پر واپس نہیں آیا۔ میں نے خادمہ کو کھانا دے کر بھیجا، لیکن وہ واپس آ گئی۔ اس نے ایک رقعہ دیا جو لیبارٹری کے دروازے پر باہر کی جانب لگا ہوا تھا اور اس میں لکھا تھا کہ ”میں کام میں بہت مصروف ہوں، کوئی بھی مخل نہ ہو۔“

ان کا معمول تھا کہ جب وہ بہت زیادہ مصروف ہوتے، تو دروازے پر اس قسم کے نوٹس پن سے لگا دیا کرتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد میں قہوہ پی رہی تھی کہ ہنری ناچتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے مٹھی میں ایک مکھی پکڑی ہوئی تھی اور وہ کہہ رہا تھا: ”ممی، یہ دیکھو سفید سر کی مکھی ہے، اس کی ٹانگیں بھی عجیب طرح کی ہیں۔“

”ہنری، اسے چھوڑ دو، مکھی پکڑنا کوئی اچھی عادت نہیں۔“ میں نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ مجھے خوب معلوم تھا کہ ہنری کا باپ جانوروں پر ظلم برداشت نہیں کرتا اور اسے جونہی معلوم ہوگا کہ ہنری نے مکھی کو ڈبیا میں بند کر رکھا ہے، تو وہ ناراض ہوگا۔

شام کے کھانے پر بھی جب اینڈر نہیں آیا، تو مجھے تشویش ہوئی اور میں دوڑتی ہوئی لیبارٹری پہنچی۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، کوئی جواب نہیں ملا، لیکن اندر قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر دروازہ سے باہر ایک چٹ گری جو ٹائپ کی ہوئی تھی۔ اس پر لکھا تھا:

”ہیلن میں اس وقت سخت تکلیف میں ہوں۔ ہنری کو سلا دو اور پھر ایک گھنٹے تک واپس آ جاؤ۔“

”میں سہم گئی۔ میں نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا آوازیں دیں، لیکن اینڈر نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔

میں گھر لوٹ آئی، ہنری کو سلایا اور بے چین ہو کر لیبارٹری کے دروازے پر لوٹ آئی، وہاں ایک اور چٹ پڑی تھی:

''ہیلن، تم اپنے اعصاب پر قابو رکھو اور جو کچھ میں کہتا ہوں، وہی کرو۔ اس تکلیف میں صرف تم ہی میری مدد کر سکتی ہو اس وقت زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑا ہوں۔ مجھے پکارنا اور مجھ سے کچھ کہنا بے کار ہے۔ میں جواب نہیں دے سکتا۔ میں بولنے کی صلاحیت سے محروم ہوں۔ اگر تم میری مدد کرنا چاہتی ہو، تو دروازے پر تین بار دستک دو۔ میں سمجھوں گا کہ تم مدد کے لئے تیار ہو۔ میں نے اب تک کچھ نہیں کھایا۔ دودھ کا ایک گلاس لا دو۔''

میں نے دروازے پر تین بار دستک دے کر پورے تعاون کا یقین دلایا اور خوف و ہراس کے عالم میں دودھ لانے کے لئے دوڑی، میں پانچ منٹ ہی میں واپس آ گئی۔ دروازے پر ایک اور چٹ لگی تھی:

''ہیلن، میری ہدایات پر احتیاط سے عمل کرو۔ تم جب دستک دو گی، میں دروازہ تھوڑا سا کھول دوں گا۔ تم سیدھی میز کی طرف جاؤ، وہاں دودھ کا گلاس رکھ دو اور پھر دوسرے کمرے میں جہاں ریسیونگ سیٹ ہے، چلی جاؤ وہاں ایک مکھی کو تلاش کرو۔ میں بہت ڈھونڈ چکا ہوں، نہیں ملی۔ اب مجھے چھوٹی چیزیں نظر بھی نہیں آتیں، جب تم کمرے میں داخل ہو تو مجھے دیکھنے کی کوشش مت کرنا اور نہ ہی بات کرنے کی..... اور اب تم تین بار پھر دستک دو تا کہ میں دروازہ کھول دوں۔'' میں نے تین بار دستک دی، دروازہ کھل گیا۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ اینڈر دروازے کے پیچھے کھڑا ہے۔ میں نے میز پر دودھ کا گلاس رکھا اور سیدھی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

مجھے یوں لگا جیسے اس کمرے میں کوئی طوفان آیا ہوا ہے، بہت سے کاغذات جلے ہوئے تھے، کرسیاں اور ٹشو ٹیوبیں بکھری پڑی تھیں اور کھڑکیوں کے پردے اترے ہوئے تھے۔ میں نے محسوس کر لیا کہ یہاں مکھی کی تلاش بے کار ہے۔ یہ وہی مکھی ہے جو ہنری پکڑ کر لایا تھا اور میں نے جسے اڑا دیا تھا۔

اینڈر جب دودھ پی رہا تھا، اس کے منہ اور گلے کی دھیمی آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے دودھ پینے میں بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔

''اینڈر، مجھے مکھی نہیں مل رہی ہے، میں تمہارے پاس آنا چاہتی ہوں، میں بے چین ہوں، تمہیں آخر کیا ہو گیا ہے؟ تم بتاتے کیوں نہیں؟'' یہ کہہ کر میں آگے بڑھی۔ اینڈر نے اپنے بازو، چہرے اور سر کو مخمل کے اس ٹکڑے سے ڈھانپ رکھا تھا جو عموماً کھانے کی میز پر بچھا رہتا تھا۔

''ہنری نے آج صبح ایک مکھی پکڑی تھی، وہ مجھے دکھانا چاہتا تھا، لیکن میں نے اسے اڑا دیا۔ میں نے اسے دیکھا تو نہیں، لیکن ہنری کہتا ہے کہ اس کا سر سفید تھا۔ تمہیں اس مکھی کی تو تلاش نہیں؟''

میں نے پوچھا۔

اینڈر نے ٹھنڈی سانس اور اس کا ایک ہاتھ نیچے لٹک گیا۔ میں نے خوف اور دہشت کے مارے اپنے ہونٹوں کو کاٹ لیا۔ اُف خدایا! میرے اینڈر کا بازو، لمبی انگلیوں اور گوشت کا بنا ہوا نہیں تھا۔ وہ گھٹنوں سے نیچے لٹک رہا تھا اور ایک سوکھے ہوئے درخت کی شاخ معلوم ہو رہا تھا جس میں بہت سی خشک قلمیں لگی ہوئی تھیں۔

میں یہ منظر دیکھ کر تڑپ گئی۔ میں نے عاجزی اور خوشامد کے ساتھ اینڈر سے حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے خوفناک ہاتھ کے اشارے سے مجھ کو باہر جانے کا حکم دیا۔ میں باہر آ گئی۔ اینڈر نے دروازہ بند کر لیا۔ ٹائپ مشین چلنے لگی اور ایک منٹ بعد اینڈر نے دروازے سے باہر ایک چٹ پھینکی:

''ہیلن، تم کل واپس آنا۔ میں اس واقعے کو پوری وضاحت سے ٹائپ کر لوں گا۔ تم نیند لانے والی ایک گولی کھا کر سو جاؤ۔ میں صبح تمہیں تازہ دم دیکھنا چاہتا ہوں۔''

میں نے پانچ بجے کا الارم لگا دیا تھا، لیکن جب آنکھ کھلی، تو سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا، غالباً خواب آور گولیوں کی وجہ سے آنکھ نہیں کھلی۔ میں جلدی سے باورچی خانے میں گئی، ایک ٹرے میں قہوہ، ڈبل روٹی اور مکھن رکھا اور لیبارٹری کی جانب بڑھنے لگا۔ دروازہ بند تھا، تین بار دستک دینے سے اینڈر نے دروازہ کھول دیا۔ میں

نے ٹرے کو میز پر رکھا اور ٹائپ رائٹر کے پاس سے کاغذات اٹھا کر پڑھنے لگی۔ اینڈر نے دوسرا دروازہ کھولا۔ میں سمجھ گئی کہ وہ تنہا رہنا چاہتا ہے میں کاغذات لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور اس نے دروازہ بند کر دیا اور قہوہ پینے لگا۔

میں نے ٹائپ کئے ہوئے کاغذات پڑھنے شروع کیے: ''تمہیں ایش ٹرے کا تجربہ یاد ہوگا جس کے حروف الٹ گئے تھے۔ میرے ساتھ بھی ایک ایسا ہی حادثہ پیش آیا ہے۔ میں نے پرسوں یہ تجربہ اپنے اوپر کیا اور خود کو ٹرانسمیشن کے ذریعے تحلیل کر لیا، لیکن بدقسمتی سے اس وقت ٹرانسمیشن میں ایک مکھی بھی تھی جسے میں نے نہیں دیکھا تھا، وہ بھی میرے ساتھ ہی ہوا میں تحلیل ہوگئی۔ اب میری صرف یہ خواہش ہے کہ ایک بار اس مکھی کے ساتھ دوبارہ تحلیل ہو جاؤں۔ خدارا تم اسے ڈھونڈو، اگر وہ نہ ملی، تو یہ سب کچھ تباہ ہو جائے گا، اور شاید میری جان بھی۔''

میں نے اس سے کہا کہ ''میں مکھی کو ڈھونڈنے میں اپنی جان کی بازی لگا دوں گی، لیکن اگر تمہاری شکل وصورت بدل گئی ہے تو اس میں خوف کی کیا بات ہے۔ تم میرے شوہر ہو، کسی روپ میں بھی ہو، میں تمہیں پیار کرتی رہوں گی۔ تم دلبرداشتہ نہ ہو، خدا کے لئے مجھے اپنا چہرہ دکھا دو، میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ جب تک تم اپنی اصل صورت میں نہیں آ جاتے، میں کسی سے بھی ذکر نہیں کروں گی۔''

لیکن اینڈر نے اس بات کا جواب نہیں دیا اور اشارے سے مجھے مکھی تلاش کرنے کا حکم دیا۔

میں نے گھر آتے ہی تمام ملازمین کو حکم دیا کہ پروفیسر صاحب کی لیبارٹری سے ایک مکھی بھاگ گئی ہے سب اسے تلاش کریں اور زندہ پکڑ کر لائیں وہ سب اس بات پر ہنسنے لگے بعد میں پولیس کو انہوں نے جو بیانات دیئے، ان میں اس مکھی کا ذکر تھا اور شاید یہی بات مجھے تختہ دار سے بچا گئی۔

میں دن بھر مکھیاں پکڑتی رہی۔ میں نے جام، چینی، گوشت اور شہد یعنی ہر وہ چیز جس پر مکھیاں ٹوٹ سکتی تھیں، کئی جگہ بکھیر دیں، لیکن جو مکھی ہنری لایا تھا اور جسے میں نے اڑوایا تھا، وہ دوبارہ نہیں ملی۔ میری مایوسی کو کوئی انتہا نہ تھی، میرا اضطراب بڑھنے لگا۔ میں سوچ رہی تھی کہ اب کیا ہوگا؟

شام کے کھانے کا وقت ہوگیا۔ میں لیبارٹری گئی، ساتھ کچھ مکھیاں بھی لے گئی، لیکن اینڈر نے ان تمام کو واپس کر دیا۔ انہوں نے ابھی تک اپنے چہرے اور بازوؤں کو مخمل کے ٹکڑے سے چھپا رکھا تھا۔ وہ ہر بات کا جواب لکھ کر دیتے یا میز پر ہاتھ مار کر۔ میں نے انہیں دلاسا دینا چاہا کہ اگر مکھی نہ ملی، تو وہ زندگی سے مایوس نہ ہوں، انہیں زندہ رہنے کی کوشش کرنی چاہئے، ننھا ہنری ابھی قدم قدم پر باپ کی اعانت کا محتاج ہے، خود میری زندگی ویران ہو کر رہ جائے گی۔ میں نے ان سے کہا: ''آپ زندہ ہیں، آپ کا دماغ موجود ہے، آپ سوچ سکتے ہیں، اپ کی روح بھی ہے، اگر شکل بدل گئی ہے، تو کیا ہوا..... میں اور میرا بیٹا آپ کو اسی روپ میں دیکھ کر خوش رہیں گے۔

اینڈر نے فوراً ٹائپ کرنا شروع کیا اور ایک منٹ بعد ٹائپ کی ہوئی چٹ میری جانب پھینک دی۔ اس پر لکھا تھا: ''میں زندہ ہوں، یہ درست ہے، لیکن اب میں مکمل طور پر انسان نہیں رہا۔ میرا دماغ ماؤف ہو جائے گا اور میری روح بیکار ہو جائے گی۔''

میں نے کہا کہ ''میں دوسرے سائنس دانوں کو بلاتی ہوں، وہ آپ کو دوبارہ اصلی حالت پر لانے کی جدوجہد کریں گے۔'' لیکن اینڈر نے زور زور سے میز پر مکے مار کر اپنی ناراضگی کا اظہار کرنا شروع کر دیا، وہ اس کے لئے قطعاً آمادہ نہیں تھا۔ میں نے ایک تجویز پیش کی: ''آپ ایک بار اور ٹرانسمیشن میں بیٹھ کر خود کو ہوا میں تحلیل کریں۔ ممکن ہے اس بار آپ اپنی اصلی حالت میں آ جائیں۔''

''میں سات بار تجربہ دہرا چکا ہوں اور آٹھویں بار اس مکھی کے ساتھ ٹرانسمیشن میں جانا چاہتا ہوں، لیکن تمہارے کہنے سے میں آخری بار ٹرانسمیشن میں جاتا ہوں۔ تم میری طرف پشت کر کے کھڑی ہو جاؤ۔''

میں نے کمرے میں چند دھیما دینے والی روشنی دیکھی اور ٹرانسمیشن چلنے کی آواز پیدا ہوئی..... میں نے گھوم کر دیکھا۔ اینڈر ہوا میں تحلیل ہونے کے بعد ریسیور سیٹ میں پہنچ چکا تھا۔ اس کا سر اور مونڈھے اب بھی مخمل میں چھپے

ہوئے تھے۔ میں نے اس کے بازو کو چھوتے ہوئے بے چینی کے ساتھ پوچھا: ''تم کیسے ہو؟ کیا تم میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی؟ کیا تم مکمل طور پر انسانی شکل میں آ گئے ہو؟''

اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی اور پاس پڑے ہوئے ایک اسٹول سے الجھ کر گر پڑا۔ مخمل کا ٹکڑا اس کے سر اور شانوں سے سرک گیا تھا۔ اف! میری آنکھوں نے اسی وقت جو ہولناک منظر دیکھا، وہ ناقابل فراموش تھا۔ مجھ پر خوف اور دہشت کے مارے غشی طاری ہونے لگی، لیکن میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگی، میں نے اپنے ناخنوں سے اپنے منہ کو نوچ لیا۔ میرے ہاتھ میرے ہی خون سے سرخ ہو گئے۔ میری آنکھیں اینڈر کے چہرے کو دیکھ سکتی تھیں اور نہ ہی میں انہیں بند کر سکتی تھی۔ اگر میں یہ منظر کچھ دیر اور دیکھتی رہتی، تو یقیناً موت کی آغوش میں چلی جاتی۔

اینڈر نے اس مخمل کے ٹکڑے سے دوبارہ اپنے منہ کو ڈھانپ لیا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

میں جب تک زندہ ہوں، اس دہشت ناک منظر کو کبھی نہیں بھول سکتی۔ اس کے سفید بالوں والے سر کے دونوں طرف دو بڑے بڑے بلی کے کان اُگے ہوئے تھے، ناک بھی بلی ہی کی تھی۔ آنکھوں کی جگہ دو کالی چھوٹی سی طشتریاں بنی ہوئی تھیں اور منہ کے بجائے مکھی کی سونڈ لٹکی ہوئی تھی۔ اینڈر دوسرے کمرے میں کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ دو منٹ کے بعد اس نے میرے کمرے میں ایک چٹ پھینکی جس میں لکھا تھا:

''میری ہیلن، یہ آخری تجربہ تو اور بھی خطرناک ثابت ہوا۔ پہلے ٹرانسمیشن میں مکھی بیٹھی تھی اور تحلیل ہوتے وقت اس کے کچھ اعضاء میرے جسم میں چپک گئے تھے اور اب آخری بار تحلیل ہونے پر اس بلی کے کان اور آنکھیں میرے منہ پر لگ گئے ہیں جسے میں نے کئی ہفتے پہلے تجربے کے طور پر ٹرانسمیشن کے ذریعے ہوا میں تحلیل کیا تھا۔ اب میں تمہیں آخری بار ہدایت کرتا ہوں کہ تم برقی شکنجے کے ذریعے غیر فطری اعضاء کو کچل دو۔ بلی اور مکھی کے یہ حصے میرے نہیں ہیں۔ یہ ایٹم میں تحلیل ہو کر مجھ سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ یہ میری آخری خواہش ہے، خدا کے لئے اسے رد نہ کرنا۔''

اینڈر نے اپنے بازو کو برقی شکنجے میں رکھا اور مجھے اشارے سے بتایا کہ بٹن کو دباؤ۔ جونہی بٹن کے دباؤ سے سوئی صفر پر پہنچے گی، شکنجہ میرے بازو کو کچل دے گا۔ نامعلوم جذبے اور خوف کے تحت میں نے کسی تامل کے بغیر بٹن دبا دیا۔ سوئی صفر پر پہنچی، ایک دہشت ناک آواز پیدا ہوئی، اینڈر کا بازو کچل کر گوشت بن گیا۔ اس نے بڑی پھرتی کے ساتھ دوسری بار اپنے سر کو برقی شکنجے میں دے دیا اور میں بٹن دوبارہ دبانے پر مجبور ہو گئی۔ سوئی صفر پر پہنچی اور میرا اینڈر ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سو گیا۔

میں نے یہ قتل اپنے پیارے شوہر کی آخری خواہش کی تکمیل میں کیا ہے، اس لحاظ سے میں قاتل ضرور ہوں۔''

ہیلن کی یہ کہانی پڑھ کر میں حیران رہ گیا۔ میں نے پولیس انسپکٹر کو ٹیلی فون پر شام کو چائے پینے کی دعوت دی۔ شام کو چائے کے بعد میں اسے اپنے مطالعے کے کمرے میں لے آیا اور اسے ہیلن کا خط دکھایا، وہ اسے بغور پڑھتا رہا۔ بیس منٹ کے بعد اس نے یہ خط مجھے واپس کر دیا اور میں نے اسے آگ میں ڈال دیا۔ میں نے انسپکٹر کو بتایا کہ ''آج جب قبرستان میں گیا، تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔''

انسپکٹر نے بات کاٹتے ہوئے کہا: ''اس وقت تم اپنے بھائی کی قبر پر دیا سلائی سے ایک ڈبیا جلا رہے تھے۔''

''آپ کو کیسے معلوم ہوا؟''

''اور اس ڈبیا میں ایک مکھی تھی۔'' انسپکٹر نے مجھے یہ بتا کر اور بھی حیران کر دیا۔ ''لیکن یہ مکھی زندہ تھی یا مر چکی تھی؟'' انسپکٹر نے پوچھا۔ ''میں جب قبرستان آیا، تو سفید سر والی یہ مکھی، مکڑی کے ایک جالے میں پھنسی ہوئی تھی اور باہر نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور ایک پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے اس کا سر کچل دیا اور پھر اسے دیا سلائی کی ڈبیا میں بند کرنے کے بعد اسے آگ لگا دی..... آخر میرے بھائی کی موت کی ذمہ دار یہی تو تھی۔''

مکافاتِ عمل

شیخ معین اختر - چنیوٹ

دفعتاً سانپ کی جیسی آواز سنائی دی لیکن اسے صرف ایک چیز کی خواہش تھی اور وہ تھی موت، لیکن جب موت سامنے آئی تو وہ دھل کر رہ گئی اور آناً فاناً.....

اچھی کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے دل دہلاتی.....سبق آموز.....کہانی

''اوہ گاڈ..... رابیل یار کیا مصیبت ہے.....'' ازابیل نے قمیض جھاڑتے ہوئے چڑ کر کہا اور پنج کرمشی کو بیڈ پر رکھا۔ مشی نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا بیل جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی تو لپک کر اٹھایا۔

''توبہ ہے ازا..... مشی نے گیلا کیا ہے پاجامہ بدل دیتی بھلا یوں آسمان سر پے اٹھانے کی کیا بات ہے۔'' رابیل مشی کو ڈائپر لگاتے ہوئے بولی۔

''میڈم تمہاری بچی ہے میری نہیں۔'' ازابیل نے ریموٹ اٹھایا اور چینل تبدیل کرنے لگی۔

''پتہ نہیں وہ کون سی خالائیں ہوتی ہیں جو اپنی بھانجی سے ماؤں کی طرح محبت کرتی ہیں۔'' رابیل نے چیونگم چباتی ازابیل کو دیکھ کر کہا۔

''ابھی بھی پائی جاتی ہیں، ایسی خالہ لیکن محبت یہ نہیں کہ بچے کا گند بھی صاف کرو اور ہاں مجھ سے ایسی عظیم محبت کی کوئی امید مت رکھنا۔ Ok۔'' ازابیل نے سفید جھنڈی دکھائی اور میوزک انجوائے کرنے لگی۔

''ازا.....'' جمیلہ بیگم کی آواز پر ازابیل کے تاثر بگڑنے لگے۔

''ماما مسئلہ کیا ہے بندہ تھوڑی دیر انجوائے بھی نہیں کرسکتا کیا۔'' ازابیل نے ریموٹ دیوار پر مارا یہ پانچواں ریموٹ تھا جو ازابیل کے غصے کی نذر ہو رہا تھا۔

دروازے پر دیکھو کب سے بج رہا تھا شاید اب تو کوئی چلا بھی ہوگیا ہو۔'' جمیلہ بیگم مشی کو گود میں لیتے ہوئے بولیں اور ازابیل پیر پٹختے ہوئے کمرے سے باہر نکلی دروازہ کھولتے ہی گرم ہوا نے اس کا استقبال کیا اور اس کا غصہ ساتویں آسمان پر جا پہنچا۔

جی فرمایئے.....'' دروازے پر ایک نحیف سے بوڑھے کو دیکھ کر اس نے نہایت ناگواری سے کہا۔

''بیٹا پانی ملے گا..... گرمی بہت ہے اور پیاس بھی شدت کی لگی ہے۔'' اس بوڑھے نے بڑی عاجزی سے کہا۔

''تو بابا جی کس نے کہا تھا اس گرمی میں باہر نکلیں گھر میں بیٹھتے..... اور ویسے میں خوب جانتی ہوں یہ جو لوگوں کے گھروں میں گھسنے کا آپ جیسوں نے وطیرہ بنایا ہوا ہوتا ہے نا..... کبھی ماں بیمار ہے، کبھی بہن کو کینسر ہے، کبھی بھائی کے علاج کے لئے پیسے چاہئیں اور کبھی پانی پینے کے بہانے..... جاؤ جاؤ معاف کرو بابا۔''

''پر بیٹا صرف پانی.....''

ازابیل نے دروازہ زور سے بند کردیا اور خود

گنگناتی ہوئی کچن کی طرف چل پڑی۔ فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالی اور غٹا غٹ پینے لگی۔

آ..... ماما..... رابیل..... ماما.....''

''کیا ہوا ازا..... ازا.....'' رابیل اور جمیلہ بیگم تقریباً بھاگتی ہوئی کچن میں آئیں۔ ازابیل شیلف پر چڑھی ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔

''ماما..... کاکروچ..... وہ دیکھئے.....'' ازابیل نے کونے میں اشارہ کیا جس پر رابیل نے حیرت سے جملہ بیگم کو دیکھا اور ساتھ چپل سے لال بیگ کو کچل دیا۔

''اور اب اعجاز آئیں گے تو تمہاری خوب کلاس لگواؤں گی۔'' جمیلہ بیگم نے وارننگ والے انداز میں کہا۔

اعجاز جنوبی افریقہ میں بہت بڑے سرجن تھے، 2 سال میں ایک بار چکر لگاتے وہ بھی صرف پندرہ دن کے لئے پاکستان میں ان کی بیوی جمیلہ بیگم اور دونوں بیٹیاں رابیل اور ازابیل تھیں۔

رابیل کی سال پہلے شادی ہوئی تھی اور اس کی 2 ماہ کی بیٹی مشی بھی تھی سسرال والوں میں رسم تھی کہ پہلا بچہ یا بچی میکے جا کر پیدا ہوتا ہے اور رسم کے مطابق تمام اخراجات میکے والے اٹھاتے جمیلہ بیگم نویں مہینے میں رابیل کو اپنے گھر لے آئیں اور ازابیل جو چھوٹی ہونے کی وجہ سے لاڈلی اور حد سے زیادہ سر چڑھی ہوئی تھی۔ لاڈ پیار نے اسے بہت بگاڑ دیا تھا۔

''ازا..... بیٹا آج دوپہر کو میں رابیل کو لے کر حیدر آباد جا رہی ہوں اس کو اس کے سسرال چھوڑنے۔'' جمیلہ بیگم نے مشی کا بیگ پیک کیا۔

''ٹھیک ہے.....'' ازابیل کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔

''تمہیں اتنی خوشی کیوں ہوئی۔'' جمیلہ ازابیل کی چمک بھانپ چکی تھیں۔ ''فائنلی..... مشی اپنے پاپا کے پاس جائے گی وہ جو رات اور دن کا سکون حرام ہو گیا تھا وہ ختم ہو گا۔ کبھی رونے کی آواز کبھی پوٹی کی اسمیل کبھی فیڈر بنانا اور کبھی اس کا سوسو۔ اف۔'' ازابیل نے کاجو پیکٹ میں بند کرتے ہوئے کہا۔

''جب تمہارے بچے ہوں گے نا تو تب پوچھوں گی۔'' رابیل اب ناراض سی ہونے لگی۔

''میڈم میں میڈ رکھ لوں گی۔ تمہاری طرح یوں ہر ایک کو ڈسٹرب نہیں کروں گی۔'' ازابیل نے رابیل کو جواب دیا اور بادام کھانے لگی۔

''مگر میں ڈرائے فروٹ کھا رہی ہو دماغ ہے کہ نہیں؟'' رابیل نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

''گرم چیزیں نہیں کھاتیں کنواری لڑکیاں۔'' جمیلہ بیگم نے بادام اور کاجو کا پیکٹ ازابیل کے ہاتھوں سے چھینا۔ ماما..... آپ کو کیا پتہ کنواری لڑکی کو کیا کھانا چاہئے۔ اچھا اب جائیں آپ لوگ تاکہ میں آزادی سے 3 یا 4 گھنٹے رہوں گھر میں۔'' ازابیل کا موڈ کافی حد تک آف ہو چکا تھا۔ ازابیل نے گاؤن پہنا اور وہ دونوں کار میں بیٹھ کر جانے لگیں۔ ریحانہ جو کہ ان کی پرانی ملازمہ تھی ان کے گھر آ گئی جمیلہ بیگم نے اسے سختی سے تاکید کی تھی کہ ان کے آنے سے پہلے ازابیل کے پاس رکنا ہے۔ ''ریحانہ میرے روم کی صفائی کر دو یار..... میری فرینڈز آ رہی ہیں اور یہ ایگزاسٹ کیوں چلایا ہوا ہے۔'' ازابیل جیسے ہی کچن میں داخل ہوئی اس کی نظر ایگزاسٹ فین پر گئی۔

''بی بی جی گرمی لگ رہی تھی ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی چلایا ہے۔'' ریحانہ ایک دم گھبرا گئی۔

''اچھا بل کیا تمہارا باپ دے گا بند کرو اس کو، تم لوگوں کو جتنی سہولتیں دو اتنا ہی تم لوگ سر چڑھتے ہو، اوقات میں رہو اپنی..... جاؤ میرے روم کی صفائی کرو اور ہاں الماری سے میرے سارے پرائز شیلف پر سجا دینا۔''

ازابیل ریحانہ کی اچھی خاصی کلاس لینے کے بعد فریج سے جوس نکال کر پینے لگی حالانکہ وہ بھول گئی تھی کہ وہ اپنے کمرے کا A.C کھلا چھوڑ کر آئی ہے۔

''آہ.....''

ریحانہ کی آواز کے ساتھ ہی اسے کانچ کے

ٹوٹنے کی آواز آئی۔ جوس کا گلاس ہونٹوں سے لگائے وہ دائیں بائیں جانب دیکھنے لگی اور پھر آہستہ سے گلاس رکھا اور کمرے تک گئی دروازہ تھوڑا سا کھولا اور چپ کر کے ایک آنکھ سے اندر جھانکا، ریحانہ سسکیوں سے رو رہی تھی۔ اور جلدی جلدی کانچ سمیٹ رہی تھی۔ کانچ کی خوبصورت شیلڈ جو ازابیل کو Best Debater ہونے پر ملی تھی۔ ریحانہ کے ہاتھوں چکنا چور ہو چکی تھی۔ ریحانہ ازابیل کے قہر سے اچھی طرح واقف تھی، اسی لئے بہت ڈر گئی تھی۔

''ذلیل..... کمینی.....'' ازابیل دروازہ پٹخ کر اندر داخل ہوئی اور ریحانہ پر دھڑا دھڑ تھپڑوں کی برسات کر دی۔

''حرام خور..... نکل یہاں سے دفع ہو جا۔ تیری اوقات ہی نہیں ہے اندھی نکل.....'' ازابیل ریحانہ کو چوٹی سے پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی باہر لے گئی۔ ''معاف کر دو بی بی جی غلطی ہو گئی۔'' ریحانہ لاچارگی سے رو رہی تھی جبکہ ازابیل پر تو خون سوار تھا۔ ''نکل..... دفع ہو جا.....'' ازابیل نے گھما کر ٹانگ اس کی کمر پر ماری جس کی وجہ سے وہ بیچاری قلابازی کھاتی ہوئی سڑک پر گری۔ ازا نے ہاتھ جھاڑے اور دروازہ بند کر کے کمرے میں آ گئی۔

☆.....☆.....☆

''ہیلو..... ہاں سویرا آج کا پروگرام کینسل ہو گیا ہے میرا موڈ آف ہو گیا ہے Bye'' ازابیل نے موبائل بیڈ پر رکھا اور خود لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

''ریلیکس ازا..... جھریاں پڑ جائیں گی..... ریلیکس۔'' ازا خود سے بولتی ہوئی لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اٹھی اور کمپیوٹر پر اونچی آواز میں گانے لگا کر ہلکا ہلکا مٹکنے لگی۔ وہ اپنے ڈانس میں گم ہو کر ساری پریشانیوں اور سارے غصے کو بھول چکی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھی اور کمپیوٹر پر Hide Folder کھلنے لگی اس نے اپنا ایک فولڈر بنایا ہوا تھا جس پر وہ پاس ورڈ رکھتی تھی تاکہ کوئی بھی وہ فولڈر نہ کھول سکے اصل میں اس فولڈر میں ازابیل نے نہایت واہیات گانے اور وڈیوز رکھی ہوئی تھی وہ جب اکیلی ہوتی تھی تو اس فولڈر کو دیکھتی اور اپنے اعمال نامے کا بیڑہ غرق کر دیتی۔

ازابیل فیشن میں آ کر اپنے کردار کی مکمل تباہی کر چکی تھی۔ کوئی اسے سمجھانے والا نہیں تھا نہ ہی وہ کسی کو اتنی مہلت دیتی کہ کوئی اس کے سامنے اف بھی کر سکے۔ ازابیل نے اسٹیج سانگز کھولے اور دیدار کے ساتھ ڈانس کرنے لگی۔ وہ خوب ہنس رہی تھی جیسے وہ اپنے واہیات ڈانس کو انجوائے کر رہی ہو۔

وہ دین دنیا سے بیگانی ہو کر اپنے کپڑے اتارنے لگی۔ وہ فحاشی کی انتہا پر پہنچ چکی تھی۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی اور وہ چونک گئی۔ اس نے بیڈ شیٹ لپیٹی اور دروازہ کھولنے گئی۔ دروازے پر مزدور تھا ان کے گھر کے سامنے کنسٹرکشن کا کام چل رہا تھا۔ جس میں وہ مزدور کام کرتا تھا۔ اس مزدور کو دیکھتے ہی ازابیل کا موڈ آف ہو گیا۔

''بی بی جی باہر ظہر کی جماعت کھڑی ہونے والی ہے موسیقی کی آواز کم کر لیں۔'' وہ مزدور ازابیل کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں تو نمازیوں کے ایمان اتنے کچے ہیں جو ذرا سے گانے سے ٹوٹ جائے گا۔ اور ویسے بھی جس کو تکلیف ہے وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ لے۔'' ازابیل نے نہایت ہٹ دھرمی سے جواب دیا۔

''خدا کا خوف کھاؤ بی بی جی.....'' مزدور ازابیل کے جواب پر تلملا اٹھا۔

''دفع ہو یہاں سے.....'' ازابیل نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کا کہا اور دروازہ بند کر دیا۔ ازابیل نے بیڈ شیٹ وہیں پھینک دی، جس کا کونہ دروازے کے نیچے سے باہر نکل گیا اور خود اپنے نشیب و فراز کو ٹٹولتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔

ازابیل کے ماتھے پر غصے کی لکیریں کھنچ گئیں۔ اب وہ ڈانس بھی نہیں کر رہی تھی اس نے پانی کا گلاس کمپیوٹر کی اسکرین پر پھینک دیا جس کی وجہ سے ایل سی

ڈی پر Error آ گیا۔

اچانک ازابیل کے دماغ میں شیطان نے کھلبلی مچادی۔ ازابیل دوڑ کر دروازے کے پاس گئی اور وہ بیڈ شیٹ اٹھا کر لپیٹنے لگی۔ اس کے بعد وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی چھت پر گئی۔ منڈیر کے قریب آئی تو دیکھا سامنے وہی مزدور کنسٹرکشن والی بلڈنگ کی دیوار بنا رہا تھا۔ ازابیل نے ایک نظر اسے دیکھا اور ہنستے ہوئے چلاتی دھوپ میں جا کر کھڑی ہوگئی۔

''سن رہا ہے ناتو.....رو رہی ہوں میں''

سن رہا ہے ناتو.....کیوں رو رہی ہوں میں.....

ازابیل نے اپنی سریلی آواز سے گانا شروع کیا۔ وہ جانتی تھی کہ گرمیوں کی چلاتی دوپہر میں سب اپنے اپنے گھروں میں آرام کر رہے ہونگے اور اس سنسانی میں اس کی آواز آرام سے مزدور تک پہنچ جائے گی۔ وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے گانا گا رہی تھی تاکہ مزدور پر یہ ظاہر نہ ہوسکے کہ وہ اس کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے۔

ازابیل نے دائیں بائیں جانب دیکھتے ہوئے ایک نظر مزدور پر ڈالی ازابیل کی خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ وہ ازا کو ہی دیکھ رہا تھا۔ ازابیل اب مزدور کی طرف پیٹھ کر کے کھڑی ہوگئی اس نے آہستہ آہستہ اپنی بیڈ شیٹ ڈھیلی کرنا شروع کی۔ گرم ہوا نے اس کی کمر پر سے بیڈ شیٹ اتار دی اور وہ قہقہہ لگاتی ہوئی نیچے بیٹھ گئی۔

ازابیل نے خود کو کور کیا اور اب مزدور کی طرف دیکھا مزدور اپنی جگہ پر نہیں تھا ازابیل کی تو ساری امیدوں پر پانی پھر گیا ہو، جیسے اسے لوگوں کو ٹارچر کرنے میں بہت مزہ آتا تھا اس لئے وہ مزدور کو نہ پا کر اداس سی ہوگئی۔ ازابیل نے برا سا منہ بنا کر منڈیرے سے نیچے دیکھا تو حیران رہ گئی وہ مزدور اس کے مین دروازے پر کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس سے اندر آنے کی ریکویسٹ کر رہا ہو۔ ازابیل نے زوردار قہقہہ لگایا وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو چکی تھی۔

''کتا.....'' ازابیل نے مزدور کے منہ پر تھوک پھینکا اور ہنسنے لگی۔ پھر وہ بیڈ شیٹ چھت پر ہی پھینک کر نیچے آ گئی۔ وہ سیڑھیوں سے اترتی ہوئی بھی ہنس رہی تھی۔

نیچے آ کر اس نے موبائل پر فرنٹ ویڈیو کیمرہ آن کیا اور سامنے رکھ کر ڈانس کرنے لگی۔ ازا نے دوبارہ واہیات ناچ شروع کر دیا۔

دروازہ زور زور سے بجنے لگا۔ ازا نے دروازے کے سوراخ میں سے دیکھا تو باہر وہ مزدور ہی کھڑا تھا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

وہ مزدور جو ازا سے لاکھ گنا ہوشیار اور لاکھ گنا سمجھ دار تھا۔ کیونکہ وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ عورت گھر میں اکیلی ہے اور حد سے زیادہ بے وقوف ہے یا پھر پاگل ہے۔

مرد کی نظر عورت کی نظر سے بہت تیز ہوتی ہے وہ ایک لمحہ بھی نہیں لگاتے بد اور نیک کو الگ کرنے میں۔

''جا دفع ہو یہاں سے کتا..... نالی کا کیڑا''

ازابیل نے دروازے کے اندر سے آواز لگائی اور ہنستی ہوئی کمرے میں آ گئی اور دوبارہ ڈانس کرنے لگی اسے رہ رہ کر مزدور کی وہ للچائی نظریں یاد آ رہی تھیں۔ وہ ہنسنے لگی۔

ہنستی ہنستی وہ صوفے پر گر گئی وہ مکمل طور پر کپڑوں سے آزاد تھی وہ صوفے پر لیٹ گئی اور ٹانگ ہلاتی ہوئی مزدور کی بے بسی کو یاد کرنے لگی۔ اس کے ٹانگ ہلانے سے پورا صوفہ ہل رہا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے اٹھی اور موبائل کا کیمرہ آف کرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

اچانک اسے محسوس ہوا کہ زمین ہل رہی ہو۔ وہ ایک دم رک گئی اور غور کرنے لگی زمین واقعی ہل رہی تھی وہ صوفہ پکڑ کر بیٹھ گئی اور چاروں اور دیکھنے لگی۔ کمرے کی دیواریں لرزنے لگیں۔ ہر چیز ہل رہی تھی چھت دیواریں، صوفہ کرسی سب کچھ کمرے کی ایک ایک چیز ہل رہی تھی۔

وہ تیزی سے اٹھی اور بیڈ پر سے اپنے کپڑے اٹھا کر باہر جانے لگی صحن میں پہنچتے ہی اسے خوف کا شدید

جھٹکا لگا۔

''زلزلہ ہے.....'' وہ خود کلام ہوئی اور کپڑے وہیں پھینک کر مین دروازے پر پہنچی۔

سڑک پر سے 'اللہ اکبر' اور 'استغفر اللہ' کی ملی جلی آوازیں آرہی تھیں، لوگ گھروں سے باہر نکل چکے تھے اور خدا کے حضور رحم کی بھیک مانگ رہے تھے۔

ازابیل کے بڑھتے قدم رک گئے اسے یاد آیا کہ وہ بنا کپڑوں کے ہے وہ بہت زیادہ گھبرا گئی تھی ازابیل جلدی سے کمرے میں کپڑے لینے گئی اسے محسوس ہوا کہ زلزلے کی شدت میں اضافہ ہو رہا ہے اس کے کمرے کی چیزیں گرنے لگیں۔ سڑک پر کھڑے لوگوں کی آوازوں میں جوش اور ڈر پیدا ہو گیا۔

مولوی صاحب مسجد میں جا کر اذان دینے لگ گئے ازابیل بہت ڈر چکی تھی وہ روتی ہوئی صوفے کے پیچھے چھپ گئی۔ اسے سڑک پر سے لوگوں کی چیخ و پکار صاف سنائی دے رہی تھی۔

اچانک زور دار دھماکہ ہوا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

زلزلے کی شدت 7.3 تھی۔ بہت تباہی ہوئی ہے اور اس کا دورانیہ 58 سیکنڈ تک تھا۔ خدا ہمیں بچائے اور ہم پر رحم کرے۔ آمین۔

آخر اب کس کے آنے کا امکان ہے آپ لوگ احتیاط سے جانا، جہانزیب نے جمیلہ بیگم اور دانش کو تاکید کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹا..... مجھے تو ازا کی فکر لگ رہی ہے فون بھی تو نہیں اٹھا رہی پتہ نہیں کہاں ہے۔'' جمیلہ بیگم آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

امی وہ لاپرواہ سی لڑکی ہے۔ فون کہیں پھینک دیا ہوگا۔ آپ پریشان مت ہونا۔

فون کہیں پھینک دیا ہوگا۔ آپ پریشان مت ہونا۔'' رابیل نے ماں کو تسلی دی اور جمیلہ بیگم رابیل کے دیور دانش کے ساتھ کار میں بیٹھ گئیں۔ ''اوہ..... امی یہ کھانا رکھیں۔'' جہانزیب نے کھانا جمیلہ بیگم کو پکڑایا اور

مشہور و معروف رائٹروں کی
تحریر کردہ 40 سے زائد کہانیاں

خوفناک کہانیاں

حاسدہ، نادیدہ مخلوق، خونی انتقام، پراسرار مندر، موت کا سودا، روح کی بے چینی، قلبی اذیت، موت کا سامنا، پراسرار سایہ، دہقان نو، پراسرار سانپ، سپر شپ، موت کی وادی، حویلی کا راز، انوکھا ہمسفر، موت کا قلعہ، خواب پریشان، اندھیری رات، اندھا قتل، قسمت کا چکر، جنات سے دوستی، تباہی بربادی، خواہش ناتمام، غیبی محافظ، خونی حویلی، دلہن کی روح، موت کا بدلہ، ناگ منکا، ناشکرا، دوسری مخلوقات، خبیث روح، اماوس کی رات، ظالم آتما، روح کی مدد، روحوں کا ملن، بے بس روح، موت کا بدلہ، پراسرار دنیا، غلط فہمی، ڈھائی بجے، ادھورا انتقام

صفحات 400 قیمت -/300 روپے

گھر بیٹھے کتاب منگوائیں
ڈاک خرچ ادارہ ادا کرے گا

ڈریبلی کیشنز

نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی
رابطہ نمبر: 0324-7232580

وہ دونوں کراچی کی طرف رواں دواں ہوگئے۔

☆.....☆.....☆

''احمد..... نیچے آجابیٹا.....'' ماں کی آواز پر احمد یک دم چونک گیا اور سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے جانے لگا۔

''احمد رک جا..... زلزلہ آرہا ہے.....'' ماں کی آواز پر وہ جوں کا توں کھڑا رہا۔ ''اللہ اکبر.....'' احمد نے دل ہی دل میں خدا کو یاد کرنا شروع کیا۔ 5,6 سیکنڈ بعد ہی زمین ساکت ہوگئی اور احمد نیچے اترتا ہوا ڈرائنگ روم میں آگیا جہاں اس کے پاپا شفیق صاحب بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ ''کیا ہوا احمد۔'' شفیق صاحب نے احمد کا اترا ہوا چہرہ دیکھا تو پریشان ہوگئے۔ ''کچھ نہیں پاپا..... سوچ رہا ہو یہ کیسا امتحان ہے ہم گنہگاروں کا۔ یا اللہ رحم فرما ہم سب پر۔'' احمد کی آواز بھرآئی تھی احمد کے ساتھ اس کے پاپا نے بھی آمین کہا اور وہ دونوں دوبارہ خبریں دیکھنے لگے۔

☆.....☆.....☆

''آہ.....'' ازابیل کو جیسے ہی ہوش آیا درد کی لہر نے اس کا استقبال کیا۔ درد اتنا زیادہ تھا کہ اس کے گلے سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ازابیل نے آنکھیں کھول کر دیکھا اس کے اردگرد اندھیرے کے سوا کچھ نہ تھا۔ ازابیل نے محسوس کیا کہ درد کی لہریں اس کے ہاتھ سے اٹھ رہی ہیں اس نے اپنا ہاتھ ہلانے کی کوشش کی لیکن اس کا ہاتھ کسی چیز کے نیچے دب چکا تھا۔ ازابیل نے لمبا سانس لیا اور دھول سے اس کی سانس رکنے لگی۔ اب اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔ ''..... میں ملبے تلے دب گئی ہوں۔'' ازابیل کی چھٹی حس نے اسے الرٹ کیا اور وہ گھبرا گئی۔

''ماما..... رابیل..... ماما..... بچاؤ..... کوئی تو بچاؤ..... ماما۔'' ازابیل اپنے پیاروں کو مدد کے لئے بلانے لگی تھی تبھی اسے یاد آیا کہ اس کی ماں اور رابیل تو حیدر آباد گئی ہیں اور ریحانہ جس کو ازابیل نے ذلیل کرکے نکالا تھا اگر آج وہ ہوتی تو کبھی بھی اسے اکیلا نہ چھوڑتی اب اسے اپنی بے بسی پر رونا آنے لگا۔

''اللہ اکبر..... اللہ اکبر۔''

دور کہیں اذانوں کی آواز پر ازابیل میں زندگی کی لہر دوڑی۔ ''یہ..... یہ اذان مطلب اردگرد لوگ زندہ ہیں..... کوئی ہے..... میں یہاں ہوں، ازابیل اپنی بے بسی پر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ یہ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا کہ اس کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں ورنہ وہ تو آنسو کے نام سے بھی واقف نہ تھی۔ اس کے اردگرد گری اینٹیں اس کے آنسوؤں سے نم ہونے لگیں۔

اچانک اسے محسوس ہوا کہ زمین میں سرسراہٹ ہورہی ہے زمین ہل رہی تھی۔ ''یہ..... یہ..... آ..... آفٹر شاکس ہے مجھے کیا پڑھنا چاہئے کیا پڑھتے ہیں..... زلزلہ آیا تو کیا پڑھتے ہیں..... ال..... اللہ اکبر ہاں..... اللہ سب سے بڑا ہے۔'' ازابیل بوکھلائی بوکھلائی بولنے لگی۔

اچانک چھت کا بہت بڑا ٹکڑا اس کی ٹانگ پر گرا۔ ''آ.....'' درد ناک چیخ کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

☆.....☆.....☆

آنٹی لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے گاڑی آگے نہیں جاسکے گی۔'' دانش نے سڑک پر پڑے بہت بڑے شگاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''بیٹا کچھ بھی کرو..... مجھے میری ازا تک پہنچادو۔'' جمیلہ بیگم روہانسی ہوکر بولیں۔ ''آنٹی ٹینشن تو مجھے بھی ہورہی ہے پر ہمیں یہیں رک کر مدد کا انتظار کرنا ہوگا۔'' دانش جو کہ متوقع ہونے والا ازا کا منگیتر تھا پریشان ہونے لگا۔ اور وہ وہیں رک کر آرمی کے ہیلی کاپٹر کا ویٹ کرنے لگے۔ جو اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر امدادی کارروائیوں میں مصروف تھے۔

☆.....☆.....☆

''یہ کیا تم ہر وقت چھت پر کھڑے رہتے ہو..... چلو نیچے۔'' ماں نے احمد کا بازو کھینچا جو ایک ہی جگہ نگاہیں مرکوز کرکے کھڑا تھا۔ ماں کی آواز سے شرمندہ سا ہوگیا۔

''کچھ نہیں ماں بس دیکھتا ہوں ہمارا کتنا خوبصورت شہر تھا اور اب زلزلے سے کیا ہوگیا۔'' احمد نے شرمندگی چھپاتے ہوئے کہا۔

''بیٹا یہ ہمارے اعمال کی سزا ہے۔''

''لیکن ماں ہر کوئی تو گناہ گار نہیں ہوگا۔ ہوسکتا ہے کوئی معصوم خدا کا نیک بندہ بھی ہے جو اس زلزلے کی نذر ہوگیا ہو۔''

''ہوسکتا ہے..... لیکن تجھے پتہ ہے کہ جب زلزلہ آتا ہے تب لوگ استغفار یا پھر خدا کی بڑائی کیوں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے ایک نام کے صدقے ہم پر رحم کرے اور وہ تو وہ رب ہے جو ذرا سی اچھائی پر انسان کو معاف کردیتا ہے رہی بات نیکوکاروں کی تو بیٹا جس کی موت زلزلے میں آنی ہوتی ہے آکر رہتی ہے۔ موت تو وہ شے ہے جو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آئی، تو ہم کیا چیز ہیں۔'' ماں کی بات احمد کی سمجھ میں آنے لگی اور ماں کے ساتھ نیچے جانے لگا جہاں کھانے پر اس کے پاپا انتظار کررہے تھے۔

☆.....☆.....☆

''یا اللہ مجھے بچالے، مجھ پر رحم فرما، میں مرنا نہیں چاہتی۔''

ازابیل رونے لگی اس کے دونوں بازو کسی بھاری چیز کے نیچے دب چکے تھے، دفعتاً اسے اپنے جسم پر کچھ رینگتا محسوس ہوا۔ ''یہ چھوٹا سا کیا ہے آہ..... اس کے تو کانٹے بھی ہیں۔'' ازابیل خود سے بولی۔ وہ کوئی چھوٹا سا حشرات تھا وہ رینگتا ہوا اس کے چہرے پر آگیا۔ ''لال بیگ..... ماما..... بابا۔'' ازابیل پہچان گئی تھی کہ یہ توڑی مڑی ٹانگیں لال بیگ کی ہی ہوسکتی ہیں اسے یاد آنے لگا جب وہ لال بیگ کے ڈر سے چیخیں مچا رہی تھی اور جب تک لال بیگ مرنہ جائے اسے چین نہیں آتا تھا اب وہ لال بیگ آرام سے اس کے اُوپر پھر رہے تھے لیکن وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔ ازابیل نے ہمت کی اور اپنا ہاتھ کھینچنے لگی۔ اس کا ہاتھ وزن کے نیچے دبا ہوا تھا وہ پورا زور لگا رہی تھی۔ لیکن بے سود تھک ہار کر اس نے اپنی ٹانگ کو جنبش دی ٹانگ میں تھوڑی سی حرکت ہوئی تو چھوٹا سا سوراخ ہوا اور تیز دھوپ نے اس کی آنکھوں کو چندھیا دیا۔ ازابیل نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھولیں۔ سوراخ سے روشنی اندر داخل ہوچکی تھی اب کم از کم وہ اپنا جائزہ لے سکتی تھی، اس نے سب سے پہلے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا اس کے ہاتھ میں ایل سی ڈی کا شیشہ بری طرح گھس چکا تھا جس کی وجہ سے خون بھی نکل رہا تھا وہ بے بسی سے اپنا ہاتھ دیکھنے لگی۔ اس نے نظریں ٹانگ کی جانب دوڑائی تو اس کی کربناک چیخ بلند ہوگئی، اس کے بازو پر بہت بڑا کٹ لگ چکا تھا۔ اس کا پیٹ نیلا پڑنے لگا تھا ازابیل اپنی حالت پر رونے لگی شاید اس کی موت قریب آچکی تھی۔ اسے پانی کی شدید پیاس لگی تھی۔ ''ماما پانی..... پانی لادو۔'' وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں بڑبڑانے لگی۔ ''واقعی میں وقت اپنے آپ کو دہراتا ہے میں نے جو بویا وہی تو کاٹ رہی ہوں کاش میں اس بوڑھے کو پانی پلادیتی..... میں کتنی ظالم ہوں۔'' ازابیل اب رویا بھی نہیں جارہا تھا اس کا گلا مکمل خشک ہوچکا تھا۔ اس کے گلے سے عجیب سی آوازیں آنے لگیں۔

''یا اللہ مجھ پر رحم وکرم فرما۔'' ازابیل کے دل سے دعا نکلی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ''مما مجھے معاف کردو۔ میں نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا مجھے کیا پتہ تھا۔

''موت اچانک بھی آجاتی ہے مجھے معاف کردے اللہ۔'' ازا کے گال آنسوؤں سے تر ہوچکے تھے۔ اسے اپنے اردگرد صرف مٹی اور گرد نظر آرہا تھا اب تو وہ سوراخ بھی مدھم ہونا شروع ہوگیا۔

رات ہوچکی تھی ازا کو یاد آیا جب زلزلہ آیا تھا تب 3 بج رہے تھے اندھیرے سے ازا کو بہت ڈر لگتا تھا ازا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی لیکن صرف تاریکی کے اسے کچھ نظر نہ آیا۔ وہ خوف سے کپکپانے لگی۔

☆.....☆.....☆

''فون آف جارہا ہے آنٹی۔'' دانش نے فون

کان سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''تمام لوگوں سے التماس ہے کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہیں، گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ اگر سفر پر ہیں تو گاڑی بہت آہستہ چلائیں اور بازار یا گلی میں ہوں تو کھلی جگہ پر چلیں درخت اور بجلی کے کھمبوں سے دور رہیں اور سب ساتھ رہیں۔ جو لوگ اوپر منزلوں پر رہتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ حالات بہتر ہونے تک نیچے رہیں۔ "A Message Of Public Service" ڈرائیور نے لمبا سانس لیا اور موبائل جیب میں رکھ دیا۔

''اس طرح تو ہم بہت دیر سے پہنچیں گے۔'' جمیلہ بیگم تسبیح کا دانہ آگے کرتے ہوئے بولیں۔ ''اللہ میری ازاکو اپنی حفاظت میں رکھے۔''

''آمین۔'' جمیلہ بیگم کی دعا پر دانش نے آمین کیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا کہ اتنے میں ایک آدمی کا بندہ نظر آیا دانش نے فوراً اسے پاس بلایا۔

''سر ہمیں جانا ہے ہماری فیملی ہے وہاں پر یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے گاڑی آگے نہیں جاسکتی۔''

''کہاں سے آرہے ہو آپ۔'' آرمی کے سپاہی نے نہایت ادب سے پوچھا۔ ''جوہر آباد سے'' دانش نے جواب دیا۔

''دیکھیں بات یہ ہے کہ آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔ ہماری امدادی ٹیم بس آتی ہی ہوگی۔ فی الحال ہم کچھ نہیں کرسکتے آپ ویٹ کریں۔'' آرمی کا سپاہی دانش کو تسلی دے کر جیسے ہی جانے لگا تو جمیلہ بیگم فوراً کار سے باہر نکل پڑیں۔ ''ارے بیٹا سنو..... میری بیٹی وہاں گھر میں اکیلی ہے مجھے میری بیٹی تک پہنچادو۔ میری بیٹی بہت نازک ہے وہ ڈر رہی ہوگی میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں مہربانی کردو مجھ پر۔ جمیلہ بیگم اس سپاہی کے پیروں میں بیٹھ گئیں۔ تو اس سپاہی نے جلدی سے انہیں اٹھایا۔

''اماں جی آپ ایسا نہ کریں آپ میری ماں کی جگہ ہیں۔ اچھا رکیں۔'' سپاہی کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا پھر بولا۔ ''میں آپ کو لے چلتا ہوں۔'' اس سپاہی نے ڈرائیور کو پیچھے جانے کا کہا اور خود گاڑی چلانے لگا وہ گاڑی بیک ورڈ کرکے جنگلات کی طرف موڑنے لگا۔

''سر میرے خیال میں تو یہ ٹھیک نہیں ہے۔'' دانش نے ایک نظر جنگل کی طرف دیکھا اور پھر سپاہی سے کہا۔

''سڑک سے گاڑی لے جانا ناممکن تھا۔ آپ کو کسی نے اجازت نہیں دینی تھی۔ جنگل سے جانا بھی مشکل ہے پر اس میں ہم اپنی مدد آپ کے تحت چل سکتے ہیں۔ مطلب اگر راستے میں کوئی درخت وغیرہ گرے ہوئے ہوں گے تو ہم تین مرد آسانی سے اپنا راستہ بنا سکتے ہیں جبکہ سڑک پر سے جاتے ہوئے ہمیں یا تو آدمی ہیلی کاپٹر کا انتظار کرنا پڑتا ہے یا پھر سڑک کی مرمت ہونے تک کا اور اس کام میں آرام سے دو دن لگ جانے ہیں۔'' سپاہی بڑی مہارت سے کار ڈرائیو کرتا ہوا کہنے لگا۔

☆.....☆.....☆

''میاؤں..... میاؤں.....'' بلی کی آواز پر ازابیل نے آنکھیں کھول کر دیکھا وہ چھوٹا سا سوراخ کسی وجود کے نیچے تھا جس کی وجہ سے ہلکی سی جو روشنی آرہی تھی وہ اب مدھم پڑ رہی تھی۔ ازابیل کو اپنے اوپر کچھ بارش جیسے گرتا ہوا محسوس ہوا بدبو کا جھونکا اس کی ناک سے ٹکرایا تو محسوس ہوا اس کے زخموں پر کیڑے چل رہے تھے۔ اگر اس نے لباس پہنا ہوتا تو شاید اس کی حالت اتنی بری نہ ہوتی شاید وہ براہ راست زخمی ہونے سے بچ جاتی۔ لیکن یہ تو مکافاتِ عمل ہے کسان کو اپنا لگایا ہوا فصل کاٹنا ہی پڑتا ہے اب یہ اس کی محنت پر منحصر ہے کہ وہ اپنی فصل کی حفاظت کتنی سچائی اور ایمان داری کرتا ہے ازابیل بھی اپنا پھل کھا رہی تھی وہ ازابیل جو اپنے ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتی تھی ذرا سی تکلیف پر آسمان سر پر اٹھا لیتی وہ آج کسی گند کی طرح ملبے میں دب چکی تھی۔ اس کی تمام آسائشیں تمام سہولتیں اس سے دور تھیں اس وقت اسے صرف ایک چیز کی خواہش تھی اور وہ تھی ''موت۔''

دفعتاً ہی اسے سانپ کے جیسے سی سی کی آواز

سنائی دی وہ نڈھال سی ہو کر صرف دیکھ رہی تھی اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو چکی تھیں۔ اس کی نظر اور اس کی سماعت کام کر رہے تھے۔ ازا کو اپنی ٹانگ پر ایک سانپ رینگتا ہوا محسوس ہوا ازا کی آنکھیں ابل پڑیں۔

وہ جو تھوڑی دیر پہلے خدا سے موت مانگ رہی تھی موت کو سامنے دیکھ کر گھبرا گئی اور زندگی کی بھیک مانگنے لگی۔ ''یا اللہ مجھے بچالے۔'' وہ فلک شگاف چیخ سے مشابہہ آواز سے چیخنے لگی۔ سانپ رینگتا ہوا اس کے سینے پر آ گیا۔ ازابیل نے اپنی آنکھیں مضبوطی سے بند کرلیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں وہ سانپ رینگتا ہوا سوراخ سے باہر جا رہا تھا۔ ''تھینک یو اللہ'' ازابیل کے چہرے پر زندگی کے آثار نمایاں ہوگئے۔ ''دھپ..... دھپ.....''

''یہ کیا ہے؟'' ازابیل کو عجیب سی آواز آئی جیسے کوئی ملبے سے اینٹیں اٹھا رہا ہو۔ ''ماما آ گئی..... ماما۔'' ازابیل کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

''ماما..... میں یہاں ہوں ما..... م.....'' ''نہیں نہیں..... مجھے مت نکالو..... میں نے کپڑے نہیں پہنے ضرور ماما کسی کو بلا کر لائی ہونگی ملبہ اٹھانے کے لئے نہیں..... یا اللہ مجھے بچالے..... یا مجھے باہر نکلنے سے پہلے موت دے دو..... مجھے رسوائی سے یا اللہ میری ماں کو رسوائی سے بچالے۔'' وہ چھوٹا سا سوراخ آہستہ آہستہ بڑا ہوتا جا رہا تھا۔ ازابیل نے دعاؤں میں اضافہ کر دیا۔ روشنی کا ایک تیز چمکارا آیا اور کوئی ہاتھ ازا کے بازو کو اٹھانے لگا۔

☆.....☆.....☆

''احمد بھائی کیسے لگے.....'' سویرا نے ازابیل کا لہنگا پھیلاتے ہوئے کہا۔

''میں نے دیکھا ہی نہیں انہیں۔'' ازابیل نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔ ''مطلب..... یار تو پاگل ہے..... تو تو کہتی تھی کہ جو تیرا میاں ہوگا تو اس کا اے ٹوزی ایکسرے کروائے گی..... مطلب ایک ایک چیز کا ٹیسٹ لے گی اور اب تو نے بنا دیکھے ہی احمد بھائی سے شادی کرلی۔''

''ہاں کرلی کیونکہ مجھے اللہ پر بھروسہ ہے۔''

''ازا..... تو..... تو ٹھیک ہے نا۔'' سویرا نے ازابیل کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ ''میں اندر آ جاؤں.....'' احمد نے دروازے کے باہر سے دستک دی تو سویرا اسے خدا حافظ کہہ کر جانے لگی۔ سویرا کے جاتے ہی احمد اندر داخل ہوا دروازہ لاک کر کے گلا کھنکھارا۔

''السلام علیکم.....!'' احمد نے دھیمے سے سلام کیا اور وہیں بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''وعلیکم السلام.....'' ازابیل ابھی بھی نظریں نیچے کرے بیٹھی تھی۔ ''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

''بتایئے۔'' احمد نے مسکراتے ہوئے اپنا رخ ازابیل کی طرف کرلیا۔

''یار میں نہیں جانتی کہ آپ نے مجھ سے شادی کا فیصلہ کیوں کیا ہے لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ اتنی اہم زندگی شروع کرنے سے پہلے فریقین کو ایک دوسرے کے بارے میں ہر بات کا علم ہونا چاہئے تاکہ بعد میں مسائل پیدا نہ ہوں۔'' ازابیل نے ایک لمبا سانس لیا اور پھر بولنا شروع کیا۔

''میں جب زلزلے میں..... مطلب کہ جب زلزلہ آیا اس سے پہلے میں..... میں میں جب ملبے تلے دب گئی تھی تو میں۔''

''اٹھو.....'' احمد ازابیل کی بات کاٹ کر بولا۔ ازا نے حیرت سے احمد کو دیکھنا چاہا لیکن گھونگھٹ کی وجہ سے وہ دکھائی نہ دیا۔

''اٹھو ازا..... چلو.....'' احمد نے چلا کر کہا اور ازابیل کا بازو پکڑ کر باہر لے گیا۔

''ارے احمد کیا ہوا۔ دلہن کو کہاں لے جا رہے ہو۔'' ماں نے احمد کو دیکھا تو پیچھے پیچھے دوڑی۔ ''ماں آپ جاؤ۔'' احمد نے مڑ کر ماں سے کہا اور خود ازا کو لے کر سیڑھیاں چڑھتا ہوا چھت پر گیا۔

''میرے اللہ میری مدد فرما۔'' ازابیل نے دل ہی دل میں دعا کی اور درود شریف پڑھتی رہی۔ چھت پر ایک کونے میں لے جا کر احمد رک گیا۔ تھوڑی دیر چپ رہنے

کے بعد اس نے ازابیل کا رخ دیوار کی جانب موڑ دیا۔ احمد کو ازاکے درود شریف کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

''ازابیل..... گھونگھٹ ہٹا کر سامنے دیکھو۔''

احمد ازابیل سے دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ازا نے گھونگھٹ اٹھایا اور سامنے دیکھنے لگی۔ سامنے اس کا گھر تھا جواب اس کا میکہ بن چکا تھا۔ وہ یہ تو جانتی تھی کہ اس کی شادی اس کے محلے میں ہی ہوئی ہے لیکن وہ اس حقیقت سے لاعلم تھی جو کہ اب احمد اسے بتانے جا رہا ہے۔ ''یہ تمہارا گھر۔''

''ہاں جی یہ میرا میکہ ہے۔'' ازا نے احمد کو جواب دیا اور مڑ کر احمد کو دیکھا احمد کو دیکھتے ہی ازابیل کے پیروں سے زمین نکل گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے احمد کو دیکھ رہی تھی احمد مسکرا کر دیوار کی طرف مڑا جبکہ ازابیل ابھی بھی آنکھیں پھاڑے جوں کی توں کھڑی تھی۔

''میں نے جب آپ کو پہلی بار دیکھا تو تعجب ہوا کہ ایسی لڑکی بھی ہوتی ہے بھلا تم یہ ظاہر کرو کہ تم اپنی دھن میں ہو پر میں سمجھ چکا تھا کہ تم وہ سب مجھے دکھا رہی ہو۔ جب تم نے میرے منہ پر تھوکا تو مجھے بہت غصہ آیا۔ دل کیا کہ منہ توڑ دوں تمہارا پر تم نے دروازہ ہی نہیں کھولا۔ میں تمہارا طلبگار نہیں تھا۔ پاگل لڑکی۔ میں تو تمہیں سمجھانے آیا تھا..... جب زلزلہ آیا تو سارے محلے والے سڑک پر آ گئے تھے سوائے تمہارے حالانکہ تم گھر میں اکیلی تھی، تمہیں تو مارے خوف کے فوراً باہر آنا چاہئے تھا پر..... پتہ نہیں کیوں مجھے تمہاری فکر ہونے لگی میں دن میں دس بار تمہارے گھر کے چکر لگاتا لیکن ہمیشہ دروازہ اندر سے بند ملتا پورا دن پوری رات چھت پر رہا کہ کچھ تو سراغ ملے تمہارا..... تم کیسی ہو..... ٹھیک ہو یا نہیں میری بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا اور آخر زلزلے کے اگلے دن میں کافی دیر تک سوچتا رہا پھر شام کو تمہارے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔ میں نے ہمت کی خدا کا نام لیا اور دیوار پھلانگ کر تمہارے گھر میں داخل ہوا۔ میری سوچوں کے عین مطابق تم ڈرائنگ روم میں ملبے تلے دبی ہوئی تھی۔ میں نے تمہیں احتیاط سے نکالا اور تمہیں تمہارے کمرے میں لٹا دیا۔ تمہیں کپڑے پہنا دیئے، لیکن تمہارے زخموں کو مرہم نہیں لگایا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہارے اوپر کوئی الزام آئے۔ تمہارے گھر والے یا کوئی بھی یہ پوچھے کہ اتنے شدید اور گہرے زخموں کے باوجود تم نے مرہم کس سے لگوایا یا ڈاکٹر کو کیسے بلایا۔ میں جیسے آیا تھا ویسے ہی واپس چلا گیا۔ اور گھر جاتے ہی تم سے نکاح کی نیت کر لی۔ اس لئے نہیں کہ میں نے تمہاری حالت پر ترس کھایا بلکہ اس لئے کہ ہمارے رب نے میرے دل میں تمہارے لئے محبت ڈال دی تھی..... ہمارا رب ہمارے لئے سب سے بہتر فیصلہ کرتا ہے ورنہ اس شام تم اس حالت میں کسی اور کو بھی نظر آ سکتی تھی۔ ہم کچھ ماہ پہلے ہی اس بلڈنگ میں شفٹ ہوئے ہیں۔ اس دن پاپا نے کہا چھت کی دیوار خراب ہو رہی ہے تو مزدور لگوا دیتا ہوں میں نے پاپا کو منع کر دیا تھوڑا سا کام تھا تو میں خود ہی شروع ہو گیا۔

ازابیل میں احمد شفیق ہوں شفیق گروپ آف کمپنی کا مالک۔ تمہارا شوہر۔''

احمد نے ازابیل کا چہرہ اوپر کیا جو کب کی احمد کے پیروں میں بیٹھی رو رہی تھی۔ ''بس ایک بات یاد رکھنا ازابیل..... دنیا میں سب انسان ایک جیسے نہیں ہوتے، ہر کوئی مطلب پرست نہیں ہوتا، ادنیٰ اور اعلیٰ میں فرق ہوتا ہے۔ ہر ایک میں فرق محسوس کر کے جیو گی تو تمہاری زندگی کتنی حسین ہو جائے گی۔''

☆.....☆.....☆

احمد آنکھیں ملتے ہوئے اٹھا کمرے کی لائٹ جل رہی تھی احمد نے ادھر ادھر دیکھا، ازابیل صوفے پر بیٹھی، درود شریف کا ورد کر رہی تھی، احمد اسے دیکھتا رہا پھر مسکراتے ہوئے اٹھا اور فجر کی نماز کے لئے وضو کرنے لگا۔

اتنے میں قریب کی مسجد سے صدا گونجی۔ ''اللہ اکبر اللہ اکبر۔''

زرغون

ساجدہ راجہ۔ ہندواں سرگودھا

اچانک کمرے میں ایک جن نمودار ہوا تو کمرے میں موجود عامل لرز کر رہ گیا اس کی گگھی بندھ گئی اس پر لرزہ طاری ہوگیا کہ اتنے میں جن کی گونجتی آواز سنائی دی اور پھر.....

پل پل.....دل ودماغ کو.....لرزہ براندام کرتی حقیقت پر مبنی.....حیرت انگیز کہانی

میرا نام جلال الدین اکبر عرف جلالی بابا ہے۔ ویسے تو میں ترکھان ہوں لیکن اب آپ خود سوچیں کہ اگر میں جلال الدین اکبر عرف ترکھان لکھتا تو کتنا مضحکہ خیز لگتا۔

شاید آپ کو یاد نہ ہو لیکن کچھ سال پہلے میں نے اپنی روداد آپ سب سے شیئر کی تھی جس میں ایک عمل کے دوران ایک شرارتی جن میرے قبضے میں آ گیا تھا اور اس نے مجھے ناکوں چنے چبوا دیئے تھے لیکن اس کے باوجود وہ مجھے بہت اچھا لگتا تھا اور پھر اسے واپس اپنی دنیا میں جانا پڑ گیا تھا ویسے ایک راز کی بات بتاؤں؟

وہ کسی عمل کے ذریعے میرے قبضے میں نہیں آیا تھا بلکہ راستہ بھٹک کر میرے آستانے پر آ گیا تھا کیونکہ اس کے خاندان والوں نے کسی بات پر ناراض ہو کے اسے کچھ عرصہ کے لئے اپنے علاقے سے جلاوطن کر دیا تھا۔

آپ میں سے بہت سے لوگوں کو بہت برا لگا ہوگا جب میں نے اپنے کباڑ نما گھر کو آستانہ کہا ہوگا اور کہاں وہ اولیا اللہ کے آستانے اور کہاں میرا گھر۔ لیکن میں کیا کروں یہ نام بھی میرے نام نہاد ماننے والوں نے دیا تھا تو ان کی دیکھا دیکھی میں نے بھی حقیقتاً اس کو آستانہ سمجھنا ہوگا شروع کر دیا تھا۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ مجھے عملیات نہیں آتے بس چند ایک وظیفے کر لیتا ہوں۔

چند تعویذ جس میں صرف اللہ کا کلام لکھنا ہوتا ہے لوگوں کو دیتا ہوں۔ اب یہ تو خدا کا خاص کرم ہے کہ وہ لوگوں کی مشکلیں حل کر دیتا ہے میرے ذریعے تو یہ برا تو نہ ہوا.....!

پچھلی باتیں اس لئے دہرائیں تاکہ آپ سے کچھ پرانا تعارف بھی ہو جائے اس بار بھی آپ سے کچھ نیا شیئر کرنا چاہتا ہوں۔

وہ ایک اندھیری رات تھی اور میں حسب معمول سونے میں مصروف تھا میں نے رات تین بجے کا الارم لگایا ہوا تھا کیونکہ رزق میں اضافے کے لئے مجھے ایک خاص وظیفہ کرنا تھا۔ ان دنوں حالات بہت تنگ تھے میرے مرید بھی میری طرح فاقوں تک آئے ہوئے تھے۔ اس لئے کوئی دعا تعویذ کے لئے میری طرف ان دنوں نہیں آ رہا تھا اگر وہ کوئی نذرانہ دیتا تو کچھ عرصہ گزارا ہو جاتا لیکن خیر میں نے ایک وظیفے کے بارے میں پڑھا کہ اگر وہ رات کے تین بجے کیا جائے تو اللہ رزق کے دروازے کھول دیتا ہے۔

الارم کی آواز سے میں اٹھا اور غسل خانے کا رخ کیا جو باہر چھوٹے سے صحن میں واقع تھا میں وضو کر کے نکلا تو باہر دیوار کے پاس میری نظر چلی گئی۔

گھر کے ساتھ ہی قبرستان واقع تھا جس کی طرف ہر رات دیکھنا گویا میرے صبر اور ہمت کا امتحان ہوتا تھا۔ میں فطری طور پر ہی بزدل واقع ہوا ہوں اور قبرستان کے قریب رہنا جیسے خود کو شدید خوف میں مبتلا کرنا تھا لیکن کوئی ٹھکانہ نہ ہونے کی وجہ سے مجھے اسی گھر میں رہنا پڑا تھا جو مجھے میرے ایک ماننے والے نے بڑی چاہت سے مجھے رہنے کو دیا تھا اس کے خیال میں مجھے وظائف کرنے کے لئے ایسے ہی ویرانے میں گھر کی ضرورت تھی لیکن اسے میرے بارے میں کیا معلوم تھا..... خیر جیسے ہی میں وضو کر کے نکلا تو میری نظر قبرستان کی طرف اٹھ گئی وہاں کھڑے درخت جیسے بھوت معلوم ہونے لگے ہوا سے لہراتے جھولتے میرے دل میں شدید خوف بھرنے لگے۔ میں وہاں سے سرپٹ دوڑا اور کمرے میں داخل ہو کر اندر سے کنڈی لگا لی.....!

تھوڑی جان میں جان آئی تو جائے نماز بچھا کر تہجد ادا کرنے کے بعد وہ مخصوص وظیفہ شروع کر دیا۔

آدھے گھنٹے بعد جب وہ وظیفہ ختم ہوا اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔ کچھ عجیب سا احساس ہونے پر میں نے مڑ کے دیکھا وہ کوئی آدمی تھا جو میرے پیچھے بڑے انہماک سے مجھے دیکھنے میں مصروف تھا۔ میں تھوڑا سا ڈر گیا۔ دروازہ بند تھا۔ تو وہ اندر کیسے آیا تھا.....؟

''کک..... کون ہو تم.....؟'' میری زبان ہلکی سی لڑکھڑائی.....!

''ارے خود ہی چلہ کاٹ کے مجھے قید کیا اور اب پوچھ رہے ہو کہ میں کون ہوں؟'' اس کی آنکھوں کی شرارت مجھے نظر آ رہی تھی۔

''میں تمہارا موکل ہوں، تم جو کہو گے میں وہ کروں گا۔''

میں نے سر سے پیر تک حالانکہ اس کے پیر نظر نہیں آ رہے تھے غور سے دیکھا وہ انسانوں جیسا لگ رہا تھا لیکن ظاہر ہے وہ انسان نہیں تھا ورنہ اندر سے کنڈی لگے دروازے سے بنا کوئی آواز پیدا کئے وہ کیسے آتا!

''لیکن میں نے موکل کو قابو کرنے کے لئے کوئی وظیفہ نہیں کیا۔'' میں نے دل کو مضبوط کر کے کہا۔

''بھئی نہ بھی کیا ہو تب بھی میں تو آ گیا ہوں اب تو میں کہیں نہیں جانے والا۔'' وہ جو بھی تھا پاؤں پسار کے بیٹھ گیا۔

''تم کون ہو؟'' میرے دل کا شک زبان پر آ گیا۔

''دیکھو میں ایک جن ہوں لیکن تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم دوستوں کی طرح رہیں گے!''

بہت اطمینان بھرے لہجے میں وہ بولا۔

اس کے جن ہونے کا سن کر مجھے اتنا ڈر نہیں لگا کیونکہ اس سے پہلے بھی ایک زبردستی کا مہمان جن میرے ساتھ کافی عرصہ رہ چکا تھا۔

اب پھر کسی زبردستی مہمان کا سن کر میرے چودہ طبق روشن ہوگئے میرے پاس اپنے لئے کچھ نہیں تھا تو اسے کیا کھلاتا اور جنوں کی خوراک.....توبہ.....!

''تم میرے پاس کیوں آئے ہو، کہیں اور کیوں نہیں گئے؟''

''تمہارے پاس شوق سے نہیں آیا بس یہ گھر سامنے تھا تو میں چلا آیا۔''

''لیکن تم کیوں آئے ہو اپنی دنیا چھوڑ کر؟'' میں دل میں مچلتا سوال لبوں پر لے آیا۔

''بس یار کچھ نہ پوچھو'' وہ بناوٹی دکھی لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے نہیں پوچھنا'' میں بھی جل کے بولا۔

''نہیں، نہیں پوچھو ضرور پوچھو'' وہ جلدی سے بولا۔

''بلکہ میں خود بتاتا ہوں۔''

یار ہمارے علاقے میں کافی غریب جنات رہتے ہیں۔ محنت مزدوری کر کے گزارہ کرنے والے اب کچھ عرصہ سے وہاں مہنگائی اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ گزارہ مشکل ہونے لگا اس لئے میرے ماں باپ نے مجھے انسانی دنیا میں آنے کا کہا تاکہ میں تو پیٹ بھر کے کھا سکوں اور ان کو بھی ایک افراد کا کھانا نہیں بنانا پڑے گا'' میں ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا.....؟ یقین نہیں آرہا میری بات کا؟''

''یقین کرو انسانی دنیا کی طرح ہماری بھی ایک دنیا ہے ایک زندگی ہے اور وہاں ہمیں بھی زندہ رہنے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے کوئی غیبی امداد نہیں ملتی ہمیں بلکہ کر کے کھانا پڑتا ہے۔'' دنیا جہاں کی مسکینیت اس کے چہرے پر طاری تھی۔

مجھے تو وہ ایک نمبر کا جھوٹا انسان مطلب جن لگ رہا تھا۔

''کچھ کھانے کو ملے گا۔''

پیٹ پہ ہاتھ رکھے وہ لالچی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

''میرے پاس اپنے کھانے کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ تمہیں کہاں سے دوں؟'' میں جل کے بولا۔

اس سے پہلے کہ میری بات مکمل ہوتی وہ رات کے بچے ہوئے کھانے کو ایک ٹرے میں سجائے میرے سامنے حاضر ہوا۔

''جھوٹ بول رہے تھے جلالی یار.....وہ خاصے بے تکلفانہ انداز میں پاؤں پسارے بیٹھ گیا۔

میں تو گویا گویا جل کے کباب ہوگیا۔ وہ کھانا جو میں نے ناشتے کے لئے سنبھال کے رکھا تھا وہ کھا رہا تھا۔

ایک تو یہ سارے بھوکے ننگے پیٹو جن میرے لئے رہ گئے ہیں۔

میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس سے وہ کھانے کی ٹرے چھین لوں۔

''اب کیا نظر لگاؤ گے؟'' میری قہر برساتی نظروں کے جواب میں وہ بولا۔ اور مزے سے کھانا کھانے میں مصروف ہوگیا۔ میں نے جائے نماز سمیٹی اور سونے کے لئے بیڈ پر لیٹ گیا۔ ارادہ تھا کہ کچھ دیر آرام کے بعد فجر کی نماز کے لئے اٹھوں گا لیکن جلتے کڑھتے کب نیند آئی اور کب صبح ہوئی پتہ بھی نہ چلا۔

کچن سے آتی برتنوں کی کھٹ پٹ سے میری آنکھ کھلی۔ تھوڑی دیر تو کچھ سمجھ ہی نہیں آئی پھر جیسے ہی رات والا قصہ ذہن میں آیا جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

یقیناً کچن میں میری بچت کا ستیاناس کرنے میں مصروف ہوگا۔

یہ خیال آتے ہی میں جلدی سے کچن کی طرف بڑھا اور اندر بکھرا کچن دیکھ کر میرے چودہ طبق روشن ہوگئے.....!

یہ کیا ہورہا ہے..... میں نے تقریباً چیخ کر پوچھا۔

فرائی پین اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گرا اور ناقابل برداشت شور پیدا کرگیا۔

''یار ڈرادیا تم نے۔'' مجھے دیکھ کر اسے اطمینان ہوا تو وہ فرائی پین اٹھانے جھکا اور جب وہ جھکا تو اس کی فلیٹ کمر اک دم فولڈ ہوکر انگلش کے لفظ V کی شکل میں آگئی اور اتنی مضحکہ خیز لگی کہ میرے ہونٹوں سے ہنسی کا فوارہ چھوٹ پڑا مجھے یوں ہنستے دیکھ کر وہ اور چوڑا ہوگیا۔

''بیٹھو جلدی یار..... ابھی گرما گرم مزیدار ناشتہ پیش کرتا ہوں۔'' میرا غصہ ختم ہوچکا تھا کیونکہ میرے غصہ کرنے سے وہ جانے والا تو تھا نہیں اس لئے اپنا خون خشک کرکے مجھے کیا ملنا تھا۔ اگر وہ میرے ساتھ رہتا تو مجھے بہت سے فائدے ہوسکتے تھے۔ ایک تو گھر کے کاموں کی ٹینشن ختم ہوجاتی دوسرا جو مرید آنہیں آرہے تھے ان کو گھیر گھار کے لانے کے کام آتا۔

مطلب تھوڑا بہت ڈرا کر انہیں یہ احساس دلا کر ان کے گھر میں کسی آسیب کا بسیرا ہے۔

ناشتہ واقعی مزیدار تھا لیکن دو دن کے کھانے کے سامان کا اس نے ایک ہی وقت میں ستیاناس کردیا تھا لیکن بے چارہ وہ بھی کیا کرتا کم کھانا اس کے لئے کافی نہیں تھا۔

''اب بتاؤ جلالی یار کیا پریشانی ہے۔'' ناشتے کے بعد اس نے پوچھا جواباً میں نے اپنی تنگدستی کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔

''یعنی ہم دونوں کا مسئلہ ایک جیسا ہی ہے چلو مل کے سوچتے ہیں کہ کیا کرنا ہے؟''

اور پھر جو مل کے سوچا اس کے نتیجے میں ان کو اک پریشان حال آدمی جو پہلے بھی کئی دفعہ آچکا تھا۔ حاضر ہوا۔ میں اس وقت فل جلال میں تھا بولا۔

''کیا ہوا بچہ؟''

''نہیں سرکار..... بچہ تو نہیں ہوا۔'' پریشان حال مرید بولا۔

''میں تمہیں بچہ کہہ رہا ہوں۔''

''لیکن سرکار میں کہاں بچہ ہوں۔ اب تو بال بچوں والا ہوں۔'' جواباً ہونقوں کی طرح وہ بولا۔ پیچھے سے زرغون کی ہنسی سنائی دی۔ میں آپ کو اس کا نام بتانا بھول گیا تھا شاید اس جن کا نام زرغون تھا۔

میں گویا جھنجھلا گیا۔ ''مسئلہ بتاؤ۔'' جواباً میں نے اسے کوئی بھی نام دینے سے گریز کیا۔

سرکار مجھے لگتا ہے کہ میرے گھر میں کسی ہوائی مخلوق کا سایہ ہے؟ وہ رازدارانہ لہجے میں بولا۔

''ہاں تو تمہارے گھر میں جو درخت ہے اس کا سایہ ہوگا۔''

میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی زرغون بول پڑا شرارتی لہجے میں۔ میں نے اسے گھور کے خاموش کروایا۔ چونکہ وہ مرید کو نظر نہیں آرہا تھا۔ اس لئے وہ سمجھا میں ہی بولا ہوں۔

کہنے لگا۔ ''نہیں سرکار وہ درخت کا سایہ نہیں میں آسیب کی بات کررہا ہوں۔ مجھے آج صبح کے بعد سے ہی عجیب وغریب سا محسوس ہورہا ہے۔ کبھی دروازہ خود بخود بند ہوتا ہے۔ کبھی برتن گرتے ہیں۔ کبھی کوئی عجیب آواز آنے لگتی ہے گھر والے ڈرے ہوئے ہیں۔ کچھ کریں سرکار۔

''پہلے تو میں کوئی سرکار ورکار نہیں ہوں تم مجھے بس بابا ہی کہا کرو دوسرا تم فکر مت کرو میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر میں نے بس دکھاوے کے لئے آنکھیں بند کرلیں اور اللہ ھو اللہ ھو کا ورد کرنا شروع کردیا۔ اپنی طرف سے تو میں آہستہ آہستہ ہی سر ہلا رہا تھا کہ مجھے محسوس ہوا کہ زرغون میرے قریب آیا ہے اور میرے سر کو پکڑا ہے۔ میں کھٹک گیا کہ اسے یقیناً کوئی شرارت سوجھی ہوگی اس سے پہلے کہ میں اپنے سر

کو روکتا زرغون نے میرا سر پکڑا اور جو زور سے گھمانا شروع کیا کہ الامان الحفیظ۔

میں کسی وجدانی بابے جیسا ہو گیا اللہ ھو کے بجائے کسی ڈکراتے ہوئے بیل کی آواز میرے منہ سے نکلنے لگی۔ گردن یوں ہو گئی جیسے چھت والا پنکھا اپنی فل اسپیڈ سے گھومتا ہے۔

مجھے اس وقت لگا کہ اب گردن کی ہڈی بس ٹوٹنے ہی والی ہے تب زرغون نے مجھے روکا۔ کچھ دیر تو مجھے ہوش ہی نہیں آیا چکراتے سر کو تھامتے میں نے بمشکل آنکھیں کھول کر مرید کی طرف دیکھا۔

وہ بے چارہ حیرت زدہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس وجود کو میری کرامت سمجھا ہو گا لیکن اسے کیا معلوم کہ مجھ پر اس دوران کیا بیتی ہو گی؟

کسی نہ کسی طرح میں نے اسے ایک تعویذ دے کر رخصت کیا جواباً وہ نذرانہ کے طور پر پیسے دے کر چلا گیا۔

''چلو ایک ہفتے کے راشن کا تو انتظام ہوا۔''

زرغون کی اطمینان بھری آواز نے مجھے آگ لگا دی۔

میں ڈر کے مارے گردن بھی نہیں ہلا پا رہا تھا۔

''یہ کیا کیا تم نے زرغون.....؟ اگر میری گردن کی ہڈی ٹوٹ جاتی تو.....؟'' میں نے شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورا۔

''یار ایسے کہاں ہڈی ٹوٹتی ہے، میں بھی مسلمان ہوں اور جانتا ہوں کہ اللہ نے گردن کو اتنا کمزور نہیں بنایا کہ یوں ذرا سے گھمانے سے ٹوٹ جائے۔ بس تمہارے اس طرح ذکر کرنے سے مریدوں پر رعب پڑتا ہے۔'' وہ شرارتی نگاہوں کو مجھ پر جما کے بولا۔

اور اس رعب کے چکر میں میرا حال بہت برا ہو گیا۔ دو دن گردن میں شدید درد رہا پھر ٹھیک ہو گیا لیکن میں نے توبہ کر لی کہ آئندہ زرغون کے ہوتے ہوئے میں خود پر مصنوعی وجد لانے کی کوشش نہیں کروں گا۔

شیطان کی تاریخ

80 ہزار سال تک فرشتوں کا ساتھی رہا۔

40 ہزار سال تک جنت کا خزانچی رہا۔

30 ہزار سال تک مقربین کا سردار رہا۔

14 ہزار سال تک عرش کا طواف کرتا رہا۔

پہلے آسمان پر اس کا نام عابد تھا، دوسرے پر زاہد، تیسرے پر عارف، چوتھے پر ولی، پانچویں پر تقی، چھٹے پر خازن، ساتوں پر ازازیل اور اب قیامت تک اس کا نام ابلیس ہے۔

غرور اور تکبر نے کیا سے کیا بنا دیا۔

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈو الہ یار)

یار جلالی ایک دو بار مجھے ایسا ہی وجد خود پر طاری کرنے دیتے تو تمہاری بہت مشق ہو جاتی ایک دو بار کے بعد درد بھی نہ ہوتا۔ کبھی کبھار وہ کہتا اور میرا خون کھول جاتا۔

میرے ایک جاننے والے نے کریانہ اسٹور کھول کر مجھے افتتاح کے لئے بلایا اب مرید کروڑ پتی تو تھے نہیں کہ کاروں کا شوروم یا پلازہ کھڑا کرتے تو مجھے افتتاح کے لئے بلاتے۔ یہ میرا سب سے امیر مرید تھا جو خیر سے ذاتی کریانہ اسٹور کا مالک بن گیا تھا اور مجھے امید تھی کہ اب مجھے گھر کے راشن کے لئے پریشان نہیں ہونا پڑے گا!

افتتاح کے لئے روانہ ہوتے وقت زرغون حسب معمول میرے ساتھ تھا اور مجھے یہ فکر کہ یہ پھر کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کر بیٹھے.....؟

خیر ہم دکان پر پہنچے تو وہاں لوگوں کا بہت بڑا جم غفیر نہیں تھا بلکہ دو چار لوگ ہی تھے میں مایوس ہوا خیر میرا

رزق تو اللہ کے ہاتھ میں ہے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں.....!

خیر لوگ منتظر تھے فیتہ کٹنے کے۔ میں نے نازک سی قینچی اٹھائی اور فیتہ کاٹنے کی کوشش کرنے لگا۔ کاٹا گیا۔ کاٹا گیا۔ لیکن وہ فیتہ تو جیسے لوہے کا بنا ہوا تھا اس پر کوئی اثر ہی نہ ہوا۔

''لگتا ہے بابا جی کسی گائے کو ذبح کرنے لگ گئے۔'' کسی منچلے نے پیچھے سے آواز کسی۔

زرغون کی کھی کھی سے جیسے میرے دماغ میں کچھ روشن ہوا۔

یقیناً یہ اسی کا کارنامہ ہوگا۔

بس کرو زرغون سب لوگ میرا مذاق بنا رہے ہیں۔ میں نے جھنجھلا کر اسے مخاطب کیا۔

سب لوگ حیرانی سے میری طرف دیکھنے لگے کہ میں کس سے باتیں کر رہا ہوں۔

میرے یہ کہنے کی دیر تھی کہ میں جو بہت زور سے فیتہ کاٹنے میں مصروف تھا اپنی ہی جھولی مین منہ کے بل گر پڑا کیونکہ فیتہ اچانک کٹ گیا تھا۔

سب لوگ زور زور سے ہنسنے لگے۔ مجھے بڑی شرمندگی ہوئی یہ سب شرارت زرغون کی تھی۔ وہ جو خود کو میرا دوست کہتا ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے!

کھا کے تیر جو دیکھا کمین گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

شعر کچھ آگے پیچھے ہوگیا ہو تو معاف کیجئے گا کیونکہ مجھے شعر و شاعری سے کچھ خاص رغبت نہیں ہے بس کب کا پڑھا ہوا شعر اس وقت اچانک دماغ میں آ گیا تھا۔

خیر افتتاح کے بعد چند باتیں وغیرہ ہوئیں پھر ریفریشمنٹ کا بھی انتظام تھا اور کھانے کا سن کر تو زرغون کے منہ میں ہمیشہ ہی پانی آ جاتا ہے۔

میں ڈرتے ڈرتے میز کے قریب بیٹھا اور پھر میرے ذریعے زرغون کے ریفریشمنٹ کی ایسی کی تیسی کر دی۔

سب لوگ حیرانگی سے میرے تیزی سے چلتے ہاتھ اور اس سے بھی تیزی سے چلتے ہونٹ دیکھ رہے تھے۔

بابا جی لگتا ہے کھانے کی شکل تک بھول گئے تھے۔ اسی منچلے نے آواز لگائی جو میرے گرنے پر بولا تھا۔

میں نے شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورا وہ شرارتی آنکھوں سے میری طرف گھور رہا تھا۔

میرا مرید ہکا بکا تھا کہ آٹھ دس آدمیوں کا انتظام پل میں ڈھیر ہوگیا تھا۔

بابا جی اگر گنجائش ہے تو اور کچھ لاؤں۔ وہ ہلکے سے طنزیہ لہجے میں بولا۔

مجھے شرمندگی ہوئی۔

نہیں نہیں بس بہت ہے۔ یہ بات کہہ کر میں نے اسی شرارتی لڑکے کی طرف دیکھا وہ پہلے سے ہی مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں کھسیانا ہوگیا۔

خیر کچھ دیر بعد ہم واپسی کے لئے روانہ ہوئے تو مرید نے بہت سا سامان میرے ساتھ کر دیا وہ سامان دو ہفتوں کے لئے تھا میرے لئے تو وہ دو مہینے چل جاتا لیکن زرغون کی وجہ سے اگر دو ہفتے بھی چل جاتا تو بہت تھا میرا دل اس کے ساتھ بہت لگ گیا تھا۔ گھر کے کاموں کی مجھے قطعاً کوئی ٹینشن نہیں تھی۔

کھانے اور سامان کی فکر بھی ختم ہوگئی تھی کیونکہ جیسے ہی سامان ختم ہونے لگتا زرغون میرے کسی نہ کسی مرید کے گھر جا ٹپکتا اور میرا کام بن جاتا۔

تھا تو یہ غلط کام لیکن پیٹ سے مجبور ہو کے مجھے یہ کرنا پڑتا تھا کیونکہ اس سے بہر حال نقصان کسی کا نہیں تھا۔

ایک دن ایک چھوٹی سی کتاب لے کر میرے پاس آیا اور بولا۔

''جلالی یار یہ ایک وظیفہ ہے اگر تم نے کر لیا تو

سمجھونوٹوں کی بارش ہوجائے گی اور مجھے روز روز کسی کے گھر جا کر اسے ڈرانا نہیں پڑے گا۔'' اس نے ایسا لالچ دیا کہ میں بھی لالچ میں آ گیا۔

دوسرے ہی دن میں نے آدھی رات کو وظیفہ شروع کردیا۔ دو دن تو ٹھیک گزر گئے تیسرے دن یعنی آخری دن وظیفہ ختم کرتے ہی جونہی میں نے آنکھیں کھولیں۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

وہ جو کوئی بھی تھی بہت خوفناک تھی میں بت بنا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ ڈراؤنی مسکراتی آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

''تم کون ہو؟ زرغون..... زرغون.....'' میں نے وحشت کے عالم میں زرغون کو آوازیں دیں۔

''وہ بھی اجائے گا ذرا ہم سے تو دو گھڑی بات کرلو۔'' وہ جو بھی خاصی منہ پھٹ تھی۔

''ارے تم تو مجھ سے ڈر رہے ہو۔ دیکھو ڈرو مت۔ میں اپنے علاقے میں بہت خوبصورت مشہور ہوں اور تم مجھ سے ڈر رہے ہو۔ یہ تو میرے حسن کی توہین ہوئی۔'' خاصے دو نمبر لہجے میں بولی۔

''تم ہو کون اور میرے پاس کیوں آئی ہو؟''

میرے دل میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ کہیں زرغون کی طرح یہ بھی میرے گھر میں نہ رہنے لگے۔

''ارے میں خود کہاں آئی ہوں تم نے تو بلایا ہے۔ یہ وظیفہ کر کے۔'' اس نے میرے ہاتھ میں موجود چھوٹی سی کتاب کی طرف اشارہ کیا۔

''لل..... لیکن یہ تو رزق میں اضافے کی.....''

اور جیسے سب کچھ میرے ذہن میں روشن ہوگیا۔ زرغون نے یقیناً کوئی مذاق کیا تھا میرے ساتھ! رزق میں تو اضافہ نہ ہوا ایک فرد کا ضرور اضافہ ہوا تھا۔ یہ زرغوون بھی نا..... لگتا ہے اپنی کسی دوست کو بھی بلالیا ہے اب میرا تو سانس لینا بھی محال ہوجائے گا۔ میں پریشان تھا لیکن جب تک زرغون تصدیق نہ کرتا میں کچھ حوصلے میں تھا اور پھر زرغون نے اسے اپنی محبوبہ بتایا تو میرے چودہ طبق روشن ہوگئے۔

''دیکھو زرغون میرے گھر میں رہنا ہے تو قاعدے سے رہنا ہوگا۔ کچھ الٹا سیدھا نہیں چلے گا؟'' میں نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا۔

جلالی یار فکر مت کرو میں بھی مسلمان ہوں ایسا کچھ نہیں کرنے والا۔ دراصل یار ہم بھاگ کے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میرا مطلب بھاگ تو ہم چکے ہیں بس شادی کرنی باقی ہے۔ اگر تم ہمارا نکاح کروادو تو بڑے ثواب کا کام ہوگا اور پھر ہم جلدی سے واپس بھی جاسکیں گے۔ دراصل میں تمہیں ساری بات بتاتا ہوں۔ اگر ہم اپنے علاقے میں رہتے تو ہماری شادی ایک سال تک ہونا ممکن نہیں تھا۔ اور دوسری بات ایک سال تک ہونا ممکن نہیں تھا۔ اور دوسری بات اگر ہم ان کے علم میں لائے بغیر شادی کرلیتے تو وہ اس شادی کو ضرور قبول کرلیتے لیکن اپنی دنیا میں ان کے علم میں لائے بغیر شادی کرنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ اس لئے ہم نے یہ پلان کیا میں کچھ دن بالکل نکموں کی طرح پڑا رہا تو میرے والدین نے سزا کے طور پر مجھے انسانی دنیا میں بھیج دیا اور کچھ دن بعد ہی میں نے ایک عمل کے ذریعے اپنی محبوبہ جس کا نام مرحومہ ہے کو اس دنیا میں بلالیا اب ہمارے خاندان والوں کو ہماری شادی کا قطعاً علم نہیں ہوسکے گا ہم انہیں سرپرائز دیں گے۔''

زرغون کے چہرے پر محبتوں کے پھول سے گرتے محسوس ہونے لگے۔ لیکن مرحومہ نام کتنا عجیب ہے؟ میں نے دل میں سوچا لیکن اظہار نہیں کیا۔ پھر مولوی کو بلا کر ان کا نکاح پڑھوادیا وہ دونوں انسانی شکل میں موجود تھے نکاح کے فوری بعد وہ مجھے الوداع کہہ کر ہمیشہ کے لئے روانہ ہوگئے اس کے جانے سے کتنے ہی دن میں اداس رہا پھر اپنی روٹین میں آ گیا۔

مرحومہ نام سوچ کر میرے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ جاتی.....!

کہ کہیں مجھے پہچان نہ لے۔

جیدو اور نینا قدرے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہ تھی۔

دفعتاً پرسکون اور پراطمینان مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھل کر رفتہ رفتہ اس کے پورے چہرے پر پھیل گئی۔ اس نے اپنے بازو پھیلا دیئے اور خود اپنی مرضی سے مجھے چومنے کے لئے اپنے ہونٹ اوپر اٹھا دیئے۔

محبت کے اس اظہار پر میں ذرا چونکا اور میں نے فوراً اور قدرے بے اختیاری سے اسے اپنے سینے سے لگالیا اور اس کے پیار کا جواب دیا۔ میں نے کنکھیوں سے اپنی بیوی اور جیدو کی طرف دیکھا۔

''کہیں انہیں شک تو نہیں ہوگیا؟'' میں نے بے چینی سے سوچا۔

''نہیں تو..... انہیں شک کیوں ہونے لگا؟ ہو بھی نہیں سکتا۔ کیا خود جیدو نے اپنی آنکھوں سے مجھے دفن کئے جاتے نہیں دیکھا۔

اس خیال نے میری ڈھارس بندھائی اور اب میں نے اپنی آواز کو زیادہ سے زیادہ کرخت اور لہجے کو زیادہ سے زیادہ خشک بنا کر اسٹیلا کو مخاطب کیا۔ کیونکہ اس کے فوری اور جبلی پیار نے مجھے محتاط کردیا تھا۔ کہتے تھے ہیں خون کو خون پکارتا ہے۔ کیا پتہ اسٹیلا اپنی جبلی فطرت سے مجھے پہچان لے۔

''بہت پیاری سی ننھی سی خاتون ہو تم تو بھئی۔'' میں نے کہا۔ ''اور نام بھی پیارا اچھا ہے..... اسٹیلا؟ یہی نام ہے نا؟ اسٹیلا۔ اس لئے کہ تم ننھے ستارے کی طرح ہو۔ شاید اسی لئے تمہارا یہ نام رکھا گیا۔''

''وہ ذرا سوچ میں پڑگئی اور پھر اس نے شرماتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''پاپا کہتے تھے کہ یہاں آنے سے پہلے میں آسمان پر ننھا ستارہ ہی تھی۔''

''پاپا نے تو تمہیں بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔'' نینا نے کہا اور باریک کالے رومال سے اپنی آنکھیں پوچھنے لگی۔

''بے چارے بابا۔ تمہیں اتنا پریشان نہ کرتی تھیں جتنا مجھے کرتی ہو۔'' اسٹیلا کے ہونٹ کانپے لیکن وہ خاموش رہی۔

''توبہ۔ توبہ۔ میں نے سرزنش کرتے ہوئے کہا۔ ''پریشان کرتی ہو تم؟ بری بات۔ سارے کے سارے ننھے ستارے بہت اچھے ہوتے ہیں کبھی کسی کو نہیں ستاتے۔ وہ تو ہمیشہ خاموش اور مسکراتے رہتے ہیں۔''

وہ خاموش رہی۔ البتہ اس کے منہ سے ایک آہ نکل گئی۔ ایسی آہ ایک معمر مصیبت زدہ کے دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہے۔ اسٹیلا نے اپنا سر میرے بازو پر ٹکا کر نگاہیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔ ان میں دل کے ٹکڑے اڑا دینے والی التجا تھی۔

''آپ ملے ہیں میرے پاپا سے؟'' اس نے پوچھا۔ ''جلد واپس آئیں گے وہ؟'' میں کوئی جواب نہ دے سکا چنانچہ جیدو نے اسے اپنا فرض سمجھا۔ اس نے نخوت سے کہا۔

''بیوقوفی کی باتیں مت کرو بے بی۔ تم جانتی ہی ہو کہ تمہارے پاپا چلے گئے ہیں بہت ستایا تم نے انہیں چنانچہ وہ کبھی واپس نہ آئیں گے۔ وہ وہاں چلے گئے ہیں جہاں تمہاری جیسی بدتمیز لڑکیاں ہیں ہی نہیں۔''

بے دردانہ اور سخت الفاظ۔ اور میں نے فوراً وہ غم سمجھ لیا جو اس معصوم بچی کے دل پر بوجھ بنا ہوا تھا اور جسے وہ نہ تو دور کرسکتی تھی اور نہ ہی ظاہر کرسکتی تھی۔ جب بھی وہ رنجیدہ یا پریشان ہوتی یہ دونوں عاشق و معشوق اس بچاری کو یہ یقین دلاتے کہ اس کی شرارتوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے ہی اس کا باپ اسے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ بات اس ذہین نشین ہوگئی اور اس کے دل کو لگ گئی تھی بلاشبہ اس نے اپنے ننھے دماغ پر زور دے کر اس بات پر غور کیا تھا اور اس الجھن میں پڑگئی تھی کہ ایسا تو اس نے کیا کیا تھا کہ اس کا باپ سچ مچ کبھی واپس نہ آنے کے لئے اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

(جاری ہے)

بھیانک عذاب

عامر شہزاد-ننکانہ صاحب

نوجوان پر سکتہ طاری ہوگیا اور وہ ناقابل فراموش اور دل دھلاتا منظر دیکھ کر بھاگ جانا چاہتا تھا کہ اچانک قبرستان کی طرف سے ایک بلا نمودار ہوئی جس نے لوگوں کو دھلا کر رکھ دیا.....

سبک رفتاری سے ذہن پر خوف کی دھند طاری کرتی ناقابل فراموش شاہکار.....کہانی

دسمبر کی سرد شام تھی اور میں اپنے اسپتال میں بیٹھا مریضوں کا چیک اپ کر رہا تھا اس دن سردی کی شدت میں کافی اضافہ ہو رہا تھا، اسی وجہ سے مریضوں کی تعداد معمول سے کچھ کم تھی، میرا نام ڈاکٹر الطاف ہے ان دنوں میری عمر تینتیس سال تھی اور شہر کا ایک معروف آرتھو پیڈک ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے دور دراز علاقوں سے مریض میرے پاس آتے تھے اللہ کی خاص کرم نوازی سے میری پریکٹس بہت اچھی چل رہی تھی، سردی کی شدت اور مریضوں کی کمی کے باعث اس شام میں نے آرام کرنے کا سوچا اور اپنے اسسٹنٹ سے کہا! ارشد میں اوپر اپنے کمرے میں جا کر آرام کرنا چاہتا ہوں تم سنبھال لینا اگر خدانخواستہ کوئی ایمرجنسی ہو تو مجھے بلا لینا ابھی ہم باتیں ہی کر رہے تھے کہ ایک مریض کی آمد ہوئی جو بیساکھیوں کے سہارے بہت مشکل اور

تکلیف سے چل کر آرہا تھا اس کے ساتھ چند دیگر افراد بھی تھے جو اسے سہارا دے رہے تھے لباس اور شکل و صورت سے وہ کسی معزز اور امیر خاندان کے لگتے تھے۔

خیر میں نے مریض کو ہمدردی سے میز پر لٹا کر اس کا معائنہ شروع کیا دراصل اس کی ٹانگوں میں مسئلہ تھا میں نے کپڑا اٹھا کر اس کی ٹانگیں دیکھیں تو حیران رہ گیا دونوں ٹانگیں مکمل طور پر جل چکی تھیں اور ان میں زخم تھے جن سے پیپ بہہ رہی تھی بے چارہ مریض درد سے تڑپ رہا تھا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ایک پانی کے تالاب میں سے کسی موذی جانور نے اسے کاٹا تھا اس وقت ایسا مرض میں نے پہلی بار دیکھا تھا اپنی پیشہ ورانہ صلاحیت اور اس کی پرانی میڈیکل ہسٹری سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس بیماری کا واحد حل دونوں ٹانگیں کاٹ دینا ہی ہے۔ بصورت دیگر انفیکشن کا جسم کے بالائی اعضاء تک پہنچنا یقینی ہے جس کا انجام جلد موت ہے۔

میں نے ان لوگوں کو کھل کر صورتِ حال سے آگاہ کر دیا مریض جس کا نام خالد تھا بولا! ڈاکٹر صاحب میرا تعلق بہت امیر فیملی سے ہے میں نے اپنے علاج کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہیں، پیسہ پانی کی طرح بہایا ہے اور پھر آپ کی شہرت سن کر میں بڑی امید سے یہاں آیا ہوں میں آپ کو آپ کی سوچ سے بھی زیادہ فیس دوں گا خدا کے لئے میرا علاج کریں میں کسی صورت اپنی ٹانگوں سے محروم نہیں ہونا چاہتا اگر ایک ٹانگ کا مسئلہ ہوتا تو بات اور تھی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میں جانتا تھا کہ اس کا علاج ممکن نہیں ہے اسی لئے میں ان کا پیسہ ضائع کروانا نہیں چاہتا تھا مگر وہ لوگ کسی صورت نہیں مانے اور کچھ وی آئی پیز کی سفارشیں کروائیں جن کی وجہ سے بحالت مجبوری مجھے خالد کو ایک مخصوص کمرے میں داخل کرنا پڑا۔ میں نے اس کا علاج شروع کر دیا تا کہ کم از کم اس کی تکلیف کی شدت کم رہے اس کا آپریشن بھی ممکن نہیں تھا وہ ہر وقت درد سے تڑپتا رہتا تھا اعلیٰ اور جدید میڈیسن بھی فیل ہو رہی تھیں دیگر مریض بھی خالد کی چیخ و پکار سے پریشان ہو رہے تھے مگر میں مجبور تھا ان دنوں میرے دل میں بار ہا خیال آتا کہ آخر ایسا کون سا موذی اور خطرناک جانور ہے جس نے خالد کی یہ حالت کر دی ہے اگر زہر پھیلنے کا معاملہ ہوتا تو ٹانگوں کے علاوہ دیگر جسمانی اعضاء متاثر کیوں نہیں ہوئے؟

بہر حال میں نے اس کے علاج کے لئے دیگر معروف اور سینئر ترین ڈاکٹرز سے بھی مشاورت کی مگر کوئی حل نہیں نکل سکا۔ روز بروز اس کی طبیعت خراب ہو رہی تھی انفیکشن بڑھ رہا تھا مگر خالد میری بات ماننے سے مسلسل انکار کر رہا تھا اس ایک مریض کی وجہ سے میری زندگی اجیرن ہو گئی تھی پھر میں نے اسے پیار اور ہمدردی سے قائل کرنے کی کوشش کی میں نے اسے سمجھایا کہ بھائی آپ کی بیماری کی کسی کو سمجھ نہیں آرہی، تمام سینئرز ڈاکٹرز حیران ہیں کیونکہ ایسا کیس پہلے کبھی رپورٹ نہیں ہوا، ایکسیڈنٹ اور گولی لگنا تو معمولی کی بات ہے مگر تمہارا کیس منفرد ہے۔ لہٰذا اگر مزید جینا چاہتے ہو تو میری بات مان لو اگر خدانخواستہ تم مر گئے تو یہ موت تمہاری خودکشی کے مترادف ہوگی۔ میری باتیں سن کر وہ گہری سوچ میں پڑ گیا پھر قدرے توقف کے بعد بولا! ڈاکٹر صاحب دنیا کے رنگ نرالے ہیں لوگ بہت باتیں بناتے ہیں اور لوگوں کی زندگیاں اجیرن بنا دیتے ہیں مگر اب مجھے لگتا ہے کہ میری موت قریب ہے اور اب میں آپ کو ایک ایسا سچ بتاتا ہوں جسے سن کر آپ یقیناً حیران ہو جائیں گے۔

بچپن ہی سے مجھے جنگلات، محلات، پرانی عمارات اور قلعے وغیرہ دیکھنے کا بہت شوق تھا، میرا تعلق جاگیردار گھرانے سے ہے مگر میں اپنے شوق کی تکمیل کے لئے محکمہ آثارِ قدیمہ میں بھرتی ہو گیا، جس کی وجہ سے مجھے مختلف مقامات دیکھنے اور مختلف پروجیکٹس پر کام کرنے کے مواقع ملنے لگے ایک بار سات افراد پر مشتمل ہماری ٹیم کو ایک اسپیشل اسائنمنٹ کے سلسلے میں دور دراز علاقے میں جانا پڑا اور ہم ایک لمبے اور خطرناک سفر کے بعد ایک ویران سے علاقے میں پہنچ گئے۔ یہی ہماری

مطلوبہ جگہ تھی حکومت کی جانب سے ہمیں حکم نامہ ملا کہ اس جگہ ضرور کوئی اہم چیز دفن ہے لہٰذا اس پر فوری کام شروع کیا جائے۔ گرمی کا موسم تھا انتہائی تھکا دینے والے سفر کی وجہ سے میری طبیعت تھوڑی سی خراب ہوگئی ہمیں کوئی مناسب جگہ نہیں مل رہی تھی آبادی سے بہت دور ہونے کی وجہ سے وہاں درخت بہت کم تھے اس لئے وہاں موجود قدرے بڑے اور بہت پرانے قبرستان کو ہی ہم نے غنیمت سمجھا کیونکہ وہاں پرانے اور سایہ دارہ درخت موجود تھے ہم نے اپنا سارا سامان ایک بڑے اور سایہ دار درخت کے نیچے رکھا جو قبرستان کے عین وسط میں موجود تھا ہمارے آفیسر نے جلد کام کا سوچا اور سب کو تھوڑا آرام کرنے کے بعد تیار ہونے کو کہا۔

میری طبیعت خراب تھی، پورا جسم درد محسوس کر رہا تھا جیسے ہلکا ہلکا بخار ہو اس لئے میں نے ان سے کہا! آپ چلئے میں تھوڑا مزید آرام کر کے آپ کے پیچھے آرہا ہوں وہ چلے گئے پھر میں نے ایک کپڑا درخت کے نیچے بچھایا اور اس پر لیٹ گیا البتہ ایک لوہے کی مضبوط سلاخ بطور ہتھیار اپنے پاس رکھ لی تاکہ خدانخواستہ کوئی جنگلی جانور وغیرہ حملہ کردے تو اس سے بچاؤ کیا جاسکے۔

ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے جلد ہی میں نیند کی آغوش میں چلا گیا تھوڑی ہی دیر گزرنے کے بعد اچانک کسی کی مجھے بچاؤ..... مجھے بچاؤ..... میں مرگیا..... میں مرگیا..... آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی انتہائی تکلیف میں مدد کے لئے پکار رہا ہو پھر جلد ہی آوازیں بند ہوگئیں میں نے ارد گرد اچھی طرح دیکھا مگر وہاں دور دور تک کوئی نہیں تھا اس لئے میں نے اس بات کو اپنا وہم سمجھ کر ذہن سے جھٹک دیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

تقریباً پانچ منٹس کے بعد پھر وہی مردانہ آوازیں آنے لگیں۔ بچاؤ..... مجھے بچاؤ..... میں مرگیا..... میں برباد ہوگیا..... بچاؤ..... بچاؤ..... ہائے افسوس..... ہائے افسوس..... اس بار آوازوں کی شدت میں اضافہ ہوچکا تھا اور پکارنے والے کی آوازوں میں بہت کرب، تکلیف اور بے بسی کا اظہار واضح تھا اس بار میں نے اس کی مدد کرنے کا ارادہ کیا اور آوازوں کی جانب بڑھنے لگا جو قبرستان کے شمالی حصے کی طرف سے آرہی تھیں۔

قبرستان میں گھاس اور دیگر جھاڑیاں وغیرہ کافی بڑھی ہوئی تھیں میں نے گھڑی پر ٹائم ڈیکھا تو دوپہر کے پونے بارہ بج رہے تھے ہر طرف خاموشی اور ہو کا عالم تھا۔ میں جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا آوازیں بھی بلند اور واضح سنائی دینے لگیں۔ اب چیخوں کے ساتھ ساتھ کسی کے مارنے اور غصے سے کچھ کہنے کی آوازیں بھی آنے لگیں جو میری سمجھ سے باہر تھیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ بھیانک آوازیں ایک پرانی قبر سے آرہی ہیں ایک بار تو خوف سے میرا جسم لرز اٹھا مگر میں نے ہمت کر کے دیکھا تو مٹی قبر سے تقریباً اتر چکی تھی میں نے جرأت سے کام لیتے ہوئے قبر کھودی نجانے اتنی ہمت مجھ میں اس وقت کیسے آگئی؟

قبر کا اندرونی منظر دیکھ کر میرے اوسان خطا ہوگئے بہت بھیانک منظر تھا جو کچھ یوں تھا۔

ایک مردہ بغیر کفن کے لیٹا ہوا ہے، جگہ جگہ سے اس کا جسم پھٹا ہوا تھا کہیں کہیں گوشت اور زیادہ تر ہڈیاں نظر آرہی تھیں۔ البتہ اس کا جسم پورا تھا ایک بڑا اژدہا اس کی گردن کے گرد لپٹا ہوا تھا اور وہ بار بار مردے کے دونوں کندھوں اور گردن پر ڈس رہا تھا جبکہ ایک اور کالے رنگ کا خوفناک اژدہا جو مردے کے پیٹ کے اندر موجود تھا وہ منہ باہر نکال کر اس کے پیٹ اور ٹانگوں پر ڈس رہا تھا لیکن سب سے خطرناک چیز جو میں نے دیکھی وہ ایک چوہے نما جانور جو مردے کی چھاتی پر بیٹھا ہوا تھا جس کا سائز خرگوش جتنا ہوگا وہ اس کی پیشانی اور دل پر اپنے نوکیلے دانتوں سے مسلسل حملے کر رہا تھا وہ جیسے ہی حملہ کرتا مردہ شدت تکلیف سے تڑپ کر ایک فٹ اونچا اچھلتا اور پھر زمین میں دھنس جاتا نیز اس کے پورے جسم پر آگ لگ جاتی اور اس کی دلخراش چیخ و پکار سے ماحول انتہائی بھیانک ہوجاتا اور بے شمار عجیب و غریب کیڑے الگ سے اس کے جسم کو کھا رہے تھے اور

یہ سارا عمل مسلسل اور بغیر کسی وقفے سے جاری تھا۔

میں وہ حیرت ناک اور ناقابل فراموش منظر دیکھ کر فوراً وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا مگر نجانے کیوں میرے دل میں خیال آیا کہ شاید بارش کی وجہ سے قبر خراب ہوگئی ہے اور قبرستان و جنگل کے کیڑے اور جانور قبر میں داخل ہو کر مردے کو تکلیف پہنچا رہے ہیں لہٰذا میں نے مردے کو ان جانوروں سے چھڑانے کا فیصلہ کیا اس وقت یہ بات خاص طور پر میرے ذہن سے مکمل فراموش ہوگئی تھی کہ اگر واقعی جانور باہر سے قبر میں داخل ہوئے ہیں تو مرنے کے بعد مردہ چیخ اور آوازیں کیسے نکال سکتا ہے؟

خیر پہلے تو میں نے ان جانوروں کو مختلف طریقوں سے ڈرایا دھمکایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے پھر میں نے لوہے کی سلاخ سے انہیں ڈرایا مگر یہ حربہ بھی ناکام رہا بعد ازاں میں نے غصے میں آ کر چوہے نما جانور کو سلاخ سے مارنے کے لئے اُسے ہوا میں بلند کیا تو اُس نے تیز اور انتہائی سرخ آنکھوں سے مجھے گھورا جو بہت غصے میں دکھائی دے رہا تھا پھر وہ مردے کو چھوڑ کر میری جانب بڑھا اب میرے پاس وہاں سے بھاگ جانے کے علاوہ کوئی اور دوسرا راستہ نہیں تھا لہٰذا میں سلاخ ہاتھ میں پکڑے تیز دوڑنے لگا اونچی نیچی قبروں اور گھاس وغیرہ کی وجہ سے میرے لئے دوڑنا مشکل ہو رہا تھا بھاگتے بھاگتے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ جانور مسلسل میرا پیچھا کر رہا تھا البتہ خوش قسمتی سے اس کی رفتار کافی کم تھی دوڑتے ہوئے۔

اچانک ایک قبر سے ٹھوکر لگ کر میں منہ کے بل گرا اور سلاخ بھی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری پیچھے دیکھا تو وہ مسلسل میرا تعاقب کر رہا تھا میں نے جلدی سے سلاخ اٹھانا چاہی اور گھاس میں ہاتھ مارنے لگا کہ اچانک ایک باریک اور انتہائی گرم سانپ میرے ہاتھ میں آ گیا اور خدایا میں مزید خوفزدہ ہوگیا اور اسے فوراً پھینک کر بھاگ کھڑا ہوا۔ میں مدد کے لئے مسلسل اپنے ساتھیوں کو چیخ چیخ کر پکار رہا تھا۔ میں نے اس وقت سوچا کہ شاید میری موت کا وقت آن پہنچا ہے زندگی تو بہت پیاری ہوتی ہے اس لئے مسلسل دوڑتا رہا قبرستان سے باہر آ کر بھی اس نے میرا پیچھا نہ چھوڑا اور مجھے اپنی موت یقینی نظر آنے لگی کیونکہ گرمی کی شدت کی وجہ سے میرا سانس جیسے رک رہا تھا حلق خشک ہو رہا تھا اور اب مزید جدوجہد کرنا میرے لئے بہت مشکل ہو رہا تھا کوئی راستہ نہ پا کر میں نے وہاں موجود پانی کے بڑے تالاب میں چھلانگ لگا دی جو خلاف توقع کافی گہرا تھا مجھے نہیں معلوم کہ میں نے پانی میں کیوں چھلانگ لگائی بس موت سے بچنے کے لئے سب کچھ غیر ارادی طور پر میں کر رہا تھا یا میرے دل میں یہ بات آئی ہوگی کہ شاید وہ جانور پانی میں داخل نہ ہو مگر میرا یہ خیال بھی غلط ثابت ہوا اور وہ تالاب میں بھی داخل ہوگیا اور میری جانب بڑھنے لگا اب بچنے کا کوئی راستہ نہیں تھا مگر میں پھر بھی اونچی آوازوں میں مدد کے لئے اپنے ساتھیوں کو پکارنے میں مصروف تھا پھر میں نے آخری بار تالاب کے دوسرے کنارے سے باہر نکلنے کی کوشش کی اور خوشی کی بات یہ ہوئی کہ میرے ساتھی بھی دوڑتے ہوئے تالاب کے کنارے پہنچ گئے میں نے جلدی سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔

آدھا باہر نکل گیا البتہ ٹانگیں پانی میں موجود جھاڑیوں میں پھنس گئیں پھر اس نے اپنے آخری حربے کی صورت میں اپنے منہ سے تھوک نما گہرے سرخ رنگ کا پانی تالاب میں چھوڑا جس سے فوراً ہی سارا پانی بہت گرم اور تیزاب کی مانند ہوگیا مجھے لگا جیسے میری ٹانگیں آگ کے تندور میں موجود ہو میرے ساتھیوں نے پوری قوت سے مجھے باہر نکالا مگر دیر ہو چکی تھی میری ٹانگیں جھلس چکی تھیں درد اور جلن سے میرا برا حال تھا میں تڑپ رہا تھا کسی کو کوئی سمجھ نہیں آئی کہ آخر میرے ساتھ ہوا کیا ہے کیونکہ جانور بھی غائب ہو چکا تھا درد کی شدت سے میں بے ہوش ہوگیا۔

پھر میری آنکھ اسپتال میں کھلی میں نے یہ واقعہ کسی کو نہیں سنایا کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں لوگ مجھے

اس واقعہ سے منسوب کر کے انتہائی گناہ گار ثابت کر کے میری زندگی اجیرن نہ بنادیں اسی لئے میں نے اصل واقعہ کسی کو نہیں بتایا۔ مزید اس نے مجھ سے بہت ادب اور اعتماد سے درخواست کی یہ بات کسی اور سے شیئر نہ کیجئے گا اگر دنیا کو عبرت کے لئے بتانا ضروری ہوا تو میرا نام نہیں بتائیں گے اور میں نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

اُس کی مکمل بات سُننے کے بعد میں اس مسئلے کو کسی حد تک سمجھ چکا تھا اور میں نے فیصلہ کیا کہ اپنے مُرشد سید نادر شاہ صاحب سے رابطہ کر کے ایک آخری کوشش کر لینی چاہئے ہوسکتا ہے کہ خالد کا کوئی روحانی علاج ممکن ہوسکے پھر میں نے شاہ صاحب کو اسپتال آنے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کرلی، اسپتال آ کر شاہ صاحب کی میں نے خالد سے ملاقات کروائی اور شاہ صاحب کو ساری صورت حال سے آگاہ کردیا، خالد کو میں پہلے ہی اعتماد میں لے چکا تھا۔

پوری تفصیل جاننے کے بعد شاہ صاحب بولے۔

ڈاکٹر الطاف مجھے ایک خاص روحانی عمل کرنا ہوگا اور اس کے لئے ایک کمرہ اور کچھ ضروری سامان درکار ہے۔ انشاء اللہ ایک رات کے عمل سے ہی اس بیماری کے بارے میں علم ہوجائے گا ان کے کہنے کے مطابق مخصوص کمرہ اور بقیہ سامان مہیا کردیا گیا پھر پوری رات انہوں نے عمل خاص کیا اور اگلے دن ہمیں ایسی بات بتائی جو نہ صرف میرے لئے بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے باعث عبرت ہے۔

انہوں نے سب کی موجودگی میں ہمیں بتایا کہ خالد ایک اچھا اور نیک انسان ہے اور جو بیماری اسے لگی ہے یہ کوئی سزا نہیں ہے بلکہ دنیا کے لئے عبرت ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ خالد کو جس جانور کی وجہ سے انفیکشن ہوا ہے۔ اس کا تعلق عالم برزخ سے ہے نہ کہ دنیا سے اس لئے اس کا علاج اس دنیا کے کسی انسان کے پاس نہیں ہے اور جس مردے کی قبر کو اس نے دیکھا تھا اُسے عالم برزخ کے عذابوں میں سے کوئی عذاب ہو رہا تھا اگر اس نے ان جانوروں کو دیکھ بھی لیا تھا تو اسے انہیں ہرگز چھیڑنا نہیں چاہئے تھا اس نے تو ان کے کام میں مداخلت کی اسے تو فوراً وہاں سے دور ہوجانا چاہئے تھا ہمارے بزرگ کہا کرتے تھے کہ ''ویرانوں اور قبرستانوں میں اکیلے سفر کرنا نہیں چاہئے۔''

اور پھر خالد کو اپنی طرف متوجہ کر کے پیار اور ہمدردی سے کہا!

بیٹا خالد میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے عطا کردہ علم سے اس دنیا کے امراض کا روحانی علاج کرسکتا ہوں مگر عالم برزخ سے لگی کسی بیماری کا میرے پاس تو کیا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ لہٰذا تمہیں ٹانگیں کٹوانا پڑیں گی۔ اگر تم اسی حالت میں مرگئے تو یہ موت خودکشی کہلائے گی اور خدانخواستہ تمہیں بھی عالم برزخ میں عذاب ہوسکتا ہے۔

شاہ صاحب کی باتیں سن کر خالد کا جسم خوف سے کانپ اٹھا اور اس نے دونوں ہاتھ اپنے کانوں کو لگا کر اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کی اور ہاں میں سر ہلا دیا اب وہ بہت مطمئن نظر آرہا تھا۔ پھر اسی دن اس کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں اور حیران کن طور پر وہ دیگر مریضوں کی نسبت بہت جلد ٹھیک ہوگیا بعد ازاں میری کوششوں سے اسے مصنوعی ٹانگیں لگادی گئیں جس سے وہ جلد ہی نارمل زندگی گزارنے کے قابل ہوگیا اس کے بعد اسے کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

اس واقعہ کے بعد میرے دل میں پہلے سے زیادہ خوفِ خدا پیدا ہوگیا اور میں سوچنے لگا کہ ہر مسلمان نے روزِ قیامت تک قبر میں رہنا ہے پھر ہم کیوں ''عالم برزخ'' سے غافل ہیں۔ الحمدللہ میں تو عذاب قبر سے بچنے کے لئے دین اسلام کے اصولوں کے عین مطابق زندگی گزار رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ تمام مسلمان بھی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر زندگی گزاریں گے اور عذاب قبر سے محفوظ رہیں گے۔

چڑیل کتھا

مونا شہزاد۔ کیلگری کینیڈا

اچانک نوجوان کی نظر پیپل کے درخت پر پڑی تو وہ حیران رہ گیا کیونکہ پیپل کی ٹہنیوں پر بے شمار گھاگرا میں ملبوس عورتیں اپنی آنکھیں چمکا رہی تھیں کہ اتنے میں پھر.....

ایک نادیدہ قوت کی چاہت وخلوص..... کی عجیب وغریب کتھا..... پڑھ کر دیکھیں

ایڈوکیٹ نظامی صاحب نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے نوجوان بیگم صاحبہ کو زمینوں سے آئی رقم پکڑائی اور دکانوں سے آنے والے کرائے کی مد میں اکٹھی ہونے والی رقم کے بارے میں بھی تفصیلات بتانی شروع کر دیں۔ بیگم صاحبہ نے رقم پکڑ کر اپنے پرس میں رکھتے ہوئے انھیں چند ضروری ہدایات دیں۔ پھر وہ گوشواروں کی جانچ پڑتال میں مصروف ہوگئی۔ نظامی صاحب نے بیگم صاحبہ کی طرف تکتے ہوئے سوچا۔

''اس نوجوانی میں بیوہ جیسی زندگی گزارنا کس قدر مشکل کام ہے۔ اس بیچاری پر معصوم بچوں کی نگہداشت کے ساتھ ساتھ ایک مفلوج شخص کی خدمت کا بوجھ بھی ہے۔ بعض لوگ کیسا نصیب لے کر آتے ہیں۔''

اس نے ہمدردی سے وہیل چیئر پر بیٹھے لاچار شخص کو دیکھا۔ وہ محض بتیس سال کا تھا اس کا جسم مکمل طور پر مفلوج تھا۔ صرف اس کی آنکھیں اور چہرے کے تاثرات اس کی زندگی کا ثبوت دیتے تھے۔ اس کی زبان بھی ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ اس کے حلق سے صرف لایعنی سی آوازیں ہی نکلتی تھیں۔ اس وقت بھی اس کی نگاہیں دور پیپل کے درخت کے نیچے کھیلتے اپنے تڑواں بچوں پر جمی ہوئی تھیں۔ دو لڑکے اور ایک لڑکی جن کی عمر پانچ سال کے لگ بھگ تھی۔ کھیل کود میں مصروف تھے۔ نظامی صاحب بھی شوق سے معصوم بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھنے لگے۔ ان کے جی میں نجانے کیا آیا انھوں نے صاحب کی وہیل چیئر باغ کی روش پر دھکیلنی شروع کی اور اسے بچوں کے قریب لے آئے۔ بچے باپ کی موجودگی سے بے پروا کھیلنے میں مشغول تھے۔ اچانک انھیں ایک عجب سا احساس ہوا، انھیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے بچے کسی غیر مرئی دوست سے کھیل رہے تھے۔ انھوں نے ایک کھنکتا ہوا نسوانی قہقہہ بھی سنا، انھوں نے گھبرا کر قرب وجوار میں دیکھا مگر کسی کو موجود نہ پایا۔ اچانک چھوٹی بچی بے تکلفی سے درخت پر ڈلی پینگ پر بیٹھی اور بولی:

''انو کا کی! مجھے بہت اونچا جھولا جھلاؤ۔''

نظامی صاحب کی آنکھوں کے سامنے جھولا ہلنے لگا۔ ہوا بالکل ساکت تھی۔ بچی کے پیر بھی زمین پر نہیں لگ رہے تھے مگر اس کے باوجود پینگ اونچی سے اونچی تر ہوتی جا رہی تھی۔ بچی خوشی سے قہقہے لگا رہی تھی۔ نظامی صاحب کی پیشانی پسینے سے تر ہوگئی۔ انھوں نے دیکھا وہیل چیئر پر بیٹھا مفلوج شخص بہت سخت اضطراب کا شکار تھا۔ اس کی آنکھیں خوف کی شدت سے پھٹ سی گئی تھیں۔ اس کے چہرے کی رنگت زرد ہو چکی تھی، اس کے ہونٹوں سے نکلنے والی آوازوں کی شدت بڑھ گئی تھی۔ نظامی صاحب نے اپنا کان اس کے منہ کے قریب کیا۔ وہ پھٹی پھٹی آواز میں بولا:

''انورادھا! انورادھا وہ ایک چڑیل ہے۔ وہ مجھے مار دے گی۔ مجھے بچالو خدارا!''

نظامی صاحب کو بہت حیرت سی ہوئی یہ جان کر کہ

صاحب بولنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ انھوں نے تیزی سے وہیل چیئر کو لان چیئر کی جانب دھکیلنا شروع کر دیا۔ اس نے دیکھا بیگم صاحبہ کھڑی ان کی جانب ہی تک رہی تھیں۔ ان کے ہونٹوں پر بہت پراسرار سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں ایک سفاک سی چمک تھی۔ نظامی صاحب کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ انھوں نے جلدی سے بیگم صاحبہ سے اجازت مانگی اور گواشوارے، فائلز لے کر رخصت ہوگے۔ انھوں نے گاڑی نکالتے ہوئے دیکھا، بیگم صاحبہ جھک کر صاحب کے کانوں میں سرگوشی کر رہی تھیں۔ صاحب کے چہرے پر کرب والم کی ایک دنیا آباد تھی۔ اس کے چہرے کی رنگت نیلگوں ہو چکی تھی۔ نظامی صاحب حورین ولا سے نکلے تو انھیں یقین ہوگیا کہ یہاں کے مکین کسی اسرار کے حامل تھے۔ کوئی نادیدہ طاقت اس ولا میں موجود تھی۔ انھوں نے اپنی پیشانی پر آئے پسینے کو صاف کیا اور اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگے۔

☆.....☆.....☆

پائیلٹ جہاز کی لینڈنگ جلد ہونے کی اناؤنسمنٹ کر چکا تھا۔ اس نے جہاز کی سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے سیٹ کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے سوچا:

''میری واپسی کا فیصلہ درست ہے یا غلط؟
یہ فیصلہ تو آنے والا وقت ہی کرے گا۔''

وہ چھ فٹ لمبا، کسرتی جسم کا حامل، سرخ وسفید رنگت والا خوبرو نوجوان تھا۔ اسے دیکھ کر کسی یونانی دیوتا کا گمان ہوتا تھا۔ اس کی ذات میں صنف مخالف کہ لئے ایک خاص کشش تھی۔ اس کی گہری نیلی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی جوت تھی جو دیکھنے والے کو اس سے متاثر ہونے پر مجبور کر دیتی تھی۔ اسے دیکھ کر صنف مخالف با آسانی اس کے سحر میں گرفتار ہوجاتی تھیں۔ جہاز میں سوار بیشتر خواتین کی توجہ کا مرکز وہی تھا۔ عام طور پر وہ ان صورتحال سے بہت حظ اٹھاتا تھا مگر آج اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ اس کے سراپے سے رنجیدگی لپٹی ہوئی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

جلد ہی جہاز بینظیر ائیر پورٹ اسلام آباد پر اتر گیا۔ وہ جہاز سے اتر کر کسٹم کی تفصیلات نمٹا کر باہر نکلا، آج پہلی بار اسے رسیو کرنے باہر ہال میں کوئی موجود نہیں تھا ورنہ ہمیشہ اس کا بوڑھا باپ واکر کو گھسیٹتا ڈرائیور کے ساتھ اسے لینے آتا تھا۔ اسے ائیر پورٹ سے نکلتے دیکھ کر اس کی بوڑھی آنکھیں جگمگا اٹھتی تھیں۔ وہ اسے گلے لگا کر بہت تپاک سے کہتا تھا۔

''میرا بیٹا آ گیا۔ راستے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔'' اسے اس وقت بوڑھے باپ کی وہ فکر اور اس کے بوڑھے وجود سے آتی مختلف ادویات کی باس بہت گراں گزرتی تھی۔ اس کا باپ ایک صاف ستھرا شخص تھا۔ مگر جنید کو لگتا تھا جیسے نجانے کیوں بڑھاپے کی ایک اپنی مخصوص باس ہوتی تھی جو اسے ہر بوڑھے وجود سے آتی محسوس ہوتی تھی۔ مگر آج پتا نہیں کیوں شدت سے اس کا دل کیا کہ وہ اپنے والد کے پاس سے آتی مختلف ادویات کی باس سونگھ سکے مگر شاید وہ بہت تاخیر کر چکا تھا۔ پردیسی دور دیسوں سے آتے آتے اتنی دیر کر دیتے ہیں کہ ان کی راہ تکتے تکتے ان کی منتظر بے خواب والدین کی آنکھیں موت کی سیاہ چادر اوڑھ کر ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتی ہیں۔ آج وہ پتھر دل نوجوان پتا نہیں کیوں حساس ہوئے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئی، اس کی آنکھوں میں ایک سیلاب سیل رواں بغاوت پر آمادہ تھا۔ وہ یہ حقیقت بخوبی جانتا تھا اس کے پیارے اماں ابا اب قبر نشین ہو چکے تھے۔ اس کا دل مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب سا گیا۔ آج اسے پہلی بار اپنا ملک بھی دیار غیر جیسا لگا۔ اس نے اپنی آنکھیں جھپکیں چند بیتاب آنسو بغاوت کر کے اس کے گالوں پر بہہ گئے۔ اس نے جلدی سے اپنے چہرے کو اپنی جیکٹ کی آستین سے صاف کیا۔ اس نے نروس انداز میں اردگرد دیکھا کہ کہیں کسی نے اس کی چوری تو پکڑ نہیں لی تھی۔ مگر اس کے اردگرد موجود ہجوم بے کراں کی توجہ اس پر ہرگز نہیں تھی۔ وہ ان سب میں گھرے ہونے کے باوجود بھی وہ تنہا ہی تھا۔ ہر شخص اپنے دور دیس سے آئے پیارے سے ملنے کے لئے بیتاب تھا۔ کئی لوگ باہر سے آنے والوں کے گلوں میں نرم و نازک پھولوں کے ہار بھی ڈال رہے تھے۔ کئی ہنستے مسکراتے لوگ اپنے مہمانوں سے مل کر سیلفیز بنا رہے تھے۔ وہ گھبرا کر تیز قدموں سے باہر کی جانب چل پڑا۔ تنہائی کی شدت اس کے دل و دماغ کو بری طرح متاثر کر رہی تھی۔ اچانک اس کی توجہ سامنے موجود ایک شناسا چہرے پر پڑی۔ اس نے من ہی من میں کوسا:

''اس مصیبت کو تو میں بھول ہی گیا تھا۔''

اس نے دوبارہ غور سے دیکھنا چاہا تو اسے صرف دور سے ایک سفید آنچل لہراتا نظر آیا وہ ہجوم میں گم ہو چکی تھی۔ وہ ایک لحظے کے لئے ششدر سا رہ گیا۔ وہ واقعی وہاں موجود تھی یا اس کے لاشعور کی پیداوار تھی۔ اس نے سر کو جھٹکا اور ایرپورٹ سے باہر کی جانب چل پڑا۔ وہ بوجھل قدموں سے باہر آیا اور ٹیکسی روک کر اسے اپنے گھر کا پتا بتایا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے پتا سن کر جھجکتے ہوئے کہا:

''باؤ! یہ علاقہ شہر سے باہر بہت دور ہے۔ آج کل ڈاکہ زنی بہت بڑھ گئی ہے۔ میں رات کے اس پہر شہر سے باہر ہرگز نہیں جاؤں گا۔ ویسے بھی دریا کے قریب چڑیلوں کا بسیرا ہوتا ہے۔''

جنید بے اختیار ہی ہنس پڑا مگر پھر اس نے محسوس کیا کہ ٹیکسی ڈرائیور واقعی خوفزدہ تھا۔ اس نے مجبوراً اسے پرل کانٹی نینٹل ہوٹل چلنے کے لئے کہا۔ پرل کانٹی نینٹل پہنچ کر اس نے ڈرائیور کو کرایہ دے کر رخصت کیا اور خود اندر کی جانب چل پڑا۔ ریسپشن پر پہنچ کر اس نے ایک رات کے لئے اپنے لئے کمرہ مختص کروایا۔ وہ کمرے کی چابی لے کر کمرے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ اسے اچانک کارپیڈور کے اختتام پر سفید آنچل لہراتا نظر آیا وہ جو کوئی بھی تھی مڑ چکی تھی۔ اس نے خود کو ڈپٹا اور خود کلامی کے انداز میں بولا: ''سفید رنگ کوئی اسی کی میراث تو نہیں ہے۔ شاید پاکستان واپس آ کر مجھے اس کی موجودگی کا احساس بار بار ہو رہا ہے ورنہ حقیقت تو یہی ہے کہ وہ میری زندگی میں کوئی اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ اس دفعہ اس کا قضیہ بھی نمٹا کر جاؤں گا۔ طلاق کا میڈل اسے پہنا کر ہی جاؤں گا۔ ایک ایک پیسے کو ترسے گی۔ بہت سال اس نے عیش کر لئے۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

جنید کی آنکھ صبح دیر سے کھلی۔ وہ جیٹ لیگ کی وجہ سے بے آرامی کا شکار رہا تھا۔ اس نے غسل مندی سے

انگڑائی لی اور پھر جمائیاں لیتا باتھ روم میں چلا گیا۔ شاور لینے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکلا۔ سب سے پہلے اس نے ڈائننگ ہال میں بیٹھ کر من پسند ناشتہ کیا اور پھر ہوٹل سے چیک آوٹ کر کے باہر نکل آیا۔ آج کا دن روشن اور چمکدار تھا۔ اوائل بہار کا آغاز تھا۔ ہوا میں پھولوں کی تازگی اور مہک رچی بسی ہوئی تھی۔ اس نے ہوٹل سے نکل کر ایک ٹیکسی لی اور راستے میں بیکری پر رکھ کر کچھ ضروری کھانے پینے کی اشیاء خرید لیں اور پھر ٹیکسی ڈرائیور کو اپنے گھر کا پتا بتایا۔ جلد ہی ٹیکسی شہر کی حدود سے باہر نکل گئی۔ ڈھائی گھنٹے کی مسافت کے بعد وہ اپنی منزل پر جا پہنچا۔ دریا کے کنارے واقع وسیع و عریض محل ''حورین ولا'' بہت اداس اور تنہا لگ رہا تھا۔ حورین ولا کے نام کی تختی دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔۔ اسے یاد آیا کہ چھ ماہ پہلے تک یہاں جنید ولا کی تختی لگی ہوئی تھی۔ اسے اپنی وہ آخری لڑائی اور اپنی کہی ہوئی وہ باتیں بھی یاد آگئیں جو اس نے اپنے بوڑھے والدین کو کہی تھیں۔ اسی کے نتیجے میں اس کے ابا نے اسے اپنی تمام جائیداد سے عاق کر دیا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں کوستے ہوئے کہا:

''یہ سب کچھ اس چڑیل کے باعث ہوا ہے۔ اس دفعہ اس چڑیل کو وہ سبق سکھا کر جاؤں گا کہ یاد کرے گی۔ عمر بھر خون کے آنسو روئے گی۔''

اس نے ارد گرد دیکھا دور دور تک کسی آبادی کا نام و نشان تک نا تھا۔ سرسبز و شاداب پہاڑوں میں گھرا دریا کے کنارے بنا سفید ماربل سے سجایا یہ محل ایک عجب نظارہ پیش کر رہا تھا۔ ڈرائیور نے اسے دیکھتے ہوئے کہا:

''بابو صاحب! آپ کی منزل آ گئی۔''

اس نے ہنکارا بھرا۔ اسے اس کے میٹر سے زیادہ رقم ادا کی اور سامان لے کر نیچے اتر گیا۔ اس نے مین گیٹ پر لگی بیل بجائی اور پھر گیٹ کو دھکیلا اسے دیکھ کر حیرت ہوئی گیٹ کھلا تھا۔ وہ بلا جھجھک اندر داخل ہو گیا۔ محل کا ڈرائیو وے چمک رہا تھا۔ پجیرو اور ٹویوٹا اس پر پارک تھیں۔ اس نے ٹھنڈا سانس لیا اور مین گیٹ بند کر کے اندر کی جانب چل پڑا۔ اچانک اس کی توجہ باغ کی جانب مرکوز ہو گئی۔ اس نے دیکھا محل کا باغ کچھ بے ترتیبی کا شکار تھا مگر رنگ برنگے پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ مختلف قسم کے پھولوں کی خوشبو سے ہوا بوجھل تھی۔ وہ بے اختیار ہی باغ کی جانب چل پڑا۔ وسیع و عریض رقبے پر پھیلے ہوئے باغ میں گھومتے پھرتے اس کی توجہ باغ کے آخری کونے میں بنی قبروں پر مبذول ہو گئی انھیں دیکھ کر اس کا دل ڈوب سا گیا۔ دو قبریں ایک دوسرے کے قریب قریب بنی ہوئی تھیں۔ ان قبروں پر سرخ گلاب کے پودے لگے ہوئے تھے۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ یہ قبریں کن کی تھیں۔ وہ تھکے تھکے قدموں کے ساتھ قبروں کی جانب چل پڑا۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ اسے پردیس کی محبت نے ایسے اندھا کر دیا تھا کہ وہ سب کچھ بھلا بیٹھا تھا۔ وہ اپنے بوڑھے اور بیمار والدین کی منت و زاری کے باوجود انھیں اکیلا چھوڑ کر امریکا چلا گیا تھا۔ اس نے وہاں جا کر شہریت حاصل کرنے کی لالچ میں ایک گوری لڑکی جولیا سے شادی بھی کر لی تھی۔

سال پر سال گزرتے گئے اس کے والدین ضعیف سے ضعیف تر ہوتے گئے۔ اس کے واپس آنے کی امید کا دیپ جلائے اس کے والدین ہر سال اس کی واپسی کا تقاضا کرتے وہ انھیں چند دن وزٹ کر کے بہلاتا اور پھر اپنے خوابوں کی جنت امریکا واپس لوٹ جاتا۔ اس کے دل پر ایک نامعلوم پچھتاوے کا بوجھ بڑھ سا گیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر اپنے والدین کی قبروں پر فاتحہ پڑھی۔ اس نے دیکھا ایک کونے میں موتیے کے پودے اور سفید گلاب کے پودے خودرو اگ چکے تھے۔ پودے پھولوں سے بھرے ہوئے تھے۔

اس کی چشم تصور کے سامنے یکا یک سفید لباس میں ملبوس میں حورین آ گئی۔ اسے یاد آیا کہ آخری بار اس کے منہ سے نکلے الفاظ سن کر اس کی آنکھوں میں طغیانی آ گئی تھی، اس کی غزالی آنکھوں سے نکلتی آنسوؤں کی لڑیاں دیکھ کر نجانے کیوں اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے سچے موتیوں کی مالا ٹوٹ کر بکھر گئی تھی۔

ایک دم سے کوئی پرندہ زور سے بولا اور وہ ایک دم سے ہوش میں آ گیا۔ اس کا دل نجانے کیوں ملول سا ہو گیا تھا مگر اس نے خود کو ڈپٹا اس کے نزدیک تمام باتوں کی ذمہ دار وہی چڑیل حورین تھی۔۔ وہ پلٹ کر محل کی مرکزی عمارت تک پہنچا ہی تھا کہ صدر دروازہ خود بخود ایک چرچراہٹ سے کھل گیا۔ اسے تعجب ہوا۔ وہ اندر داخل ہوا تو ایک لمحے کے لئے حیران سا ہو گیا۔ محل کی اندرونی حالت بھی زبردست تھی۔ محل ہمیشہ کی طرح اندر سے صاف ستھرا تھا۔ وہ ایک تعجب کے عالم میں آگے بڑھا۔ اچانک اسے یاد آیا کہ منشی لال دین کو اس نے اپنی واپسی کی اطلاع دی تھی۔ اس نے سوچا: ''منشی صاحب نے پرانے وفادار ہونے کے ناطے یہ ذمہ داری نبھائی ہے۔''

وہ بغیر ہچکچاہٹ کے اندر داخل ہو گیا۔ وہ سیدھا اپنی خواب گاہ میں گیا۔ اس کی خواب گاہ جانی پہچانی خوشبو سے مہک رہی تھی۔ اس کی کشادہ پیشانی پر سلوٹیں آ گئیں۔ اس کی نظر سامنے دیوار پر لگے پورٹریٹ پر مبذول ہو گئی۔ اس کے اعصاب تن سے گئے۔ چار سال پہلے اس کے والدین نے زبردستی اس کی شادی ایک یتیم بے سہارا لڑکی حورین سے کر دی تھی۔ یہ پورٹریٹ اسی دن بنایا گیا تھا۔ وہ بے اختیار ہی پورٹریٹ کے قریب جا کھڑا ہوا۔ پورٹریٹ میں بھی اس کی بے اعتنائی اور بے زاری صاف نظر آ رہی تھی

اس کی نظر حورین پر مبذول ہو گئی۔ وہ واقعی میں بہت خوبصورت دلہن تھی۔ سرخ رنگ کے لہنگے میں ملبوس وہ آسمان سے اتری کوئی اپسرا ہی لگ رہی تھی۔ اس کی حیا آلود نظریں پورٹریٹ میں بھی جھکی ہوئی تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر ایک شرگیں سی مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی۔ اسے اس مہکتی رات کی تفصیل یاد آ گئی۔ اس کے ماتھے پر پسینہ سا آ گیا۔ اس نے اپنے آپ کو کوستے ہوئے سوچا:

میں اتنا کمزور کیوں ہو گیا تھا؟

حورین کے الوہی حسن نے مجھے چاروں شانے چت کر دیا تھا۔ میں اس کی قربت اور تنہائی سے پگھل کیوں گیا تھا؟

ہمیشہ اس کا ساتھ مجھے پگھلا کیوں دیتا ہے؟

اس خوبصورت چڑیل کی قربت ہمیشہ مجھے مدہوش کیوں کر دیتی ہے؟''

اچانک اس کے خیالات کا تانا بانا کسی کی آمد سے منتشر ہو گیا۔ وہ پلٹا اس نے دیکھا وہ دشمن جان دروازے کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ اس نے حسب معمول سفید لباس پہنا ہوا تھا۔ اس کی دراز سیاہ زلفیں کھلی ہوئی تھیں۔ اس کی دراز زلفوں کے باعث ہی وہ اکثر اسے چڑیل کہہ کر پکارتا تھا۔ وہ شکوہ کناں سی نگاہوں سے اسے تکتی رہ جاتی تھی۔ اس نے سر پر دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔ اس کا سراپا ایک سیاہ چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ وہ اس کی موجودگی سے گھبرا سا گیا۔ جنید نے ہمت کر کے کھنکھارتے ہوئے کہا: ''مجھے اماں ابا کی وفات پر بے حد افسوس ہوا ہے۔''

حورین نے اپنی کجراری سیاہ آنکھیں اٹھائیں اس کی آنکھوں میں ایک دنیا آباد تھی۔ ان میں آنسوؤں کے ساتھ کیا کچھ نہیں تھا۔ شکوے، ارمان، بے بسی اور غم و الم۔ وہ اپنے آپ میں سمٹ سا گیا۔ حورین نے آہستہ سے کہا: ''آپ کو میرے وجود سے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ کھانے کی ٹیبل لگ گئی ہے۔''

یہ کہہ کر وہ دبے پاؤں پلٹ گئی۔ وہ اپنی خجالت چھپاتا ڈائننگ ہال کی جانب چل پڑا۔ اس نے دیکھا میز پر نفاست سے کھانا چنا ہوا تھا۔ اس نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ جیٹ لیگ کے باعث اسے غنودگی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کھانا ختم کر کے آرام سے جا کر سو گیا۔ وہ شام ڈھلنے کے بعد اٹھا اور فریش ہو کر باہر باغ میں چلا آیا۔ اس نے دیکھا لان میں چیئر زلگی ہوئی تھیں۔ اس نے چیئر زپر بیٹھ کر کچھ دیر خوبصورت مہکتی رات کی تازگی کو محسوس کیا۔ پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہ کافی دور پیپل کے درخت کے نیچے آ کھڑا ہوا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا یہ درخت شاید ایک صدی پرانا تھا۔ اسے یاد آیا کہ جب اس کے دادا ابا نے یہ زمین محل بنانے کے لئے خریدی تھی تو اس درخت کو نا گرانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ پرانے درختوں پر اکثر مختلف مخلوقات کا بسیرا ہوتا ہے۔ وہ یہی کہتے

تھے کہ میں کسی کا مسکن یا گھر اس سے نہیں چھیننا چاہتا۔ اس نے اپنا سر جھٹکا اور ہنس پڑا۔ جیب سے سیل فون نکالا اور ٹہنیوں سے چھن چھن کر آتی روشنی میں رئیل اسٹیٹ ایجنٹ کا نمبر ملایا۔ چند گھنٹیوں کے بعد اس نے فون اٹھا لیا۔ اس نے اسے ہدایات دیتے ہوئے کہا:

''بھٹی صاحب! میں جلد از جلد محل اور تمام دیگر جائیداد کو بیچ کر رقم امریکن ڈالروں میں بدل کر واپس امریکہ جانا چاہتا ہوں۔ جولیا میری منتظر ہے۔''

بھٹی صاحب کا جواب سن کر اس کا موڈ خوشگوار ہوگیا۔ اس نے اگلا فون اپنے خاندانی وکیل نظامی صاحب کو ملایا، نظامی صاحب سے بات کرتے کرتے اس کا چہرہ شکنوں سے پر ہوگیا۔ وہ بے یقینی سے بولا:

''ابا جی ایسے کیسے کر سکتے ہیں؟

میں ان کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ ان کا وارث وہ مجھے کیسے میرے حق سے محروم کر سکتے ہیں؟

میں اس چڑیل سے ہرگز نہیں ہارنے والا۔''

وکیل کا جواب سن کر وہ سکتے میں آ گیا۔ اس نے فون بند کیا اور زیر لب گالیاں بکنے لگا۔ وہ فون بند کر کے پلٹا ہی تھا کہ اچھل پڑا۔ اس کے بالکل پیچھے ایک عورت کھڑی تھی۔ اس عورت نے سرخ اور سیاہ رنگ کا گھاگرا چولی پہنا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر روایتی چاندی کا زیور نظر آ رہا تھا۔ اس کا چہرہ گھونگھٹ میں چھپا ہوا تھا۔ جنید نے اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے کہا: ''کون ہو؟''

وہ ٹھہری ہوئی سرد سی آواز میں بولی:

''منے چھوڑ! اپنی بات کر تنے کھبر بھی رہی ہے تو کون ہے؟''

تو جو کرن چاہے اے نیائے نہیں انیائے ہے۔ چڑیل وہ نہیں تو ہے جو اپنے دشمن کو ختم کرنا چاہے۔

اس کا لہجہ کچھ جتاتا ہوا کچھ باور کرواتا ہوا تھا۔ جنید کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اسے لگا جیسے وہ اس کا دماغ پڑھ رہی تھی۔ وہ چاند کی دودھیا روشنی میں بہت پراسرار سی لگ رہی تھی۔ جنید نے اپنے دل کی تیز ہوتی ہوئی دھڑکن کو سنبھالتے ہوئے کہا:

''ہو تو نوکرانی بن کر رہو۔ اپنی حیثیت سے اونچی باتیں مت کرو۔''

وہ عورت اچانک قہقہہ لگا کر ہنس پڑی اور بولی:

''ماری حیثیت تو کچھ بھی نہیں۔ پر حورین بٹیا کا کیا تنے سوچا؟''

اس کے سر سے چھت چھیننے کے لئے تنے منصوبہ بنایا ہے؟

''اسی واسطے دور پیپل کے نیچے پھون کرن آیا۔''

جنید کو اچنبھا سا ہوا ایک عام سی نوکرانی اس کے دل کا میل بھانپ گئی تھی۔ اس نے رخ موڑتے ہوئے کہا: ''میرا آبائی گھر ہے۔ مجھے وراثت میں ملا ہے۔ میری جائیداد ہے میری مرضی اس سے جو مرضی کروں۔ دنیا کی کوئی وصیت مجھ سے میرا حق نہیں چھین سکتی۔''

وہ مڑا اور متحیر سا ہوگیا۔ نوکرانی جا چکی تھی۔ وہ پیپل کے نیچے تنہا کھڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر نظر دوڑائی مگر نوکرانی کا دور دور کوئی نام و نشان تک نہیں تھا۔ وہ غیض و غضب سے بھرا محل کی عمارت کے جانب چل پڑا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی حورین کو زور زور سے آوازیں دینی شروع کر دیں۔ حورین گھبرائی ہوئی اس کے سامنے آئی۔ اس نے بیدردی سے اس کے جسم کے گرد لپٹی چادر کھینچ لی۔ اس کی آنکھیں تحیر کے عالم میں پھیل گئیں۔ حورین کا جسم وہ سچ بتا رہا تھا جو وہ سننا نہیں چاہتا تھا۔ حورین روتے ہوئے بولی:

آپ کو بتانا چاہتی تھی۔ مگر آپ ایسے خفا ہو کر گئے کہ مڑ کر نہیں دیکھا۔ ابا جی اور اماں نے یہ فیصلہ آپ کو جائیداد سے محروم کرنے کے لئے نہیں کیا۔ بلکہ یہ فیصلہ آپ کو ہم سے جوڑنے کے لئے کیا۔ ڈاکٹر کے مطابق بچے جڑواں ہیں اور تڑواں بھی ہو سکتے ہیں۔ آپ بتائیں میرا اور بچوں کا کیا قصور ہے؟

میں اکیلے کیسے ان بچوں کو پال سکوں گی؟''

وہ سسک سسک کر روتے ہوئے بولی:

''ابا جی نے یہ جائیداد میرے نام اور میرے بعد بچوں کے نام کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ انھوں نے بطور تحفہ یہ

جائیداد اور محل میرے نام زندگی میں کروادیا تھا۔ اب اگر آپ ہمیں چھوڑ کر جائیں گے تو ایک روپیہ بھی حاصل نہیں کر پائیں گے۔"

جنید نے بے بس ہو کر اس خوبصورت چڑیل کی جانب دیکھا۔ اس کے والدین نے اس لڑکی کے ساتھ مل کر اس کے ارادوں کو چوپٹ کردیا تھا۔ وہ تو جولیا کے ساتھ ورلڈ ٹور کرنے کا پروگرام بنائے بیٹھا تھا۔ اس نے جولیا سے ہیروں کے سیٹ کا بھی وعدہ کیا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ہار تسلیم نہیں کرے گا۔ اس نے اچانک پینترا بدلتے ہوئے نئی حکمت عملی آزمانے کا فیصلہ کیا۔ اسے حقیقت میں حورین کے بے ڈھب وجود سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے نفرت کو دباتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا: "تم نے مجھے وہ خوشی دی ہے جو جولیا بنجر ہونے کے سبب مجھے نہیں دے سکتی تھی۔ باپ بننے کا احساس ہی بہت خوشگوار اور خوبصورت ہے۔"

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی، اسے بچے بالکل پسند نہیں تھے۔ وہ مغرب میں رہتے رہتے اسی رنگ میں رنگ چکا تھا۔ اس کی زندگی شراب و کباب، ناچ گانے سے عبارت تھی۔

یہ سن کر حورین روتے روتے چپ ہوگئی۔ وہ خوشی سے بیحال ہوتے ہوئے بولی:

"سچ کہہ رہے ہیں؟

آپ مجھے اور بچوں کو اپنالیں گے؟"

جنید نے دل ہی دل میں اسے کوستے ہوئے سوچا: "تیرے اور تیرے ہونے والے سنپولیوں کے بس میں میری کروڑوں کی جائیداد ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے تجھے بیوقوف بنانا بہت ضروری ہے۔"

چہرے پر شاطر مسکراہٹ سجاتے ہوئے اسے گلے لگاتے ہوئے اس نے کہا:

"ہاں جان بالکل۔"

حورین اس کے کاندھے پر سر رکھ کر رو پڑی۔ اس نے بہت پیار سے اس کا سر سہلایا۔ حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کے سر کو پاش پاش کر ڈالے۔

آنے والے دن حورین کی زندگی کے خوبصورت ترین دن تھے۔ جنید کی محبت اور وارفتگی نے اسے حسین بنا دیا تھا۔ اب وہ رنگ برنگے ملبوسات زیب تن کرتی۔ ہر وقت ہنستی مسکراتی رہتی۔ شادی کے پانچویں سال آخر کار اسے اپنے پیا کا پیار اور توجہ مل گئی تھی۔ اس کا نواں مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر نے آخری الٹراساؤنڈ میں تڑواں بچوں کی خوشخبری کی تصدیق کردی تھی۔ حورین بہت خوش تھی اسے لگتا تھا جیسے کہکشاں اس کے پیروں تلے آگئی تھی۔

جنید نے نوٹ کیا تھا کہ حورین اکثر پیپل کے درخت پر ڈلی پینگ پر جا بیٹھتی تھی۔ اسے اکثر ایسے محسوس ہوتا جیسے وہ کسی سے باتیں کررہی ہوتی تھی مگر اس کے آنے پر خاموشی اختیار کرلیتی تھی۔ اسے کبھی بھی وہاں کوئی ذی روح نظر نہیں آیا تھا۔ ایک دو دفعہ اس کے پوچھنے پر وہ شوخی سے بولی:

"بقول آپ کے میں چڑیل ہوں تو چڑیلوں سے ہی گپ شپ کروں گی نا؟"

اس کی بات کو اس نے مذاق میں اڑادیا۔

ایک رات کھانے کے بعد وہ باہر آیا تو اس نے دیکھا حورین زور و شور سے گنگناتے ہوئے پینگ لینے میں مصروف تھی۔ چاندنی رات میں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا جھولا چاند کو چھو رہا تھا۔ جنید کے ذہن میں اچانک منصوبہ بنا۔ اس نے سوچا:

"اتنے وزن کے ساتھ حورین اونچے جھولے سے گر جائے تو اس کی موت بھی واقع ہوسکتی ہے۔"

اس نے اپنے منصوبے کو عملدرآمد کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ دبے پاؤں اس کی پشت کی جانب بڑھا اس نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس کے رونگٹے خوف سے کھڑے ہوگئے۔ کہیں سے اچانک گھاگھرے والی ہندو نوکرانی اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ اس کے ہونٹوں سے جھانکتے سفید دانت اور اس کے تیور اسے خوفزدہ سا کر گئے۔

اس کا ہاتھ بے جان سا ہوگیا۔ اسی اثناء میں حورین کو اس کی موجودگی کا احساس ہوگیا۔ وہ جھولا آہستہ

کرتے ہوئے بولی:

"آپ! کب باہر آئے؟"

جنید نے مسکراتے ہوئے جھولا روکا اس نے مڑ کر دیکھا۔ ہندو نوکرانی کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

اس نے فارمیسی سے وہ مطلوبہ دوا لیتے وقت مسکرا کر کہا۔

"یار شکیل تجھے یقین ہے کہ میرا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

شکیل نے دوا خاکی لفافے میں ڈالتے ہوئے کہا:

"چڑیل کا سارا جسم مفلوج ہو جائے گا۔ اس کے رحم میں آکسیجن اور خون کی سپلائی رک جائے گی۔ اس طرح بچے پیدا ہونے سے پہلے ہی جان سے گزر جائیں گے۔ وہ خود معذور ہو جائے گی۔"

جنید نے مسکراتے ہوئے لفافہ پکڑا اور گنگناتے ہوئے گھر کی سمت گاڑی موڑ لی۔ گھر پہنچتے ہی اس نے فوراً باورچی خانے میں جا کر دو گلاس تازہ جوس کے بنائے۔ اس نے اردگرد دیکھا اور پھر دوا کی ساری مقدار ایک گلاس میں ڈال دی۔ اس نے چمچ ہلاتے ہوئے پرخیال انداز میں سر ہلایا اور بولا:

"بی بی! تجھے جانے سے پہلے کسی چوراہے پر بھیک مانگنے کے لئے ضرور بٹھا کر جاؤں گا۔"

اس نے حورین کو آوازیں دینی شروع کر دیں۔ حورین محل میں نہیں تھی۔ وہ اسے ڈھونڈتا ہوا باہر چلا آیا۔ اس نے دیکھا وہ حسب معمول چاندنی رات میں پیپل کے درخت کے نیچے کھڑی کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ اس کے مخاطب کو وہ نہیں دیکھ پایا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا اس کے پاس پہنچا تو یہ دیکھ کر ٹھٹک کر رہ گیا۔ وہ تنہا کھڑی تھی۔ اس نے الجھے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"تم اکیلی کھڑی کس سے باتیں کر رہی تھی؟"

وہ مسکرا کر بولی:

"اسے نہیں۔ میں تو گنگنا رہی تھی۔"

"آیئے! بیٹھیں! آج میں نے مالی سے کہہ کر یہاں کرسیاں لگائی ہیں۔"

جنید نے سوچتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور ٹرے میز پر رکھ دیا۔

وہ مسکراتے ہوئے بولی:

"آپ کو کیسے پتا چلا کہ میرا انار کا جوس پینے کو من کر رہا تھا؟"

جنید اپنی دلی نفرت چھپاتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا:

"تم پر تین جانوں کا بوجھ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری بیوی اور بچے صحت مند رہیں۔"

حورین مسکراتے ہوئے بولی:

"آپ کتنا بدل گئے ہیں۔ آپ کو کتنا ہم سے پیار ہے۔"

جنید کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ حورین چہکتے ہوئے بولی:

"وہ سامنے سے لیموں بھی توڑ کر لے آئیں۔ میرا بہت من کر رہا ہے کہ لیموں کو جوس پر نچوڑ کر پیوں۔"

جنید ہر صورت میں حورین کو وہ جوس پلا کر چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ بادل ناخواستہ اٹھا اور لیموں کے درخت کی جانب چل پڑا۔ وہ لیموں توڑ کر واپس آیا تو اس نے دیکھا حورین جوس پینے میں مصروف تھی۔ خوشی سے اس کا دل اچھل پڑا۔ مگر بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ بیٹھ گیا اور جوس کا گلاس پکڑ کر سپ لیتے ہوئے بولا:

"لیموں کا ارادہ ترک کر دیا؟"

حورین بے پروائی سے بولی:

"اب دل نہیں کر رہا۔"

جنید کو بس ابھی یہی غرض تھی کہ حورین جلد از جلد جوس پی لے۔ اس نے بے صبری سے اپنا جوس ختم کیا اور بولا:

محسوس کر رہی ہو حورین؟"

حورین مسکراتے ہوئے بولی:

"آپ جیسے محبت کرنے والے شوہر کے پلائے ہوئے جوس نے طبیعت بشاش تو کرنی تھی۔"

جنید نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ اچانک اس کی نظر پیپل کے درخت کی ٹہنیوں پر جا ٹکی۔ اس نے دیکھا بے شمار گھاگھروں والی لمبے بالوں والی عورتیں اس کی ٹہنیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے سفید دانت اور سفید آنکھیں انتہائی خوفناک لگ رہیے تھے۔ وہ اس کی جانب انگلیاں اٹھا اٹھا کر اشارے کررہی تھیں۔ اس نے چیخنا چاہا مگر اس کی آواز بند ہوگئی۔ اس کا جسم بیجان ہوتا جارہا تھا۔ اس کا دوران خون سست پڑتا جارہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام چڑیلیں درخت سے نیچے اتر آئیں۔ اب انہوں نے اس کے گرد گھیرا بنالیا۔ اب وہ سب باآواز بلند گارہی تھیں۔

اکڑ بکڑ بمبے بو۔
اسی نوّے پورے سو۔
سو میں سے نکلا دھاگہ۔
قاتل اٹھ اور بھاگ جا!

جنید نے اضطراری طور پر اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر اس کی آنکھوں کے آگے نیلے پیلے دھبے ناچ گئے۔ وہ دھپ سے منہ کے بل گر پڑا۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھٹ گئی تھیں۔

حورین مسکرا کر اس کے پاس آبیٹھی اور گھاگرے والی چڑیلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی:

"انورادھا دیدی اور اس کا پریوار ہے۔ انو دیدی تو تجھ جیسے بے وفا اور پاپی کا کلیجہ چبانا چاہتی تھی۔ مگر میری محبت کے آگے بے بس ہوگئی۔"

انورادھا نامی وہ عورت اس کے سرہانے بیٹھ کر بولی: "تنے کیا کھبر؟"

تو ہے غلط فہمی نے مارا کہ حورین اکیلی ہے۔ ہم تو کسی صورت حورین بٹیا کو نقصان پہنچانے نہیں دیں گے؟

ایسا کیسے تو نے گمان کیا؟

تو اسے جان سے مارنا چاہے گا اور ہم تماشائی بنیں رہیں گے؟"

جنید کا جسم اور چہرہ سن ہوتا جارہا تھا۔ وہ بدقت بولا: "چڑیلوں نے کیا میرے ساتھ کیا ہے؟ مجھے کیا ہورہا ہے؟"

حورین نے اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا:

"وہی جوس تمھیں پلا دیا جو تم میرے اور ہمارے بچوں کو مارنے کے لئے بنا کر لائے تھے۔"

جنید کی آنکھیں دہشت سے پھٹ گئی تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی آواز میں بولا:

م مجھے اب۔۔۔۔ اسپتال لے جاؤ۔ خدارا!"

اس کی زبان بھی اب لڑکھڑا رہی تھی۔

انورادھا نے مسکراتے ہوئے اس کے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔ جنید کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ وہ گھگھایا۔

حورین مسکراتے ہوئے بولی:

"مروگے نہیں۔ صرف اپاہج بن کر میرے ساتھ اور بچوں کے ساتھ اپنی باقی ماندہ زندگی بسر کروگے۔ یہی تمھاری سزا ہے اور قدرت کا انصاف ہے اگر چہ تم میرے بچے مار کر مجھے چوراہے پر بھیک منگوانے کے لئے بیٹھانے والے تھے۔

مگر میں تمھاری طرح ظالم نہیں۔"

جنید نے چیخنا چاہا مگر اس کی زبان بھی اس کے جسم کے ساتھ ساتھ اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

حورین جھولے پر بیٹھ کر گنگنا رہی تھی۔

صنم! ادھر چاند نی میں ہم تم ملے
تو ویرانے میں بھی آجائے گی بہار۔
جھومنے لگے گا آسمان۔۔۔
جھومنے لگے گا آسمان۔۔۔

جنید نے تھک کر آنکھیں موندلیں وہ جانتا تھا کہ اب وہ تاعمر اس قید کو بھگتنے والا تھا۔ اس کے تیار کردہ زندان کا باسی اب وہ خود تھا۔

سرپرائز

ساجد بشیر۔میانوالی

یکدم باریک لباس میں ایک نسوانی وجود نمودار ہوا اس کے لبوں سے سریلی گیت نکلا اور پھر وہ برقی لہریں بن کر مدھوش کرنے والے رقص کرنے لگی جو جن کی مثال تھی کہ......

جو کسی کی بات کو اہمیت نہیں دیتے وہ بھیانک انجام کے حقدار...... ہوتے...... ہیں

''**رسل** کل ویلنٹائن ڈے پر کیا کر رہے ہو؟'' ایک آدمی نے پرکشش نیلی آنکھوں والے نوجوان کو مخاطب کرکے کہا۔

''اپنے اپارٹمنٹ میں بیٹھ کر پیزے کے ساتھ بیئر پیوں گا اور ایک اچھی مووی دیکھ کر سو جاؤں گا۔'' رسل نے آفس سے باہر آتے ہوئے کہا۔

''کیا بات کررہے ہو یار، تم جیسا ہینڈسم نوجوان ایسے دن بھلا لڑکیوں سے دور کیسے رہ سکتا ہے۔'' آدمی نے حیران ہوکر کہا۔

''تم غلط کہہ رہے ہو۔ میں ہمیشہ ہی لڑکیوں سے دور رہتا ہوں۔ اب اگر لڑکیاں میرے پیچھے پڑجائیں تو اس کی گارنٹی میں نہیں دے سکتا۔'' رسل نے آفس کا مین ڈور کراس کرتے ہوئے کہا۔

''تمہیں تین سال پہلے کا ویلنٹائن ڈے یاد

ہے؟'' اس کی بات سن کے رسل کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

''سوری میں یہ بات نہیں کہنا چاہتا تھا بس جلدی میں منہ سے نکل گیا۔'' آدمی نے معذرت خواہ لہجے میں کہا۔

''کوئی بات نہیں میں نے برا نہیں منایا۔'' رسل نے کہا تو وہ آدمی چلتا ہوا وہاں سے چلا گیا جبکہ رسل پارکنگ ایریا کی جانب بڑھ گیا۔ پارکنگ سنسان پڑی تھی۔ شام کا اندھیرا پھیلنے کو تھا اور آفس میں چند لوگ ہی اوور ٹائم ڈیوٹی کر رہے تھے۔ پارکنگ میں چند ایک گاڑیاں ہی موجود تھیں۔ وہ ایک بلیو کلر کی نسان GRT کار کی جانب بڑھا۔ اس نے الیکٹرونک کی کا بٹن دبایا تو الارم کی ٹون کے ساتھ ہی گاڑی اَن لاک ہوگئی۔ اس نے کار کا فرنٹ ڈور کھولنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ اسے ونڈو مرر میں اپنے پیچھے کسی کا عکس نظر آیا اُس نے مڑ کر دیکھنا ہی چاہا تھا کہ اس کے سر کے پچھلے حصے پہ زوردار ضرب پڑی تو وہ بے ہوش ہو کے گرتا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

اس کے کانوں میں لوگوں کی آوازیں پڑیں تو اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ اس نے جب آنکھیں کھولیں تو اسے سوائے دھند کے کچھ نظر نہ آیا۔ پھر آہستہ آہستہ کر کے دھند کے بادل چھٹنے لگے تو اسے اپنے سر کے پچھلے حصے میں درد کا احساس ہوا۔ اس نے اپنے سر پے ہاتھ رکھنا چاہا مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس کے ہاتھ پاؤں حرکت نہیں کر رہے تھے۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ کرسی پر رسیوں کی مدد سے جکڑا ہوا تھا۔ ''تو تمہیں ہوش آ گیا؟'' اس کے سامنے موجود کرسی پہ ایک لڑکی جو جینز، اَپر کے ساتھ پاؤں میں ہیوی ڈِگر پہنے ہوئے تھی۔ اَپر کا ہڈ اس نے سر پر رکھا تھا کیونکہ ہڈ بہت بڑا تھا اور جس کی وجہ سے اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا سوائے اس کے گلابی ہونٹوں اور سیاہ بالوں کے علاوہ۔

''کون ہو تم؟'' رسل نے خود کو رسیوں کی بندش سے آزاد کرانے کے لئے کوشش کرتے ہوئے کہا۔ مگر بندش اتنی سخت تھی کہ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہل پایا تو لڑکی نے ہڈ اپنے سر سے ہٹا دیا۔

''کیری لین.....؟'' رسل نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔ ''شکر ہے تمہیں ابھی تک اپنی ایکس وائف کا نام یاد ہے۔'' سامنے موجود لڑکی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''لگتا ہے اب اس کا حافظہ تیز ہو گیا ہے ورنہ تو پہلے یہ اکثر باتیں بھول جایا کرتا تھا۔'' اس کی پشت پر سے آواز آئی مگر بندھا ہونے کی وجہ سے وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے سے قاصر تھا۔ پھر بولنے والی شخصیت اس کے سامنے آئی تو وہ مارے حیرت کے دنگ رہ گیا۔ سرخ بال، لمبا قد، لونگ شرٹ اور لونگ بوٹ کے ساتھ اس کی سڈول ٹانگیں نیم عریاں تھیں۔ ''میرا نام نہیں لو گے؟'' لڑکی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''کارلی یہ سب کیا ہے؟'' رسل نے کھوئے کھوئے لہجے میں اسے کہا۔

''تو تمہیں اب تک معلوم نہیں ہوا کہ یہ سب کیا ہے؟'' کیری لین نے تلخ لہجے میں کہا۔

''میری جان تم اغوا ہو چکے ہو۔'' کارلی نے مصنوعی انداز سے لاڈ بھرے لہجے میں کہا۔

''میں نہیں جانتا تم دونوں کی اس حرکت کا کیا مطلب ہے لیکن اگر یہ مذاق ہے تو یہ تم دونوں کو مہنگا پڑے گا۔'' رسل نے کہا تو کیری لین اپنی چیئر سے اٹھی اور ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر رسید کر دیا۔ تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ رسل کا منہ دوسری جانب گھوم گیا۔

''سستے کا شوق تو مجھے بھی نہیں ہے اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' کیری لین نے غراتے ہوئے کہا۔ جبکہ رسل خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔

''کیا تم جانتی ہو کہ Us میں کڈنیپنگ کی کیا سزا ہے؟ تمہاری پوری عمر سلاخوں کے پیچھے گزر جائے گی۔'' رسل نے غصے سے کہا۔

''ایسا تب ہوگا جب تم یہاں سے زندہ

واپس جاؤ گے۔''

کارلی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''تو کیا تم دونوں مجھے مارنے والی ہو۔'' رسل نے ہنس کے کہا۔

''نہیں ہم تمہیں اتنی آسانی سے نہیں ماریں گے۔ تمہیں اتنا تڑپائیں گے کہ تم خود ہم سے موت کی بھیک مانگو گے۔'' کارلی نے کہا اور کمرے کے کونے میں موجود ایک بڑے سائز کا بریف کیس اٹھایا اور اس کے سامنے زمین پہ رکھ کے اسے کھولا۔ تو رسل کے چہرے پر خوف طاری ہوگیا۔ کیونکہ اس میں عجیب و غریب قسم کے اوزار تھے۔ جن میں زنبور، چھوٹی بڑی سائز کی چھریاں اور چاقو ایک فٹ کا چمکدار خنجر اور مختلف سائز کے کٹر موجود تھے۔

''یہ سب کیا ہے؟'' رسل نے مارے خوف کے کہا۔

''یہ سب تم پہ ایکسپر یمنٹ (تجربہ) کرنے کے کام آئیں گے۔''

کیری لین نے مسکرا کر کہا۔ اس سے پہلے کہ رسل کچھ بولتا۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور پھر سیاہ اسکرٹ، وائٹ شرٹ اور سیاہ رنگ کی اونچی ہیل پہنے سنہری بال اور معصوم چہرے پر چوکور فریم کا چشمہ لگائے ایک لڑکی اندر داخل ہوئی اور دروازہ بند کرکے بولی۔ ''کیا میں نے کچھ مس کیا؟'' لڑکی نے تجسس بھرے لہجے میں کہا۔

''تم لیٹ ہو'' کیری لین نے سخت لہجے میں کہا۔

''ہاں وہ میں ٹریفک میں پھنس گئی تھی سوری۔''

لڑکی نے معصومیت سے کان پکڑتے ہوئے کہا۔

''ریچل کیا تم بھی ان کے ساتھ.....؟'' رسل نے حیرت سے مرجانے والے انداز میں کہا۔

''ابھی تو تمہیں حیرت کے اور بہت سے جھٹکے لگنے والے ہیں۔ مثلاً تم اس وقت جس جگہ موجود ہو یہ تمہارا ہی عشرت کدہ ہے یعنی تم اس وقت اپنے ہی فارم ہاؤس کے ایک کمرے میں قید ہو۔'' کارلی نے طنز والے لہجے میں کہا۔

''میں اب تک یہ نہیں سمجھ پایا کہ مجھے اس طرح سے یہاں لانے کا مقصد کیا ہے۔''

''پوچھ تو ایسے رہے ہو جیسے تم کچھ جانتے ہی نہیں۔'' ریچل نے پہلی بار اس سے مخاطب ہوکے کہا۔

''ہاں میں واقعی نہیں جانتا کہ آخر میں نے ایسا کون سا گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے مجھے اس حال میں پہنچا دیا گیا ہے۔'' رسل نے بے چارگی سے کہا۔

''میں تمہیں بتاتی ہوں کہ تم نے کیا کیا ہے۔ تم نے میرے ساتھ شادی کی اور پھر مسلسل پانچ سال تک تم مجھے یہ جتاتے رہے کہ میں بچے پیدا نہیں کرسکتی اور میں پانچ سال تک مسلسل احساسِ کمتری کا شکار رہی مجھے لگا کہ میں تمہیں خوش رکھنے کے قابل نہیں ہوں۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ نقص مجھ میں نہیں تم میں تھا۔ تم اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں تھے۔'' کیری لین نے غصے سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم نے میرے ساتھ اپنی زندگی کے دو سال گزارے اور ان دو سالوں میں تم نے ہر طرح سے مجھے ٹارچر کیا۔ تم نے مجھے مارا سگریٹ سے جلایا اور اپنے دوستوں کے سامنے مجھے بولڈ ڈانس کرنے پر مجبور کیا اور یہ سب باتیں میں اس لئے سہتی رہی کیونکہ میرے پاس رہنے کے لئے اور کوئی جگہ نہیں تھی اور میری اس مجبوری کا تم نے جی بھر کے فائدہ اٹھایا۔'' کارلی نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میرے ساتھ جو تم نے کیا وہ تو تم نہیں بھولے ہوگے کیونکہ یہ کچھ عرصہ پہلے کی ہی بات ہے۔ میں تمہارے آفس میں تمہاری پرسنل سیکریٹری تھی۔ تم نے میرے ساتھ فزیکل ریلیشن بنایا۔ اس کے بعد تم نے مختلف بزنس مینز کے ساتھ سونے پے مجبور کیا تاکہ تمہیں ان کے ساتھ ڈیل کرنے میں آسانی پیدا ہو۔ میں نے تمہارے لئے یہ سب اس لئے کیا کیونکہ تم نے مجھے اپنے ساتھ کے برائیٹ فیوچرز دکھائے۔ مگر تمہاری اصلیت اس وقت میرے سامنے آگئی جب تم اپنی بچپن کی دوست لیسا گریس کے ساتھ ڈیٹ پر گئے۔'' ریچل نے چلا کے کہا۔

''یہ..... یہ کیا پاگل پن ہے۔ یہ سب مجھ پر الزامات ہیں۔'' رسل نے جلدی سے کہا۔

''تو کیا ہم سب جھوٹ بول رہی ہیں؟'' کیری لین نے سرد لہجے میں کہا۔

''نہیں میرے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ تمہارے ساتھ میں نے واقعی غلط کیا، مجھے تمہیں دھوکے میں نہیں رکھنا چاہئے تھا کہ میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوں۔ مگر یہ سب میں نے اس لئے کیا کیونکہ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے اس وقت لگا کہ اگر میں نے تمہیں سچ بتادیا تو تم مجھے چھوڑ کے چلی جاؤ گی۔'' رسل نے دکھی لہجے میں کہا۔

''یہ بکواس کررہا ہے کیری لین۔ اس کی باتوں میں مت آنا۔'' کارلی نے کہا۔

''اور ریچل یقین مانو تم مجھے ہمیشہ سے بہت پسند تھیں۔ میں تمہیں کبھی اپنے کسی خواب کو پورا کرنے کے لئے استعمال کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ جہاں تک تمہارا میرے بزنس پارٹنرز کے ساتھ سونے کی بات ہے تو یہ فیصلہ تمہارا اپنا تھا۔ تم نے یہ قدم مجھ سے بنا پوچھے اٹھایا تھا اور میرے پوچھنے پہ تم نے مجھے یہ کہا تھا کہ تم مجھے ایک کامیاب بزنس مین بنانے کے لئے کچھ بھی کرسکتی ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟'' رسل نے ریچل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو ریچل نظریں چرانے پر مجبور ہوگئی۔

''رہا سوال تمہارا کارلی تو تم ایک سائیکو بچ تھیں جو میرے گلے پڑگئی تھیں۔ میں نے تمہیں کبھی مارا نہیں۔ جلانا تو دور کی بات ہے تم خود ہی ہر وقت مجھ سے لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں۔ تمہیں ہر وقت شک کا دورہ پڑا رہتا تھا اور متعدد بار تم نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا اور ایک بار تو پاگل پن میں آکر تم نے مجھے سینے پہ بری طرح اپنے دانتوں کی مدد سے کاٹ لیا تھا۔ اگر تم دونوں کو میری بات پہ شک ہے تو میری شرٹ کے بٹن کھول کے اس زخم کے نشان دیکھ سکتی ہو۔'' رسل نے کہا تو کارلی نے زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ مارا۔

''گھٹیا انسان میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' کارلی نے بریف کیس سے چھوٹے سائز کا چاقو اٹھا کر رسل پہ وار کرتے ہوئے کہا۔ مگر کیری لین نے لپک کے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کارلی ہوش میں آؤ۔'' کیری لین نے اسے بازوؤں سے پکڑ کے کہا۔ مگر کارلی اس کے قابو میں نہیں آرہی تھی۔ اس کے چاقو والا ہاتھ حرکت میں آیا تو کیری لین کے منہ سے چیخ نکل گئی کیونکہ اس کا کندھا بری طرح سے گھائل ہوگیا تھا۔

کارلی کیری لین کی گرفت سے آزاد ہو کے رسل پہ وار کرنے ہی لگی تھی کہ اس کے سر پہ کسی نے کرسی ماری اور وہ گرگئی۔ رسل نے مارے خوف کے زمین پر پڑی کارلی کو دیکھا جبکہ ریچل کے ہاتھ میں کرسی ابھی تک موجود تھی۔ اس نے کرسی ایک جانب پھینکی اور جلدی سے کیری لین کی جانب لپکی۔

''کیری کیا تم ٹھیک ہو؟'' ریچل نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں، بس معمولی سا زخم ہے۔'' کیری لین نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں بینڈیج کردیتی ہوں۔'' ریچل نے جلدی سے کہا۔

''یہ بعد میں کرنا۔ پہلے اس کی خبر لو، کہیں یہ مر تو نہیں گئی۔'' کیری لین نے کارلی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تو ریچل نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

''نہیں یہ زندہ ہے۔ صرف بے ہوش ہوئی ہے۔'' ریچل نے کہا اور اس کے بعد وہ کیری لین کو اسپنچز لگانے لگی، اس نے جیسے ہی کیری لین کی پٹی کی ڈور بیل کی آواز سے کمرا گونج اٹھا اور ریچل اور کیری لین ایک دوسرے کو خوف زدہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔ پھر کیری لین بولی۔

''تم انہیں سنبھالو میں جا کر دیکھتی ہوں۔'' کیری لین نے کہا اور دروازہ کھول کے باہر نکل گئی۔ اس نے جیسے ہی مین گیٹ کا دروازہ کھولا سامنے دو پولیس

آفیسرز کھڑے تھے۔

''ہائے میڈم میں مارٹن ہوں اور میرے ساتھ آفیسر گریگ ہیں۔ یہاں سے گزرتے ایک شخص نے بتایا ہے کہ اس نے یہاں سے چیخ کی آواز سنی ہے۔''

''کیسی چیخ.....؟'' کیری لین دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔

''جیسے کوئی درد سے چلایا ہو۔'' آفیسر گریگ نے کہا۔

''نہیں یہاں ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔'' کیری لین نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''میم اگر آپ برا نہ منائیں تو ہم ایک بار اندر دیکھ سکتے ہیں؟'' آفیسر مارٹن نے کہا۔

''نہیں میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' کیری لین نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میم ہماری مجبوری ہے۔ ہمیں ایک بار اندر کا چکر ضرور لگانا پڑے گا۔ چاہے آپ اجازت دیں یا نہ دیں۔'' آفیسر گریگ نے قدرے سختی سے کہا تو کیری لین پریشانی میں اپنا ہونٹ کاٹنے لگی۔ دونوں آفیسرز اندر داخل ہوئے اور، پ ایک کر کے کمروں کو دیکھنے لگے۔ کیری لین کا دماغ مارے خوف کے سن ہو چکا تھا اور پھر آخر کار وہ اس کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے جہاں پر انہوں نے رسل کو باندھ رکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

رسل کو کمرے سے باہر گیلری مین بوٹوں کی آواز سنائی دی تو اس کے چہرے پہ خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے منہ کھولنے کی کوشش کی ہی تھی کہ ریچل نے پھرتی سے اس کے پیچھے سے آ کے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''اپنا منہ بند رکھنا اور یاد رہے اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی تو تمہارے حلق سے نکلنے والی یہ آخری آواز ہوگی۔ میں یہاں سب ٹھیک کرنا چاہتی ہوں۔ اگر یہاں سب ٹھیک رہا تو ہم چاروں میں سے کسی کو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ لیکن اگر ہم تینوں میں سے کسی کو تمہاری وجہ سے ایک خراش بھی آئی تو تمہارا زندہ رہنا محال ہوگا۔''

ریچل نے اپنے ہونٹ اس کے کان کے قریب لا کے دھمکی آمیز لہجے میں کہا تو رسل کے ماتھے پر خوف سے پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔

☆.....☆.....☆

آفیسر مارٹن جیسے ہی اس کمرے کی جانب بڑھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور کارلی لڑکھڑاتی ہوئی باہر آئی۔

''آفیسرز کیا کوئی مسئلہ ہے؟'' اس نے آفیسرز کی جانب دیکھ کر کہا۔

''یہ کون ہے؟'' آفیسر مارٹن نے کیری لین کی جانب دیکھ کے کہا تو کیری لین کا منہ کھلا مگر اس سے پہلے کارلی بول پڑی۔

''میں اس کی گرل فرینڈ ہوں۔'' کارلی نے کیری لین کی کمر میں ہاتھ ڈال کے کہا۔

''ہمیں یہاں سے ایک چیخ کی کمپلین آئی ہے۔'' آفیسر گریگ نے کہا تو کارلی ہنس پڑی۔

''وہ دراصل آپ تو جانتے ہیں آج ویلنٹائن نائٹ ہے۔ اس لئے ہم دونوں یہاں پر اکٹھے بیئر پی کے فن کر رہے تھے اور اسی دوران ہارڈ کو اسٹائل کی وجہ سے چیخ نکلنا تو معمولی بات ہے۔'' کارلی نے بے شرمی سے آفیسرز کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ تو دونوں آفیسرز ایک دوسرے کو دیکھ کے مسکرانے پر مجبور ہو گئے۔

''سوری لیڈیز ہم دونوں نے آپ کا وقت ضائع کیا۔ امید ہے آپ کو ہماری جاب کا اندازہ ہوگا۔'' آفیسرز نے کہا اور مین گیٹ سے باہر نکل کے سامنے موجود کار میں بیٹھے ہوئے کہا۔ وہ دونوں اب بھی کیری لین اور کارلی کو دیکھ رہے تھے۔ تو کارلی نے کیری لین کے گال پر ایک چھوٹا سا کس کیا اور پھر مسکرا کے آفیسرز کی جانب دیکھ کر الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا تو اس کے ساتھ ہی کار آگے بڑھ گئی۔ کار کے جاتے ہی کیری لین نے کارلی کو دھکا دے کر خود سے دور کیا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے اس انداز میں چھونے کی؟'' کیری لین نے غصے سے بھڑکتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تم جیسی سڑیل عورت کو اپنی بانہوں میں بھرنے کا اور ویسے بھی میں لیسبیئن نہیں ہوں۔'' کارلی نے کہا اور پیر پٹختی ہوئی اندر چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

وہ تینوں رسل کے سامنے سوچ میں ڈوبی ہوئی کھڑی تھیں۔ وہاں موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ رسل کو اپنے دل کی دھڑکن کنپٹیوں میں محسوس ہورہی تھی۔ پھر آخر کار کارلی نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

''میں تم دونوں سے معافی مانگتی ہوں۔ میرا ارادہ کسی کو نقصان پہنچانے کا ہرگز نہیں تھا۔'' کارلی نے سانس لے کر کہا۔

''لیکن اس کے باوجود تم نے کیری کو زخمی کردیا۔'' ریچل نے منہ بنا کر کہا۔

''چھوڑو ان باتو کو ابھی اس وقت ہمیں اس سے سنگین مسئلوں کا سامنا ہے۔'' کیری لین نے بے زاری سے کہا۔

''ویسے ایک بات کہوں مجھے یہ سارا پلان ہی بکواس لگ رہا ہے۔ یہ ایک پاگل پن کی انتہا تھی۔ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اب اس نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ ہمارے ساتھ جو زیادتیاں سرزد ہوئی ہیں ان میں اس کا کوئی کردار نہیں تھا۔ ہر مسئلے میں کہیں نہ کہیں ہماری اپنی غلطی تھی۔'' ریچل نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

''کیا تم اس کمینے کی سائیڈ لے رہی ہو؟ تم دونوں کا پتہ نہیں لیکن اس نے میرے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا ہے اور میں اسے یہاں سے زندہ واپس نہیں جانے دوں گی۔'' کارلی نے تن کے کہا۔

''کیا تم اسے مارنا چاہتی ہو؟ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟'' ریچل نے چلا کے کہا۔

''پاگل میں نہیں پاگل تم ہو۔ اگر ہم نے اسے یہاں سے واپس جانے دیا تو یہ سب کچھ پولیس کو بتادے گا اور ہم تینوں کی پوری عمر جیل میں کٹے گی۔''

''میں جیل نہیں جانے والی۔ یہ سارا پلان تمہارا تھا۔ تم نے اپنے پاگل پن میں ہمیں بھی شامل کیا۔'' ریچل نے کارلی کو ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔

''تم دونوں اپنی بکواس بند کرو۔ یہ پلان جس کا بھی ہو اس سے فرق نہیں پڑنے والا۔ یہ کام ہم نے مل کے شروع کیا تھا اور ہم مل کے ہی اس مصیبت سے باہر آئیں گے۔ ایک ٹیم کی طرح ابھی اس کی بے گناہی ثابت نہیں ہوئی اور جب تک یہ اپنے اوپر لگے تمام الزامات کی وضاحت نہیں کردیتا ہم کسی صورت اسے چھوڑنے والے نہیں ہیں۔'' کیری لین نے کہا۔

''اگر یہ بے گناہ ثابت ہوا تو کیا ہم اسے زندہ سلامت چھوڑ دیں گے؟'' ریچل نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

''یہ بعد کی بات ہے فی الحال اپنے کام پہ فوکس کرو۔''

کیری لین نے جیسے ہی بات ختم کی۔ کمرے کا دروازہ ایک چرچراہٹ کی آواز پیدا کرتے کھلتا چلا گیا اور ان تینوں کے چہرے پہ خوف کے سائے پھیل گئے۔ دروازہ مکمل طور پر کھلا تو انہوں نے دیکھا کہ سرخ رنگ کی ٹی شرٹ ٹراؤزر میں ملبوس ایک اٹھارہ سالہ دبلا پتلا معصوم سی شکل و صورت کا نوجوان ہاتھ میں پیزا اٹھائے انہیں حیرت سے منہ کھولے دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ، ورنہ اتنی دور کوئی سروس مشکل سے ہی پیزا ڈلیور کرتی ہے۔'' کارلی نے یہ کہتے ہوئے اس نوجوان کو گلے لگالیا اور پھر جب وہ اس سے الگ ہوئی تو ریچل اور کیری لین کے ساتھ رسل کی آنکھیں بھی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کیونکہ درمیانے سائز کا خنجر نوجوان کی پسلیوں میں دستے تک گھس چکا تھا۔ نوجوان نے اکھڑتی ہوئی سانسوں کے ساتھ خنجر کو دیکھا اور پھر لڑکھڑا کے گر پڑا۔ پیزا کا ڈبہ اس کے ہاتھ سے گرا تو کارلی نے اسے جھٹ سے اُٹھالیا۔

''کیا تم سب اس کی موت کا تماشا دیکھتے رہو گے یا پیزا کھانے کا ارادہ بھی ہے۔ ویسے اگر تمہاری

بھوک مرچکی ہوتو یہ میں اکیلے بھی کھا سکتی ہوں۔'' کارلی نے کہا اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر پیزا کا ایک پیس منہ میں رکھ کر چبانے لگی۔ جبکہ وہاں موجود باقی افراد سکتے کے عالم میں ڈلیوری بوائے کے جسم کو بے جان ہوتا دیکھ رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

رسل اور ریچل کمرے میں اکیلے تھے۔ رسل طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا جبکہ ریچل پریشانی کے عالم میں ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

''لگتا ہے تمہاری دوستوں کو تم پہ زیادہ بھروسہ نہیں اس لئے وہ خود دونوں لاش کو ٹھکانے لگانے گئی ہیں۔'' رسل نے اس کی جانب طنز کا تیر چلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں اگر انہیں مجھ پہ بھروسہ نہ ہوتا تو وہ مجھے تمہارے پاس اکیلا چھوڑ کے کیوں جاتیں۔'' ریچل نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''شاید ان کی نظر میں تم ان جتنی بہادر نہیں ہو۔''

''اپنی بکواس بند کرو اور چپ چاپ بیٹھے رہو۔'' ریچل نے غصے سے کہا۔

''تھوڑی دیر اور برداشت کرلو۔ پھر شاید تمہاری دوست واپس آئیں تو میرا منہ ہمیشہ کے لئے بند کردیا جائے۔'' رسل نے مایوسی کے عالم میں کہا۔

''نہیں تمہیں مارنا ہمارے پلان کا حصہ نہیں۔'' ریچل نے جلدی سے کہا۔

''اچھا ایسا ہے۔ ان دونوں کے انداز سے تو قطعی ایسا نہیں لگ رہا کہ وہ مجھے زندہ چھوڑنے والی ہیں۔ تم جانتی ہو یہ بات بس مجھے اور خود کو جھوٹی تسلی دے رہی ہو۔''

''نہیں میں انہیں ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گی۔''

''تمہیں لگتا ہے وہ تمہاری بات سنیں گی؟ مجھے ڈر ہے کہ تمہارا انجام بھی ڈلیوری بوائے جیسا نہ ہو۔ مجھے اپنی فکر نہیں۔ میرا بچنا قریب ناممکن ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری بے جا حمایت کے چکر میں تمہیں بے جا کوئی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ تم ایک اچھی لڑکی ہو۔ تمہیں تکلیف میں دیکھ کر مجھے اچھا نہیں لگے گا۔'' رسل نے کہا۔

''تمہیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔'' ریچل نے بے زاری سے کہا۔

''کیا تمہاری دوست کارلی نے تمہیں اپنی بیماری کے بارے میں بتایا ہے؟''

''کیسی بیماری؟'' ریچل نے چونک کے کہا۔

''کیا اس نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ اسے ہیلو سینیشن ہے؟''

''کیا مطلب؟'' ریچل نے حیرانگی سے کہا۔

''کیا تم اس بیماری کے بارے میں نہیں جانتی؟ رسل نے سوالیہ انداز میں کہا تو ریچل نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''اس بیماری کے مریض اپنے ذہن میں ایک کہانی بناتے ہیں۔ پھر اس کے بارے میں اتنا سوچتے ہیں کہ انہیں اپنی کہانی حقیقی معلوم ہونے لگتی ہے۔ کارلی اور میں دو سال ایک ساتھ رہ رہے ہیں، تبھی مجھے اس کی بیماری کے بارے میں علم ہوا کہ وہ (نفسیاتی بیماری) کی شکار ہے۔ اس لئے اسے ہیلوسینیشن ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے اسے بالآخر مینٹل ہاسپٹل جانا پڑا مگر میں نے پھر بھی اس کے ساتھ بریک اپ نہیں کیا۔ جب اسے ہاسپٹل میں ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوا اور اس کی بہتری کے آثار نظر نہ آئے تو مجھے مجبوراً اسے چھوڑ کے تمہیں چننا پڑا۔ لیکن پھر بعد میں معلوم ہوا کہ کارلی ہاسپٹل سے بھاگ گئی ہے۔ لیکن مجھے اب اس کی پرواہ نہیں تھی کیونکہ تمہاری صورت میں مجھے اپنی محبت مل گئی تھی۔'' رسل یہاں تک کہہ کر خاموش ہوگیا۔ جبکہ ریچل اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''کارلی نے مجھے اور کیری لین کو یہ کہا تھا کہ وہ بھی ہماری طرح تمہارے ظلموں کا شکار ہے۔'' ریچل نے حیرانگی سے کہا۔

''سب جھوٹ ہے تم اس کے بعد میری زندگی میں آئی ہو۔ تم نے میرے جسم جلنے اور کاٹنے کے نشان دیکھے ہیں۔ تم نے جلنے کے زخموں کے بارے میں پوچھا

تو میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا کہ یہ ایسڈ کی وجہ سے ہیں۔ جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ وہ اپنے دانتوں کی وجہ سے اتنا زور سے کاٹتی تھی کہ زخم بھرنے کے بعد بھی نشانات نہیں جاتے تھے اور نشانات تو اب تک ختم ہو چکے ہیں۔ مگر گردن پہ ایک نشان اب بھی موجود ہے اور سگریٹ لگنے کے داغ ابھی تک نہیں بھرے۔ تم تو جانتی ہو کہ میں سگریٹ نہیں پیتا جبکہ کارلی پیتی ہے۔ اب بھی اگر میں تمہیں جھوٹا محسوس ہو رہا ہوں تو اب بھی تم یہاں بیٹھ کر اپنی دوستوں کا انتظار کرو۔ بالخصوص کارلی کا تاکہ تمہارے سامنے ہی مجھے مار ڈالے اور اس کے بعد شاید تمہارا نمبر آئے کیونکہ وہ پاگل ہو چکی ہے اور خود کو بچانے کے لئے وہ تمام ثبوت مٹا دے گی۔'' رسل یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا اور ریچل پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

☆.....☆.....☆

''کیا تم سگریٹ پینے کے علاوہ کام میں میری مدد کرو گی؟'' کیری لین نے کارلی کو گھور کے کہا۔

''گڑھا کھودنا اتنا مشکل کام تو نہیں ہے۔ انسان اکیلے بھی کھود سکتا ہے۔'' کارلی نے سگریٹ کا گہرا کش لگاتے ہوئے کہا تو کیری لین گڑھے سے باہر نکل آئی اور کارلی کا بازو پکڑ لیا۔

''بس کوئی کنسٹرکشن کا کام نہیں کرتی رہی میں نے اپنے حصے کا کام کر لیا ہے اب باقی کا کام تم کرو گی۔'' کیری لین نے کارلی کو زبردستی ہاتھ میں کدال پکڑاتے ہوئے کہا۔

''کیا ہم پوری رات یہ گڑھا ہی کھودتے رہیں گے۔'' کارلی نے بے زاری سے کہا۔

''تو تمہیں کیا لگتا ہے ہم یہاں ڈیٹ پر آئے ہیں۔'' کیری لین نے اسے گھور کے کہا۔

''اگر تم چاہو تو ہم ایسا بھی کر سکتے ہیں۔'' کارلی نے خمار آلود لہجے میں کہا۔

''یہ کیا بکواس ہے۔'' کیری نے حیرانگی سے کہا تو کارلی نے کدال ایک جانب پھینک دی اور کیری لین کی جانب بڑھی۔ ''رکو کارلی، تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔'' مگر کارلی پر اس کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا اور اس نے کیری لین کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

☆.....☆.....☆

''مجھے لگتا ہے تمہاری بوس (Boss) نے کیری لین کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ کیونکہ ایک لاش کو ٹھکانے لگانے میں اتنی دیر نہیں لگتی۔ انہیں گئے ہوئے تین گھنٹے سے زیادہ ہو چکے ہیں اور اتنی دیر میں دو لاشیں ٹھکانے لگائی جا سکتی ہیں۔ تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ کارلی دوسری لاش کو ٹھکانے لگانے میں مصروف ہے۔'' رسل نے کچھ سوچ کے کہا۔

''تم اپنی بکواس بند رکھو۔ وہ بس آتی ہی ہوگی۔'' ریچل نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم یہ بات مجھے بتا رہی ہو یا خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہو۔'' رسل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا تم اپنا منہ بند کر سکتے ہو۔'' ریچل نے اسے گھور کے کہا۔

''کیا میرے چپ ہونے سے حقیقت بدل جائے گی؟'' رسل نے کہا تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''بس بہت ہو گیا۔'' اور آگے بڑھ کے اس نے رسل کے منہ پر ٹیپ لگا دی اور پھر بنا اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے تیزی سے کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

''یہ کیا بے ہودگی ہے۔'' کیری لین نے کارلی کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔

''کچھ بھی نہیں صرف پیار ہی تو ہے۔'' کارلی نے ڈھٹائی سے کہا۔

''میں گے (GAY) نہیں ہوں۔ اس لئے مجھ سے دور رہو۔'' کیری لین نے اسے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

''کیا تم مجھے منع کر رہی ہو۔'' کارلی نے حیرانگی سے کہا۔

''پتہ ہے پہلے مجھے تم یہ صرف شک تھا۔ مگر اب

مجھے یقین ہوگیا ہے کہ تم کمپلیٹ سائیکو ہو میں کتنی بے وقوف تھی کہ تمہاری باتوں میں آ کے تمہارے اس سڑے ہوئے پلین میں آ گئی اور میری وجہ سے ریچل بھی اس چکر میں پھنس گئی۔ میں نے بہت برداشت کرلیا مگر اب مزید برداشت نہیں کروں گی۔ میں رسل کو آزاد کررہی ہوں اور پھر خود کو قانون کے حوالے کردوں گی۔'' کیری لین نے تیز لہجے میں کہا۔

''تم بھول رہی ہو اب ہم واپس نہیں جاسکتے۔ ہم نے ایک قتل کردیا ہے جس کی وجہ سے ہمیں سزائے موت ہوسکتی ہے۔'' کارلی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''قتل کسی اور نے نہیں تم نے کیا ہے اور اس کی سزا کسی اور کو نہیں بلکہ تمہیں ملے گی میں اور ریچل اس کے ذمے دار ہرگز نہیں ہیں۔ اور اب میں یہاں سے جارہی ہوں۔'' کیری لین نے کہا اور جانے کے لئے مڑی تو کارلی تیزی سے آگے بڑھی اور پیچھے سے کیری لین کو اپنی بانہوں میں بھر کے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے جانے من، گڈ بائے تو بول دو۔'' کارلی نے کیری لین کے کان میں کہا اور پھر بڑی نفاست کے ساتھ باریک خنجر اس کی خوبصورت گردن پہ پھیر دیا تو کیری لین کا جسم زوردار انداز میں کانپا مگر کارلی نے اپنی آہنی گرفت سے اسے آزاد نہ ہونے دیا۔ اس کا کشادہ سینہ چند لمحوں میں خون سے تر ہوگیا اور اس کے گلے سے سانس کی نالی کٹنے کی وجہ سے رونگٹے کھڑے کردینے والی آوازیں نکل رہی تھیں اور پھر آخر کار کیری لین کا جسم آخری بار ایک زوردار انداز میں کانپا اور پھر ساکت ہوگیا۔ تو کارلی نے اسے چھوڑ دیا اور کیری لین کا وجود کسی بت کی مانند زمین بوس ہوگیا۔

''بس اتنی سی جان تھی۔ باتیں تو بہت بڑی بڑی کررہی تھی۔'' کارلی نے اس کے بے جان وجود کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا اور واپس جانے کے لئے آگے بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

''ہمیں یہاں سے جانا ہوگا۔'' ریچل نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔ اس کی سانس بری طرح پھولی ہوئی تھی۔ جیسے وہ بڑی دور سے دوڑتی آرہی ہو اور آگے بڑھ کر تیزی سے کرسی پر بندھے رسل کے منہ سے ٹیپ نکالی اور اسے رسیوں کی بندش سے آزاد کرنے لگی۔

''کیا باہر تم نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہے؟'' رسل نے چونک کے کہا۔

''اس سے بھی برا میں نے دیکھا کارلی نے کیری لین کو مار ڈالا اور اس بات میں اب کوئی شک نہیں کہ وہ ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ کرے گی۔'' ریچل نے اسے رسیوں کی بندش سے مکمل طور پر آزاد کرتے ہوئے کہا تو رسل اٹھ کے اپنی کلائیاں مسلنے لگا۔

''اب چلو بھی۔ کیا تم اس کے آنے کا انتظار کررہے ہو؟'' ریچل نے ارسل کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

''چلے جائیں گے جانے من اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ ابھی تو بہت سا حساب کتاب باقی ہے۔'' رسل نے مکارانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔'' ریچل نے حیرانگی سے کہا۔

''میں سمجھتا ہوں۔'' رسل نے کہا اور ریچل کی کمر میں ہاتھ ڈال کے اسے اپنے قریب کرلیا۔

''میں تمہیں ایک تحفہ دینا چاہتا ہوں ہمارے پیار کے لئے۔'' رسل نے کہا اور کرسی سے رسی اٹھا کے آہستگی کے ساتھ اس کے گلے کے گرد آہستگی سے لپیٹ دی۔

''یہ کیا کررہے ہو چھوڑو مجھے۔'' ریچل نے تڑپ کے کہا تو رسل نے پھرتی سے رسی کو گرہ لگا کر اس کی گردن کے گرد حلقہ تنگ کردیا۔ جبکہ اس کا دوسرا ہاتھ بدستور اس کی کمر پہ تھا۔

''اس سے تمہارا درد کم ہوجائے گا۔'' رسل نے کہا اور رسی کو اور تنگ کردیا تو ریچل کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں اور اس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور سانس رکنے لگیں اس کا وجود بے آب مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔

''مجھے تڑپتی ہوئی لڑکیاں پسند ہیں۔'' رسل بے رحمی کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے کہا۔

''بولو جانے من مزا آرہا ہے کیا؟'' رسل نے ریچل کے نچلے ہونٹ کو اپنے دانتوں کی مدد سے کاٹتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی زوردار انداز میں اس کی گردن کو جھٹکا دیا تو ریچل کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور پیچھے کو ڈھلک گئی۔

''سوری۔'' رسل نے مسکرا کر کہا تو اسی وقت دروازہ آہستگی سے کھلا۔ رسل نے دیکھا کارلی خون سے تر لباس میں ہاتھ میں خون میں ڈوبا خنجر لئے رسل کو خالی نگاہوں سے گھور رہی تھی۔ رسل نے ریچل کے بے وجود کو ایک جانب پھینک دیا۔

''مجھے پوری امید تھی کہ تم سے ملاقات ضرور ہوگی۔'' رسل نے مسکرا کر کہا۔ مگر کارلی اسے گھورتی رہی بنا کچھ بولے۔

''دیکھو جانے من اس قصے کو ختم کرنے کے صرف دو ہی طریقے ہیں۔ یا تو ہم درندوں کی طرح آپس میں لڑ پڑیں، یا پھر انسانوں کی طرح بیٹھ کر اس مسئلے کا کوئی حل نکالیں۔'' رسل نے کہا تو کارلی آہستہ آہستہ چلتی اندر داخل ہوئی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

''گڈ گرل۔'' رسل نے کارلی کا گال تھپ تھپایا اور دھیرے سے اس کے ہاتھ سے خنجر لے لیا۔ کارلی نے بنا مزاحمت کئے خنجر اسے لینے دیا۔

''پتہ ہے کارلی آج تک میں نے جتنی بھی لڑکیوں کا استحصال کیا تم ان سب میں سے زیادہ مزیدار تھیں۔ کیونکہ تم واحد لڑکی تھیں جو کہ مجھے اس دنیا میں سب سے زیادہ جانتی تھیں تم نے ہمیشہ میرے پاگل پن کو نظر انداز کیا۔ تم ہمیشہ سے جانتی تھی۔ تمہارے ساتھ ہوتے ہوئے بھی میں دوسری لڑکیوں کا ریپ کیا کرتا تھا۔ مگر باقی دنیا والوں کی طرح تم نے مجھ سے نفرت نہیں کی اور یہ بات مجھے اکثر حیرانگی میں مبتلا کر دیتی تھی کہ آخر تم کس وجہ سے میرے ساتھ اتنی نارملی انداز میں رہتی ہو۔ تو مجھ پہ انکشاف ہوا کہ تم بھی مجھ سے کچھ زیادہ الگ نہیں ہو۔ تم نے بہت سے کم عمر لڑکوں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ ڈیوڈ مارک، بین اور رولوسب ٹین ایجر بچے ہی تو تھے۔ جنہیں تم نے اپنی ہوس کا شکار بنا کے مار ڈالا۔ لیکن تمہاری وفاداری کے پیش نظر پولیس کو نہیں بتائی۔ بس تمہارا پاگل پن حد سے بڑھ نہ جائے اور تم پکڑی نہ جاؤ اس وجہ سے مجھے تمہیں پاگل خانے بھیجنا پڑا۔ بس میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا۔

''تم نے دو سال تک مجھے پاگل خانے میں سڑنے کے لئے چھوڑ دیا اور میری خبر تک نہ لی۔'' کارلی نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ارے تم تو لڑنے کے موڈ میں ہو۔'' رسل نے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ کے خنجر کارلی کے گلے پر چلانے لگا خنجر کی تیز دھار اس کی خوبصورت گردن کو کاٹتی چلی گئی۔ پہلے شہ رگ پھر سانس کی نالی کے بعد گردن کی ہڈی کو خنجر کے کاٹتے ہوئے اس کی گردن کو دھڑ سے الگ کر دیا۔ کارلی کا سر زمین پر گرا اور گھومتا ہوا ایک جگہ رک گیا۔ رسل نے بالوں سے پکڑ کر اس کے سر کو اٹھایا اور سر کے چہرے سے بال ہٹا کر چہرے کو دیکھا جس پر مسکراہٹ تھی۔

''تم نے ہمیشہ مجھے سرپرائز کیا ہے۔'' رسل نے اس کی مسکراہٹ کو دیکھتے ہوئے کہا اور سر کو ایک جانب پھینک کر دروازے کی طرف بڑھا تو اسے زوردار چکر آیا اور گھٹنوں کے بل زمین پر گرا تو اس نے چونک کے اپنے سینے کی جانب دیکھا تو اسے ایک چھوٹے سائز کا خنجر اپنے سینے میں پیوست ہوا نظر آیا۔ جب وہ جنونیت میں کارلی کی جانب تیزی سے بڑھا تھا شاید اس وقت کارلی نے اس سے زیادہ تیزی سے خنجر اس کے دل میں گھونپ دیا تھا۔ مگر اس کے جنون نے سب کچھ نظر انداز کر دیا تھا۔

''کارلی بچ مرتے وقت بھی سرپرائز دینا نہیں بھولی۔'' رسل نے بڑبڑا کر کہا اور پھر فرش پر گرتا چلا گیا۔

خالی گھر

فرح انیس۔کراچی

یہ حقیقت ہے کہ انسان پیسوں کے چکر میں اندھا ہوجاتا ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ دوسروں کی جان بھی لے لیتا ہے لیکن وہ خود جہنم کا حقدار بن جاتا ہے۔

جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے ہمیشہ گھاٹے میں رہتے ہیں.....سبق آموز.....کہانی

تم لوگوں کو کوئی اور جگہ نہیں ملی تھی کنزہ ناک پر دوپٹہ رکھتے ہوئے گرد آلود کھڑکی کھولتی ہوئی سامان رکھتی زیبا سے بولی کھڑکی کھلتے ہی اس نے زور کی جھرجھری سی لی۔

میرے بس میں ہوتا تو میں یہاں کبھی نہ رہوں وہ کھڑکی سے نظر آتے قبرستان اور چاروں طرف پھیلے اندھیرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

شکر کرو رہنے کے لئے ٹھکانہ مل گیا رخسار کمرے میں اندر آتے ہوئے بولی۔ یا اللہ اس قدر گندا اور مٹی سے اٹا ہوا گھر ہے اس کو تو صاف کرنے میں ہی برا حال ہوجائے گا شفق پریشانی سے گھر میں لگے جالے دیکھتے ہوئے بولی۔

آپ کا کیا خیال ہے میڈم کہ آپ کو سجا سجایا اور ہر چیز درست ملتی اس گھر میں اتنے پیسوں میں تو یہی گھر مل سکتا تھا زیبا شفق کو دیکھتے ہوئے بولی۔

صحیح کہہ رہی ہے زیبا ہمیں اتنی کم قیمت پر اور کوئی

گھر نہیں دیتا یہ بڑا شہر ہے یہاں پر گھر آسانی سے نہیں ملتے تم لوگوں نے خود دیکھا ہے کہ ہمیں کس قدر پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہے کرائے کے گھر کے لئے اور پھر یہاں ہاسٹل میں بھی اتنے اتنے پیسے دینے پڑتے اور سچی بات ہے یہ جگہ مناسب ہے ہمیں کسی سے خطرہ بھی نہیں کے کوئی ہمیں دیکھ لے یا پہچان لے رخسار کی بات پر شفق اور کنزہ متفق تھیں کے اس جگہ ان چاروں کو کم از کم یہ خطرہ تو لاحق نہیں تھا۔

رات تک وہ چاروں گھر کی صفائی میں لگی رہیں دو کمروں پر مشتمل یہ گھر جس کا ایک کمرہ قدرے بڑا تھا جسے ان چاروں نے اپنے استعمال کے لئے بنالیا تھا جبکہ دوسرے کمرے کو مالک مکان نے اسٹور روم بنایا ہوا تھا اس لیئے ان چاروں کے استعمال میں ایک ہی کمرہ تھا باقی جو تھوڑا بہت سامان تھا وہ انہوں نے اسٹور روم میں رکھ دیا تھا۔

گھر کی دیواروں کا پلاسٹر جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا اپنی زبوں حالی کا ثبوت پیش کر رہا تھا دونوں کمروں کے باہر چھوٹا سا صحن تھا جس کا فرش جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکر تھا اس صحن کے ایک کونے میں باورچی خانہ اور دوسری جانب چھوٹا سا غسل خانہ بنا ہوا تھا۔

تھک گئے یار لگ رہا ہے جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے زیبا اپنے پیروں کو دباتی ہوئی پاس بیٹھی کنزہ سے بولی۔

ان چاروں کو صبح سے یہ وقت آ گیا تھا کام میں لگے ہوئے کام کے دوران ٹھیک سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں تھا۔

اب کام سے فراغت ہوئی تو تھکن کے احساس کے ساتھ بھوک بھی جاگ گئی تھی۔

ہم کچھ بنا کر لاتے ہیں رخسار اور شفق باورچی خانے کی طرف جاتی ہوئی بولیں کچھ دیر بعد وہ اور رخسار ہاتھ میں ٹرے لئے اندر داخل ہوئیں۔

چلو اُٹھو شفق بستر پر نیم دراز کنزہ اور زیبا کو اٹھاتی ہوئی بولی۔

پلیٹ میں رکھا انڈوں کا آملیٹ ساتھ پراٹھے اور گرم گرم بھاپ اُڑاتی چائے نے ان کی بھوک چمکادی وہ چاروں جلدی سے کھانا شروع ہو گئیں۔

یہاں شہر آنے کے بعد انہوں نے پہلی فرصت میں گھر دیکھنے کے بعد باورچی خانے کے لئے ضروری اشیا لے آئی تھیں کیونکہ یہاں پر دوکانیں کافی فاصلے پر تھیں کھانا کنزہ کو ہاتھ میں لئے سوچوں میں گم دیکھ کر رخسار نے ٹہوکا دیا وہ جو ضبط کئے بیٹھی تھی یک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دی اس کے اس طرح سے رونے پر وہ تینوں بوکھلا گئیں۔

کیا ہوا کنزہ ایسے کیوں رو رہی ہو زیبا اس کو خود سے لگاتی ہوئی بولی۔

جانتی ہو زیبا میں سوچا کرتی تھی کے کب میری زندگی میں عزت کی دال روٹی آئے گی کب وہ وقت آئے گا جب میں کھانا کھاؤں گی تو میرے حلق میں نوالے کانٹوں کی مانند مجھے چبھیں گے نہیں میری زبان جب وہاں کا بریانی قورمے کا ذائقہ محسوس کرتی تھی تو میں سوچتی تھی کہ عزت کی دال روٹی کا ذائقہ کس قدر لذیذ ہوگا اب جب آج کھانے بیٹھی ہوں تو تشکر سے دل بھر آیا کے رب پاک کتنا رحیم و کریم ہے کہ اس نے ایسی جگہ سے نکال دیا جہاں سے نکلنا ہم چاروں کا خواب تھا اس کی بات پر وہ چاروں ہی آبدیدہ ہو گئی تھیں مگر ان چاروں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چمک رہے تھے۔

ان چاروں کا تعلق اس جگہ سے تھا جہاں دن سوتے تھے اور راتیں جاگتی تھیں ان چاروں کی داستان بدقسمتی سے ایک جیسی ہی تھیں وہ چاروں ہی بچپن میں اغوا ہو کر کسی کے ہاتھ فروخت ہو کر اس جگہ تک پہنچی تھیں بچپن سے جوانی آ گئی تھی مگر کوئی دن ایسا نہ تھا جب انہوں نے اپنے گھر والوں کو یاد نہ کیا ہو۔

جب وہ چاروں اغوا ہوئی تھیں اس وقت ان کی عمر کم وبیش آٹھ سے نو برس تھی اس وقت تو ٹھیک سے ان کو اپنے گھر اور شہر کا بھی نہیں پتا تھا ان چاروں کے مزاج شروع سے ایک دوسرے سے بہت ملتے تھے۔ وہاں کا ماحول ان کو ہمیشہ سے ناگوار لگتا تھا اور ان چاروں کے لبوں پر ہمہ وقت بس یہ دعا ہوتی تھی کہ کب آئے گا وہ دن جب ان کو اس ماحول سے آزادی نصیب ہوگی کہیں بار چھپ کر وہاں سے فرار ہونے کا ان لوگوں نے ارادہ باندھا مگر سوچ کر حوصلے پست ہو جاتے تھے یہ سوچ کر کہ اگر فرار ہوتے ہوئے کسی

نے پکڑ لیا تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا۔

اور پھر برسوں سے اس ماحول سے آزادی کا خواب دیکھنے والی ان چاروں لڑکیوں کو وہاں سے فرار ہونے کا موقع مل گیا تھا اور وہ چاروں وہاں سے بھاگ کر کراچی آ گئی تھیں کراچی آنے کے بعد سب سے پہلے انہوں نے یہاں آ کر برقع اور نقاب کرنا شروع کر دیا تھا تاکہ ان کو کوئی پہچانے نہیں۔

شہر آنے کے بعد رہائش کا سب سے بڑا مسئلہ تھا کافی تگ و دو کے بعد ان کو دور دراز کے علاقے میں جو گھر ملا وہ آبادی سے کافی ہٹ کر تھا کرایہ بھی کم تھا تو ان لوگوں کو کوئی اعتراض بھی نہ تھا مگر بس اس گھر کے ساتھ بنے قبرستان پر ان کو اندر سے خوف تو بہت محسوس ہوا مگر ابھی ان کے لئے یہ بھی بہت تھا کہ سر چھپانے کے لیئے چھت تو مل گئی تھی۔

کنزہ کی آنکھ کھلی تو اس کی نگاہ گھڑی پر پڑی جو دوپہر کے دو بجا رہی تھی رات بھر کی تھکن اتر چکی تھی وہ خود کو کافی ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی وہ آنکھیں مسلتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

اٹھ جا یار وہ ان تینوں کو دیکھتے ہوئے بولی جو بے خبر سو رہی تھیں اٹھو ناں وہ پاس لیٹی شفق کو اٹھاتی ہوئی بولی۔

یار دل چاہ رہا ہے تھوڑا اور سو جاؤں آنکھیں بند کیئے شفق سستی سے بولی زیبا اور کنزہ بھی ان کی آواز پر اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں۔

بس کرو اب اٹھ جا یار گھر کا جو کام رہ گیا ہے وہ سمیٹ لیتے ہیں۔

کیا سمیٹنا سب کچھ تو ہو چکا ہے زیبا اُباسی لیتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دیکھو جو بھی ہے کر لیتے ہیں تاکہ کل سے پھر کوئی ڈھونڈ سکیں مالک مکان کو وقت پر کرایا دینا ہوگا پھر گھر کے اخراجات ہیں اب تب ہی پورے ہونگے جب ہم کچھ کام کرینگے رخسار کی بات پر وہ تینوں ہی متفق تھیں۔

اور پھر کچھ دن کی بھاگ دوڑ کے بعد خوش قسمتی سے ان کے گھر سے کچھ دور ایک گارمنٹ فیکٹری میں ان چاروں کو کام مل گیا تھا تنخواہ اتنی زیادہ نہ تھی مگر اتنی تھی کے ان کا گزر بسر ہو جاتا وہ اس پر ہی بہت خوش تھیں۔

اس کھڑکی کو تو بند رکھا کرو وحشت ہوتی ہے زیبا کمرے میں داخل ہوتے ہی کھڑکی زور سے بند کرتی ہوئی بولی وہ تینوں کمرے میں بیٹھی ناشتہ کر رہی تھیں زیبا کے زور سے کھڑکی بند کرنے پر وہ اس کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

اس کو بند کر دینگے تو ہوا کہاں سے آئے گی دم گھٹے گا شفق بولی۔ ہاں یہ کھلی رہی تو اس کو دیکھ کر میرا خوف سے ضرور دم گھٹے گا وہ کھڑکی سے باہر نظر آتے قبرستان کو دیکھتی ہوئی بولی اس کی بات پر رخسار اور کنزہ اپنی ہنسی ضبط کرنے لگیں ان کے کمرے کی کھڑکی جس طرف کھلتی تھی اس سے سارا قبرستان نظر آتا تھا۔

ڈر تو بہت لگتا ہے اس کھڑکی سے دیکھتے ہوئے مگر کیا کریں ہوا تو آ رہی ہے ناں اب ہوا بھلے قبرستان کی ہی ہو کنزہ شرارت سے بول کر شفق کے ہاتھ پر ہاتھ مار کے ہنس دی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ چاروں فیکٹری کے لئے نکل گئیں شام تک ان کی واپسی ہوئی مغرب کی اذانیں شروع ہو چکی تھیں۔

کس قدر سناٹا ہو جاتا ہے ادھر شفق قبرستان کے پاس سے گزرتی ہوئی ارد گرد بڑھتے اندھیرے کو دیکھتے ہوئے سراسیمگی سے بولی کے اچانک رخسار کی چیخ پر وہ تینوں بدحواس ہو کر اس کو دیکھنے لگیں کیا ہوا کیوں چیخی شفق برابر کھڑی رخسار سے بولی۔

ہمارے گھر میں کوئی کھڑا ہے وہ دیکھو کھڑکی میں رخسار کے اشارے پر ان تینوں نے کھڑکی کی سمت دیکھا تو ان کو کھڑکی میں کوئی مرد کھڑا نظر آیا جو کھڑکی سے باہر ان ہی کی طرف دیکھ رہا تھا دروازہ ٹھیک سے بند نہیں کیا تھا زیبا گھبرا کر کنزہ سے پوچھنے لگی۔

میں نے خود دروازہ بند کیا تھا کنزہ اس کی بات پر بولی وہ چاروں تیز تیز قدموں سے گھر کی جانب بڑھیں مگر گھر تک پہنچ کر وہ چکر اسی گئیں دروازے پر تو ہنوز تالہ لگا ہوا تھا وہ آدمی صحن سے کود کر اندر گیا ہے سنو تم لوگ ہوشیار رہنا زیبا دروازہ کھولتی ہوئی بولی وہ چاروں آہستگی سے گھر

میں داخل ہوئیں۔

کنزہ اور شفق نے جلدی سے صحن میں پڑا ڈنڈا اٹھالیا وہ اب آہستہ آہستہ کمرے کی جانب بڑھیں مگر کمرے میں کوئی موجود نہ تھا۔

اسٹور میں ہوگا رخسار سرگوشی میں بولی اب ان چاروں کا رخ اسٹور میں تھا مگر وہاں بھی کوئی نہ تھا انہوں نے پورا گھر چھان لیا مگر انہیں وہ آدمی نہیں ملا۔

میں یقین سے بول سکتی ہوں اس نے ہمیں آتا دیکھ لیا تھا اور وہ صحن سے کود گیا شفق کی بات پر وہ تینوں ہی متفق تھیں کے وہ آدمی ان کو دیکھ کر بھاگ نکلا۔ بس اب بہت ہوشیاری سے ہمیں رہنا ہوگا خاص کر رات سوتے ہوئے ہمیں اپنا یہ کمرے کا دروازہ لاک رکھنا ہے کنزہ بولی باقی تو یہاں کوئی ہیرے جواہرات نہیں جو ہمیں ڈر ہو وہ لے اڑے گا رخسار کی بات پر کنزہ اسے گھور کر گئی۔

کل اتوار تھا اور فیکٹری کی چھٹی تھی وہ چاروں رات دیر گئے خوش گپیوں میں لگی رہیں کے اچانک کنزہ کو بھوک لگنے لگی کچھ کھانے کو ہے یار بہت بھوک لگ رہی ہے کنزہ کے کہتے ہی شفق کی بھی بھوک جاگ گئی رکو میں چپس بنا کر لاتی ہوں زیبا اٹھتے ہوئے باورچی خانے میں کی جانب بڑھ گئی۔

باورچی خانے میں ابھی اسے کھڑے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کے اسے صحن سے کسی کی باتوں کی آواز آئی وہ آواز شفق اور کنزہ کی معلوم ہو رہی تھیں اف کتنی باتونی ہیں یہ دونوں زیبا آلو تلتی ہوئی سوچنے لگی۔

ایسا کرتی ہوں سب کی چائے بنا لیتی ہوں شفق کنزہ تم لوگ پیوگی چائے وہ زور سے آواز دیتے ہوئے بولی اس کے آواز دیتے ہی باہر خاموشی سی چھا گئی جواب تو دینا نہیں ہے وہ ٹرے میں چائے کے کپ اور چپس کی پلیٹ رکھتی ہوئی بڑبڑائی اور ٹرے لے کر باہر آئی تو صحن میں دیکھنے لگی وہاں کوئی بھی نہیں تھا شاید اندر چلی گئیں وہ ٹرے ہاتھ میں پکڑی اندر آ گئی۔

تم لوگ کو جواب دینا منع ہے وہ کنزہ اور شفق کو گھورتی ہوئی نیچے ٹرے رکھتی ہوئی بولی تم نے ہم سے بات کب کی جو ہم جواب دیتے کنزہ اور شفق حیرانگی سے بولیں۔

ابھی تم دونوں جو صحن میں بیٹھی بات کر رہی تھیں زیبا بولی کیا ہو گیا زیبا یہ دونوں تو باہر گئی ہی نہیں تم کو وہم ہوا ہے رخسار کی بات پر زیبا پریشان ہو گئی یار ہو سکے برابر سے آواز آئی ہو رخسار اس کے چہرے پر پریشانی دیکھ کر اسے مطمئن کرتے ہوئے بولی۔

کیا پتا تمہارے خود کے کان بج رہے ہوں، شفق شرارت سے بولی۔

اب چھوڑو اس بات کو چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے کنزہ چائے کا سپ لیتی ہوئی بولی زیبا بھی گہرا سانس بھر کر ان لوگوں کے ساتھ باتوں میں لگ گئی مگر اس کے دماغ میں یہ بات اٹک گئی تھی کہ جب کنزہ شفق نہ تھیں تو پھر وہ آنے والی آواز کس کی تھی۔

رات کے کسی پہر عجیب سی آواز پر شفق کی آنکھ کھلی اس نے پاس رکھے سیل فون میں وقت دیکھا رات کے چار بج رہے تھے وہ آواز کھڑکی کے باہر سے آ رہی تھی ایسا لگ رہا تھا کوئی زور زور سے رو رہا ہے۔

رخسار اٹھو شفق برابر لیٹی رخسار کو ہلکے سے ہلاتی ہوئی بولی۔ کیا ہوا وہ نیند میں آنکھیں مسلتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی یار عجیب سی آواز آ رہی ہے باہر سے شفق کھڑکی کی جانب اشارہ کرتی ہوئی بولی۔

یار آنے دو تم کو کیا ہے سو جا رخسار دوبارہ لیٹتے ہوئے بولی مگر رونے کی آواز اس قدر تیز تھی کے رخسار بھی گھبرا کر دوبارہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور دونوں اٹھ کر کھڑکی تک آئیں چاروں طرف پھیلا سناٹا ماحول پر عجیب سی وحشت قائم کر رہا تھا۔

سامنے دیکھو کوئی کھڑا ہے شفق رخسار سے سرگوشی میں بولی۔

اس کے کہنے پر رخسار سیاہ گھور اندھیرے میں غور غور سے دیکھنے لگی تو اسے سامنے قبرستان میں قبر کے پاس کوئی آدمی کھڑا نظر آیا جو زور زور سے رو رہا تھا اس کا کوئی قریبی عزیز لگتا ہے مگر رات کے اس پہر کون قبرستان میں آ کر اس طرح سے روتا ہے رخسار اس کے اس طرح سے رونے پر جھرجھری لیتی ہوئی بولی ابھی وہ دونوں وہاں کھڑی دیکھ ہی

رہی تھیں کہ اچانک اس آدمی نے پلٹ کر ان دونوں کو دیکھا اس کے اس طرح سے دیکھنے پر ان کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے اس سے پہلے کہ وہ دونوں گھبرا کر کھڑکی کے پاس سے ہٹتیں وہ آدمی اچانک غائب ہوگیا اس کے اس طرح سے غائب ہونے پر وہ دونوں خوفزدہ سی ہوکر تیزی سے کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئیں۔

وہ دونوں کھڑکی سے ہٹ کر اپنی جگہ پر آ کر لیٹ گئی تھیں مگر خوف سے ان کی عجیب وغریب کیفیت تھی۔

رخسار وہ غائب ہوگیا شفق پھنسی پھنسی سی آواز میں بولی ہاں تم کو ہی شوق ہو رہا تھا باہر جھانکنے کا رات کے اس وقت قبرستان میں جھانکو گی تو یہی ہوگا رخسار اسے غصے سے بولی۔

میں ہاتھ پکڑ کے تو تم کو کھڑکی تک لے کر گئی نہیں تھی تم خود ہی گئی تھی شفق خفگی سے بولی اس کے بولنے پر رخسار جھینپ سی گئی کہ اس کی غلطی تو نہ تھی وہ فضول میں اس پر خفا ہو رہی ہے سوری یار بس میں ڈر کر غصہ ہوگئی رخسار اس کا ہاتھ تھام کے پیار سے بولی کوئی بات نہیں شفق کے پیار سے کہنے پر وہ مسکرادی مگر وہ پوری رات انہوں نے خوف میں جاگ کے گزار دی۔

انہیں وہاں رہتے ہوئے ایک ماہ ہوگیا تھا مگر وہ لوگ ابھی تک وہ لوگ وہاں ایڈجسٹ نہیں ہوئی تھیں۔

میں آج کام پر نہیں جاؤں گی میری طبیعت ٹھیک نہیں صبح کنزہ بستر پر لیٹے لیٹے بولی اسے کافی حرارت محسوس ہو رہی تھی پوری رات وہ بے چین رہی تھی اب صبح اس کی کام پر جانے کی ہمت نہ تھی وہ تینوں کام پر چلی گئیں شام تک اس کا بخار ہلکا ہوا تو وہ کھڑی ہوئی۔ ابھی وہ چائے بنا کر اندر کمرے میں آئی تھی کہ باہر سے آنے والی دلدوز چیخ پر کنزہ لرز سی گئی وہ تیزی سے کھڑکی تک آئی۔

بچا مجھے زیبا کی آواز پر کنزہ کے ہاتھ سے کپ چھوٹ کر گرا اسے یہ آواز قبرستان کی جانب سے سنائی دی تھی

یا اللہ میری بہن کی خیر کرنا وہ باہر دروازے کے جانب بڑھی اور اندھا دھند قبرستان کی جانب بھاگی زیبا کے چیخنے کی آواز پر وہ بالکل بدحواس ہوکر اسے ڈھونڈ رہی تھی زیبا کہاں ہو تم مغرب کی اذانیں شروع ہوچکی تھیں یک دم خاموشی سی چھا گئی تھی پورے قبرستان میں اب صرف کنزہ کی آواز گونج رہی تھی زیبا کہاں ہو وہ روتی ہوئی اسے تلاش کر رہی تھی کہ اس کا پیر زور سے کسی چیز سے ٹکرایا جس پر وہ منہ کے بل گری وہ ایک کھلی قبر تھی جس کے پاس جا کر گری تھی اگلے لمحے اسے لگا اس کا دل خوف سے بند ہوجائے گا قبر میں لیٹا مردہ اس کو آنکھیں کھول کر دیکھنے لگا وہ میرا گھر ہے مردے کے لب دھیرے سے ہلے کنزہ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا لگا اگلے لمحے اسے اپنی آنکھوں کے آگے اندھیرا آتا محسوس ہوا۔

شکر تم کو ہوش تو آیا کنزہ کو آنکھیں کھولتا دیکھ کر رخسار سکون بھرا سانس لیتی ہوئی بولی وہ تینوں فکرمندی سے اس کے گرد بیٹھی تھیں ہم فیکٹری سے جب واپس آئے تو آپ کو قبرستان کے پاس بے ہوش پایا تھا زیبا بولی۔

زیبا تم قبرستان میں مجھے آواز دے رہی تھی اور وہ قبر کھلی ہوئی اس میں مردہ وہ بے ربط لہجے میں اس کا ہاتھ پکڑ کے گھبرائی ہوئی بولی۔

پہلی بات تو یہ کے میں فیکٹری میں تھی تم کو آواز کیوں دوں گی اور دوسری بات وہاں کوئی قبر نہیں کھلی تھی لگتا ہے بخار تمہارے سر پر چڑھ گیا جو تم قبرستان پہنچ گئی تھی زیبا اس کی بات کو ہنسی میں اڑاتے ہوئے بولی مگر شفق اور رخسار کنزہ کی بات پر کھٹک سی گئی تھی ان کو لگ رہا تھا کنزہ نے جو بولا وہ غلط نہیں بولا تھا۔

کنزہ کی بات پر مجھے پورا یقین ہے رات کنزہ کے سونے کے بعد رخسار بولی ایسا کیسے ہوسکتا ہے زیبا اس کی بات پر بولی۔ کیوں نہیں ہوسکتا زیبا ابھی مین نے اور شفق نے بھی کچھ دن پہلے کچھ ایسا ہی دیکھا تھا وہ دونوں اسے قبرستان میں کھڑے شخص کا بتانے لگیں جو انہوں نے دیکھا تھا رخسار کی بات پر زیبا چپ سی ہوگئی کن سوچوں میں پڑ گئی اسے خاموش دیکھ کر شفق بولی۔

کچھ نہیں بس یہی کے محسوس میں نے بھی بہت کیا ہے کے کچھ عجیب سا محسوس ہوتا ہے مگر کیا کریں یہاں رہنا

بھی مجبوری ہے جب تک کوئی دوسرا گھر نہیں مل جاتا زیبا کی بات پر وہ دونوں اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

دوسرے دن وہ لوگ فیکٹری سے واپسی میں گھر کی کچھ ضروری چیزوں کی خریداری کرتی ہوئی آئی تھیں زیبا گھر آ کر وہ سامان اسٹور روم میں رکھنے کے لئے چلی گئی تھی کیونکہ وہ لوگ سامان وہیں رکھتی تھیں۔

ابھی الماری کھولی ہی تھی کہ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی اور بھی ہے کمرے میں وہ ارد گرد دیکھنے لگی مگر اسے کوئی نظر نہیں آیا وہ سر جھٹک کر الماری میں کچھ تلاش کرنے لگی کے اسے محسوس ہوا کوئی اس کے پیچھے کھڑا ہے زیبا نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا تو کوئی نہ تھا وہ اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھی ہو سکے میرا وہم ہو وہ خود کو تسلی دے کر سامان الماری میں رکھ ہی رہی تھی کہ اچانک بچے کے رونے کی آواز کمرے میں گونجنے لگی زیبا اپنی جگہ خوف سے ساکت ہوگئی۔

میرا گھر ہے تم لوگ چلی کیوں نہیں جاتیں۔

مردانہ آواز میں کافی برہمی محسوس ہوئی جس پر اس کا دل لرز سا گیا وہ گھبرا کر تیزی سے اسٹور روم سے باہر آ گئی کہ سامنے سے آتی کنزہ سے ٹکرا گئی کیا ہو گیا ہے کنزہ جھنجلا کر بولی وہ اندر کوئی ہے وہ اسٹور کی جانب دیکھتے ہوئے ہکلاتی ہوئی بولی۔

اس کے کہنے پر کنزہ اندر جا کر دیکھنے لگی کوئی بھی نہیں ہے زیبا کنزہ باہر آتی ہوئی بولی جس پر زیبا مزید خوفزدہ سی ہوگئی۔

ندا تم ذکر کر رہی تھی نہ تمہاری طرف کوئی کرائے کا گھر ہے شفق اس سے پوچھنے لگی ندا ان کے ساتھ گارمنٹ فیکٹری میں کام کرتی تھی اور اس نے کچھ دن پہلے ہی کرائے کے گھر کا ذکر کیا تھا اگر مناسب کرایہ ہو تو تم بات کرنا اس کے ساتھ کھڑی زیبا ندا سے بولی۔

ٹھیک ہے میں بات کر کے بتاتی ہوں زیبا کی بات پر ندا بولی۔

وہ لوگ خود بھی چاہ رہی تھیں کہ جلد سے جلد وہ لوگ وہ گھر چھوڑ دیں۔ دن تو گزر ہی جاتا تھا فیکٹری میں مگر رات گزارنا اب کسی عذاب سے کم نہ لگتا تھا گھر میں محسوس ہونے والی پراسراریت اور کھڑکی سے نظر آتی قبریں ان کو وحشت میں مبتلا رکھتی تھیں۔

رات وہ چاروں سونے کی تیاری کر رہی تھیں کہ باہر دروازے پر ہونے والی دستک پر وہ چونکیں رات کے بارہ بجے کون آ گیا شفق اٹھتے ہوئے بولی اور کمرے کا دروازہ کھول کر صحن کی جانب بڑھی۔

رکو میں بھی چلتی ہوں زیبا اس کے پیچھے آتے ہوئے بولی شفق نے دروازہ کھولا تو باہر ایک نو سال کا بچہ کھڑا تھا۔

کیا ہوا بیٹا کون ہو شفق سامنے کھڑے بچے سے پوچھنے لگی۔

آنٹی آپ کو سجاد بھائی بلا رہے ہیں وہ مالک مکان کا نام لیتے ہوئے بولا بچے کی بات پر زیبا شفق حیرانگی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ بیٹا اس وقت تو ہم نہیں چل سکتے ایسا کرنا کل صبح آ جانا ہم تمہارے ساتھ چلے چلیں گے شفق اس کی بات پر بولی۔ آنٹی سجاد بھائی کو آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے بچہ بضد تھا ان کو ساتھ لے جانے پر وہ پریشان سی ہوگئیں مگر پھر بچے کے اصرار پر راضی ہوگئیں۔

میں بھی ساتھ چلتی ہوں رخسار وہاں آتے ہوئے بولی رکو ہم آتے ہیں وہ لوگ بچے سے کہتی ہوئی اندر چادر لینے کی غرض سے چلی گئیں۔

یار تم لوگوں کا دماغ خراب تو نہیں ہو گیا جو اتنی رات گئے تم لوگ اس بچے کے ساتھ جا رہی ہو تم لوگ بول دو ابھی جا ہم صبح آ جائینگے کنزہ ان لوگوں کو سمجھاتے ہوئے غصے سے بولی۔

بات سنو بیٹا ابھی تم جاؤ ہم صبح آ جائیں گے کنزہ دروازے کے پاس کھڑے بچے کو دیکھ کر بولی۔

آنٹی سجاد بھائی کو بہت ضروری کام ہے وہ بچہ بولا ہاں بیٹا وہ ضروری بات صبح بھی ہو سکتی ہیں ہے کنزہ نے کہہ کر دروازہ بند کر دیا جس پر وہ بچہ زور زور سے دستک دینے لگا بیٹا ہم صبح آ جائینگے بولا ہے نہ کنزہ دروازہ کھولے بغیر خود پر ضبط کرتی ہوئی بولی مگر باہر کھڑا بچہ ڈھیٹائی سے دروازہ بجاتا رہا۔

تم لوگوں کی عقل گھاس چرنے چلی گئی ہے کوئی بھی

آئے گا اور تم لوگ اس کے ساتھ چل پڑو گی رات کے اس وقت وہ اندر کمرے میں جا کر ان تینوں پر برس پڑی مجھے تم لوگوں سے اس حماقت کی توقع نہ تھی کنزہ افسوس سے بولیں جس پر ان کو بھی احساس ہوا کہ وہ لوگ کتنی بڑی غلطی کرنے جارہی تھیں۔

سامنے دیکھو زیبا کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی تو ایک عورت بری طرح سے روتی ہوئی ان کی کھڑکی کے قریب آ گئی اس کے اس طرح سے قریب آنے پر وہ چاروں ڈر سی گئیں۔

میری مدد کرو میرا شوہر اور بچہ کھو گیا ہے وہ سسکیوں سے روتی ہوئی بولی میرے ساتھ چلو میری مدد کرو اس عورت کی فریاد پر زیبا کو خطرے کی گھنٹی بجتی ہوئی محسوس ہوئی اسے کچھ درست نہیں لگ رہا تھا جس پر زیبا نے تیزی سے کھڑکی بند کر دی اس کے کھڑکی بند کرتے ہی وہ عورت زور زور سے کھڑکی پر دستک دینے لگی کھڑکی پر ہونے والی دستک اس قدر تیز تھی کے لگ رہا تھا کھڑکی ٹوٹ جائے گی رات بھر ہونے والی دستک کی وجہ سے وہ پوری رات ان کی آنکھوں میں گزر گئی۔

☆.....☆.....☆

ندا کے توسط سے ان لوگوں کو دوسرا کرائے کا گھر مل چکا تھا مناسب کرایہ تھا اور جس جگہ گھر تھا وہ کافی رونق والی جگہ تھی جس پر وہ چاروں ہی کافی خوش تھیں۔

سب سامان دیکھ لو کچھ رہ نہ جائے زیبا اسٹور میں آتی ہوئی رخسار سے بولی کل صبح وہ لوگ نئے گھر میں شفٹ ہو رہی تھیں۔

کیا ہوا تم سن نہیں رہی زیبا بت بنی رخسار کو ہلاتے ہوئے بولی یہ تصویر کس کی ہے زیبا اس کے ہاتھ سے تصویر لیتے ہوئے بولی اس تصویر میں ایک مرد عورت ساتھ کھڑے تھے جو میاں بیوی معلوم ہو رہے تھے ساتھ ان کے ساتھ ایک بچہ کھڑا تھا یہ بچہ وہی تھا جو کل ان کے دروازے پر ان کو بلانے آیا تھا مگر اس تصویر کے پیچھے دیکھو تاریخ لکھی ہے چھ سال پہلے کی تو اس حساب سے یہ بچہ تو اب بڑا ہوتا یہ تو اتنا ہی ہے جتنا تصویر میں ہے رخسار الجھے انداز میں بولی۔

ارے یہ عورت تو وہی ہے ناں جو ہماری کھڑکی کے پاس کل آئی تھی رخسار جو تصویر میں موجود عورت کو دیکھتی ہوئی سوچ رہی تھی اس نے اسے کہاں دیکھا ہے اسے یکدم جیسے یاد سا آ گیا کے کل ہی اس نے دیکھا تھا اس سے پہلے زیبا کچھ بولتی باہر دروازے پر ہونے والی دستک پر وہ دونوں باہر آ گئیں جہاں ان کا مالک مکان سجاد کھڑا تھا۔

سوری جب آپ نے بلایا تھا ہم آ نہیں سکے تھے آپ کے پاس پھر آپ سے فون پر ہی بات ہو گئی تھی مگر آنے کا اتفاق نہ ہو سکا تھا زیبا معذرت خواہانہ انداز میں بولی میں نے کب بلایا تھا آپ کو سجاد ان کی بات پر حیرانگی سے بولا وہ بچہ آیا تھا ناں بلانے زیبا بولی نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں نے کسی کو نہیں بھیجا سجاد ان کی بات کی تردید کرتے ہوئے بولا۔

میں یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا آپ لوگوں سے پوچھ لوں کہ کل آپ گھر خالی کر رہی ہیں ناں سجاد پوچھنے لگا۔

جی ہم کل خالی کر رہے ہیں آپ کو کل چابی دے دینگے زیبا بولی جی ٹھیک ہے وہ کہہ کر پلٹنے لگا۔

بات سنیں بھائی رخسار کی آواز پر وہ رک کر اسے دیکھنے لگا یہ کون ہے وہ تصویر اسے دکھاتے ہوئے پوچھنے لگی یہ تصویر آپ کو کہاں سے ملی وہ پوچھنے لگا۔

اسٹور روم سے ملی تھی رخسار بولی یہ میرے ماموں ممانی ہیں اور یہ ان کا بچہ آج سے چھ سال پہلے ان کا کسی نے بہیمانہ قتل کر دیا تھا وہ افسردگی سے بتانے لگا پاس کھڑی زیبا اور رخسار کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی یہی بچہ تو آیا تھا بلانے کے آپ ہمیں بلا رہے ہیں اور یہ خاتون کل رات رو رہی تھیں کہ ان کے شوہر اور بچہ گم ہو گیا ہے رخسار لرزتی ہوئی آواز میں بولی جس پر سجاد کے چہرہ فق ہو گیا۔

آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی یہ نہیں ہو سکتا سجاد کہتا ہوا چلا گیا کنزہ اور شفق بھی تصویر دیکھ کر پہچان گئی تھیں اور ان کو سوچ کر ہی خوف آ رہا تھا کہ جو بچہ ان کے دروازے پر آیا تھا اور جو عورت کل نظر آئی تھی وہ آج سے

چھ سال پہلے مر چکے تھے۔

اچھا ہم ادھر سے جا رہے ہیں کبھی کچھ تو کبھی کچھ ہوتا ہے شفق بولی خوف میں دن رات گزرتے تھے شفق سہمے ہوئے انداز میں بولی۔ ہاں شکر ہے یہاں سے نکل جائیں گے چلو اب سو جا صبح جلدی اٹھنا ہے کنزہ بستر پر دراز ہوتی ہوئی بولی وہ چاروں لیٹ گئیں اور کچھ دیر بعد ہی سو گئیں آدھی رات کے وقت شفق کی آنکھ کھلی تو اسے پیاس لگ رہی تھی مگر اسے باہر جاتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا کہ کھٹکے کی آواز پر وہ ڈر کر اچھل گئی اس نے ڈرتے ڈرتے آواز کے تعقب میں دیکھا تو وہ آواز کھڑکی کے پاس سے آ رہی تھی کوئی لگ رہا تھا زور زور سے کھڑکی بجا رہا تھا آواز اس قدر تیز تھی کے وہ تینوں بھی اٹھ کر بیٹھ گئیں کھڑکی کے باہر کوئی کھڑا ہے کنزہ بولی وہ چاروں ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں اور آہستگی سے کھڑکی تک آئیں تو کھڑکی کے باہر سفید لبادے میں جو آدمی کھڑا تھا ان کو دیکھ کر ان کی چیخ نکل گئی یہ وہی تصویر والا آدمی تھا۔

''میرا گھر ہے یہ'' اس آدمی کی بھیانک آواز پر ان چاروں کا خوف سے برا حال تھا اس سے پہلے وہ لوگ کچھ سمجھتیں قبرستان کی طرف سے ایک عورت اور بچہ آتے دکھائی دیئے نزدیک آنے پر خوف سے ان کی آنکھیں پھٹ گئیں وہ وہی عورت اور بچہ تھے جو تصویر میں موجود تھے اور جو کل رات نظر آئے تھے۔

''یہ ہمارا گھر ہے'' خالی کرو عورت اور بچے کی سرد آواز پر ان چاروں کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا شفق نے ہمت کی اور تیزی سے کانپتے ہاتھوں سے کھڑکی بند کر کے کنڈی چڑھا دی مگر باہر کھڑے تینوں مردہ وجود بری طرح سے کھڑکی پیٹ رہے تھے یہ ہمارا گھر ہے خالی کرو ان کی آوازوں پر ان چاروں نے خوف سے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لی تھیں۔

رات بھر ہونے والی دستک ان کو اپنے کانوں میں ہتھوڑے کی مانند برستی محسوس ہوئی وہ چاروں خوف سے ایک دوسرے سے لگی بیٹھی رہیں فجر کی آواز پر دستک کی آواز رک سی گ ء جس پر ان کے اوسان بحال ہوئے اور اگلے ہی دن وہ لوگ گھر خالی کر کے چلی گئی تھیں۔

انہیں ابھی نئے گھر میں شفٹ ہوئے کچھ ماہ ہی گزرے تھے کے انہوں نے سنا سجاد ان کے پرانا مالک مکان نے خودکشی کر لی ہے اور اپنی موت سے پہلے اس نے خود اعتراف کیا تھا کہ وہ اپنے ماموں ممانی کی موت کا ذمے دار تھا وہ گھر اس کے ماموں ممانی کا تھا اور اس نے اپنے ماموں کو نشہ آور دوا کھلا کر گھر کی فائل پر سائن کرائے تھے بعد ازاں اس نے اپنے ماموں ممانی اور ان کے بیٹے کو قتل کر کے پاس کے قبرستان میں دفنا دیا تھا اور خود اس گھر پر قبضہ کر لیا تھا مگر اس کے بعد اس گھر میں اس کے ماموں مامی اور ان کے بیٹے کی روح نے ایک لمحہ اسے سکھ کا نہ گزارنے دیا دن رات اس کے اس گھر میں خوف میں گزرتے ہمہ وقت گھر سے آنے والی آوازیں اور میرا گھر خالی کرو کی آوازوں سے وہ خوفزدہ ہو کر گھر چھوڑ کر اس نے کرائے پر اٹھا دیا تھا مگر کرائے داروں کو بھی روحوں نے خوفزدہ کیے رکھا جس کی بنا پر کوئی کرائے دار نہیں رکھا تھا۔

انسان پیسوں کی ہوس میں اندھا ہو جاتا ہے اسے کچھ نظر نہیں آتا شفق رخسار آپس میں باتیں کرتی ہوئی جا رہی تھیں انہیں بہت افسوس تھا کہ اتنے سے پیسے کے لئے کس طرح سے لوگ دوسروں کو جانی نقصان پہنچاتے ہیں۔

آج کسی ضروری کام سے ان کا اس طرف سے گزر ہوا تو بے ساختہ گھر کے آگے سے گزرتے ہوئے ان کو وہاں گزارے دن یاد آئے تو انہیں اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔

شفق کی نظر کھلی کھڑکی پر پڑی تو اسے وہ اندر تینوں کھڑے دکھائی دیئے جس پر وہ دونوں گھبرا کر تیز قدموں سے آگے بڑھ گئیں۔

ان روحوں نے سجاد سے اپنا انتقام لے لیا تھا آج وہ گھر خالی ہے مگر بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ گھر خالی ہوتے ہوئے بھی اب خالی نہیں ہے۔

موت کا سلسلہ

محمد شعیب۔فیصل آباد

خون میں لت پت ایک جسم نوجوان کی طرف بڑھ رہا تھا، نوجوان چیختا چلاتا رہا مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آیا۔ خون..... خون صرف ایک لفظ تھا۔ جو نوجوان کی زبان سے جاری تھا مگر خون کا پیاسا.....

حقیقت سے چشم پوشی انسان کو نیست و نابود کر دیتی ہے..... کہانی پڑھ کر دیکھیں

برجستہ ہواؤں میں سختی ابھرنا شروع ہوئی تو ہر چہرے پر ایک عجیب سا تاثر ابھرنے لگا تھا۔ بالخصوص گاؤں کے بزرگ تو خوف سے نڈھال تھے۔ ہر آنکھ میں ایک وحشت اترتی جا رہی تھی۔ انہی میں بابا وحید شامل تھے۔ جن کے ہاتھوں میں تسبیح کا ایک نہ رکنے والا تسلسل شروع ہو چکا تھا۔

''پھر سے وہی طوفان..... وہی خراب موسم۔''

بابا وحید کی زبان سے الفاظ بھی جاری ہونے سے قاصر تھے۔ بابر جو کہ ان کا پوتا تھا۔ حیرانی سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔ بابا وحید کا یہ انداز اس کے لیے بالکل نیا تھا۔

''پھر سے؟ کیا مطلب ہے بابا؟ پہلی بار موسم تھوڑی بدلا ہے؟ ہاں یوں اچانک سے گھٹا ضرور چھائی ہے مگر دیکھیے گا کچھ ہی دیر میں بارش ہوگی اور پھر موسم کھل جائے گا۔ ویسے بھی آجکل تو انسانوں کا بھروسہ نہیں، یہ تو

پھر موسم ہے۔'' وہ ان کی باتوں کو ہلکا جان رہا تھا۔ تبھی بات کا رخ اپنے مطلب ڈھالنے کی سعی کر رہا تھا۔

''نہیں بیٹا..... تم سمجھ نہیں رہے۔ یہ خراب موسم، عام دنوں کی طرح نہیں ہے۔ اس کے پیچھے اسی کا ہاتھ ہے۔'' آسمان کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنی بات مکمل کی تھی۔ جس پر وہ ٹھٹکا۔

''بابا وحید ٹھیک کہہ رہے ہیں بابر۔ بربادی کا موسم پھر سے شروع ہو چکا ہے۔ ہمیں جلد سے جلد یہ گاؤں چھوڑنا ہوگا ورنہ کوئی بھی نہیں بچے گا۔ ایک بار پھر وہی ہوگا۔ جو وہ لکھے گا اور دیکھ لینا اس قلم سے کچھ اچھا نہیں لکھا جائے گا۔ صرف تباہی..... بربادی..... یہی لکھے گا وہ۔'' اقبال بابا بھی اب بابا وحید کا ساتھ دے رہے تھے۔ گاؤں میں یہی دو بزرگ لمبی عمر کے تھے۔ دونوں کی عمر نوے کو عبور کر چکی تھی۔ اس طرح کئی راز ایسے تھے جو صرف یہ دونوں ہی جانتے تھے اور یہ راز بھی انہی میں سے ایک تھا۔

یک دم ہوا میں خنکی کا احساس بڑھنے لگا تھا۔ کہنے کو تو یہ اپریل کا مہینا تھا مگر محسوس یوں ہو رہا تھا جیسے دسمبر اپنے جوبن پر ہو اور ہر طرف سے سرد ہوائیں ان کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہوں۔ سب اپنے دونوں بازوں کو سینے پر باندھے اپنے جسم کو گرمی پہنچانے کی کوشش کر رہے تھے۔

''بابا..... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میری کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ جو وہ لکھے گا..... تباہی..... بربادی..... ان سب سے کیا مطلب ہے آپ کا؟'' روبینہ آگے بڑھی۔ دوپٹے کو اچھے سے اپنے گرد لپیٹتے ہوئے وہ بھی سردی سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام گھروں کی کھڑکیاں دروازے بند ہونے لگے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سردیاں لوٹ آئی ہیں اور آتش دان ایک بار پھر روشن ہو چکے ہیں۔

اس خراب موسم میں فقط یہ چار افراد ہی گاؤں کے چوراہے پر موجود تھے۔ دن بھر کی باتیں اور معمول کو ایک دوسرے سے بانٹنے یہ دوست ہمیشہ یہاں اکٹھے ہوتے تھے۔ آج دونوں کے ساتھ ان کے بچے بھی اس محفل کی رونق بنے تھے۔

''مطلب یہ کہ۔'' اس سے پہلے کہ بابا وحید کچھ کہتے، ہوا کے جھونکے سے ایک کاغذ اڑتا ہوا سیدھا ان کے منہ پر آگرا۔ جس پر وہ بری طرح چونکے تھے۔

''یہ کیسا کاغذ ہے؟ ایسا لگتا ہے جیسے ابھی ابھی کسی نے ڈائری سے پھاڑا ہے۔'' بابر کے لفظوں نے جیسے دونوں بزرگوں کی ہوائیاں اڑا دیں۔ وہ یک ٹک اس کاغذ کو دیکھنے لگے تھے۔

''دیکھو..... ذرا..... اس پر کچھ لکھا ہے کیا؟'' ہڑبڑاتے ہوئے اقبال بابا نے کہا۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' روبینہ آگے بڑھی مگر بابر نے فوراً وہ کاغذ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ ہوا میں خنکی کے ساتھ اب عجیب سی ظلمت بھی شامل ہو رہی تھی۔ بظاہر تمام روشنیاں روشن تھیں مگر دیکھنے میں اب دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

''بہت ہی عجیب و غریب تحریر لکھی ہے اس پر۔'' بابر کی پیشانی پر سلوٹیں نمایاں ہوئی تھیں۔

''کیا لکھا ہے؟'' بابا وحید نے پوچھا تھا۔

''کالا سایہ مسلسل اُس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بچانے کی مسلسل کوشش کر رہی تھی۔ وحشت کے سبب اس کا پورا جسم پسینے سے شرابور تھا مگر وہ اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جنگل کی حدود سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آسمان سے باتیں کرتے درخت جیسے اس کے ڈر کو ہوا دے رہے تھے۔ بھاگتے ہوئے اس کا پاؤں بری طرح ایک پتھر سے ٹکرایا اور وہ منہ کے بل زمین پر جا گری۔ اس کی ہکلائی ہوئی آواز مدد کے لیے پکار رہی تھی مگر سب بے سود تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ اپنے آپ کو سنبھال پاتی کالے سائے نے اسے آدبوچا اور اگلی سانس لینے کی بھی اسے مہلت نہ ملی۔'' تحریر مکمل پڑھنے کے بعد اُس نے بے رخی کے ساتھ اس کاغذ کو پھاڑ ڈالا۔

''کیا بکواس لکھی ہے۔'' اس کے چہرے پر غصہ نمایاں تھا۔ روبینہ بھی بے نیاز دیکھائی دے رہی تھی جبکہ بابا وحید اور اقبال بابا کے تو رونگٹے کھڑے ہو چکے تھے۔ اس سے پہلے کہ مزید گفتگو ہوتی ایک قہر برپا ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

چاروں ایک ایسے کمرے میں موجود تھے، جہاں سے ڈوبتے سورج کی ٹھنڈی روشنی چپکے سے داخل ہو رہی تھی۔ ایک عجیب سی خاموشی کا عالم تھا۔ روبینہ سب کے لیے چائے بنا کر لائی تھی۔ بابا وحید اور اقبال بابا کو چائے دینے کے بعد وہ بابر کی طرف بڑھی، جو کہ دیوار کے ساتھ کھڑا باہر آسمان کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''چائے۔'' اچانک آواز پر وہ چونکا اور پلٹ کر دیکھا۔

''شکریہ۔'' کپ تھامنے کے بعد ایک بار پھر وہ انہی سوچوں میں ڈوب چکا تھا۔ جن میں وہ پہلے ہی کھویا ہوا تھا۔

'' بابا اب آپ کو ہمیں حقیقت بتانا ہی ہوگی۔ آخر کیا چھپا رہے ہیں آپ ہم سے۔'' پلٹتے ہی روبینہ نے استفسار کیا تھا۔

'' بیٹا..... چند حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں سامنا نہیں آنا چاہیے۔ وہ ماضی کے پنوں میں ہی رہیں تو بہتر ہے۔'' اقبال بابا نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا تھا۔

''جو کچھ کل ہوا..... ان سب کے بعد بھی؟''

بابر ان کی طرف بڑھنے لگا اور چائے کا کپ سامنے میز پر رکھ کر ان کو بغور دیکھنے لگا۔ ایک بار پھر کل کا منظر نگاہوں کے سامنے تھا۔ شازیہ کی عجیب و غریب لاش..... جو کل کسی وحشی درندے نے نوچ کھائی تھی..... جسم پر ایک رقت طاری کیے ہوئے تھی۔

'' بابر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ وہ ایسے ہی نوچی ہوئی لاش تھی۔ جیسا اس تحریر میں لکھا تھا۔ یہ سب اتفاق ہے یا حقیقت؟ ہمیں کچھ تو بتائیں۔'' اس بار روبینہ کے اندر بھی تجسس جنم لے رہا تھا۔

'' اگر تم بضد ہو تو سنو..... وہ سب حقیقت تھا۔ شازیہ کی موت اسی تحریر کی وجہ سے ہی ہوئی ہے۔'' بابا وحید نے جیسے ان کے سر پر بم پھوڑا تھا۔

''اس تحریر کی وجہ سے موت..... امپاسیبل۔''

بابر کی زبان سے بے ساختہ جاری ہوا تھا۔

''ہاں.....'' اقبال بابا نے اثبات میں سر ہلایا۔

''مگر کیسے؟'' روبینہ نے مزید پوچھا۔

''بیٹا..... یہ سلسلہ آج کا نہیں ہے۔ برسوں پہلے کا ہے۔ جب ایک لکھاری ہوا کرتا تھا۔ اس کی تحاریر کے چرچے بہت دور دور تک تھے۔ دنیا کا کوئی کونہ ایسا نہ تھا جہاں اس کے لکھے ہوئے کو پسند نہ کیا جاتا ہو۔ بلکہ یوں کہنا بجا تھا کہ جو وہ لکھتا تھا، دل میں اتر جاتا تھا۔ لوگ اس کی تحاریر کو حقیقت سمجھتے تھے اور سمجھنا بھی چاہیے تھا کیونکہ وہ لکھتا ہی حقیقت تھا۔ پیار..... محبت..... انس..... دوستی..... زندگی کے نشیب و فراز۔ غرض ہر عنوان پر اس کی تحاریر موجود تھیں۔'' یہ کہتے ہوئے بابا وحید ماضی میں کھو چکے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھری۔ شاید وہ تحاریر ایک بار پھر ان کے دماغ میں نقش کرنے لگی تھیں۔

''دو کام''

حضرت لقمان ایک روز ایک بڑی مجلس میں لوگوں کو حکمت کی باتیں سنا رہے تھے۔ ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا۔ ''آپ وہی نہیں جو میرے ساتھ فلاں جگہ جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔''

حضرت لقمان نے فرمایا۔ ''ہاں میں وہی ہوں۔''

اس شخص نے پوچھا۔ ''پھر آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا کہ خلق خدا آپ کی تعظیم کرتی ہے اور آپ کے کلمات سننے کے لئے دور دور سے جمع ہوتی ہے۔''

حضرت لقمان نے فرمایا اس کا سبب میرے دو کام ہیں ایک ہمیشہ سچ بولنا دوسرے فضول باتوں سے اجتناب کرنا۔

(ایس امتیاز احمد)

''اگر وہ اتنا اچھا لکھاری تھا تو یہ سب؟'' روبینہ سے رہا نہ گیا۔ تبھی معجل سوال کیا۔

''بالکل..... وہ ایک اچھا لکھاری تھا اور وہ اپنی تحاریر کے ذریعے حقیقت ہی لکھتا تھا۔ اس نے دنیا کے ہر موضوع پر لکھا تھا سوائے ڈر کے۔ وحشت کے اور ظلم کے۔

ایک دن ہوا کچھ یوں کہ اسے خوف و دہشت پر مبنی کہانی لکھنے کو کہا گیا۔ پہلے پہل تو وہ منع کرتا رہا۔ وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ محبت کا پیکر ہے اور محبت ہی لکھنا چاہتا ہے مگر اصرار جاری رہا۔ فرمائش کرنے والے نے اسے ایک قلم بطور تحفہ دیا تھا اور اسی قلم کے ذریعے اس خوف و دہشت پر مبنی کہانی لکھنے کو کہا گیا۔ اُس نے وہ قلم قبول کیا اور کہانی لکھنے کے لیے مہلت مانگ لگی۔''

''تو کیا اس نے وہ کہانی لکھی؟'' اس بار بابر نے استفسار کیا تھا۔

''ہاں.....!'' اقبال بابا نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کہانی لکھنے کے بعد اس نے فرمائش کرنے والے کو دی اور اگلے دن ہی اس شخص کی موت بالکل ویسے ہی ہوئی جیسا کہ اس نے کہانی میں اپنے کردار کی کی تھی۔ اس پر وہ بری طرح ڈر گیا اور کبھی ایسی کہانی لکھنے کا عہد کیا۔ اسی طرح کافی عرصہ گزر گیا اور ایک بار پھر اسے ایسی ہی کہانی لکھنے پر مجبور کیا گیا۔ پہلے کی طرح اس نے منع کیا مگر اس بار اسے پوری تحریر لکھنے کی بجائے ایک اقتباس لکھنے کا کہا گیا۔ چنانچہ وہ مان گیا اور چند سطریں لکھیں اور پھر وہی ہوا، جو پہلے ہوا تھا۔'' یہ سب کہتے ہوئے ان کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔ بابا وحید بائیں جانب مڑے اور ایک الماری کا پٹ کھولا۔ وہاں ایک پرانا صندوق تھا۔ انہوں نے اسے کھولا اور مٹی جھاڑتے ہوئے وہاں سے کاغذ کے کئی ٹکڑے لے کر پلٹے۔

''یہ سب کیا ہے؟'' بابر نے حیرت سے پوچھا۔

''خود پڑھ کر دیکھ لو۔'' یہ کاغذ اس کو تھمائے۔ جنہیں جھاڑتے ہوئے اس نے پڑھنا شروع کیا۔

''وہ آخری منزل پر تن تنہا بیٹھا تھا۔ رات کی تنہائی..... اور چودھویں کے چاند کا اس پر عجیب سا نشہ طاری ہوا تھا۔ کئی لمحے وہ اپنی ہی سوچوں میں ڈوبا اور پھر اس نے بنا سوچے سمجھے اس چھت سے چھلانگ لگا دی۔'' یہ پڑھنے کے بعد اس نے اگلا ورق آنکھوں کے سامنے کیا۔

''خون میں لت پت ایک جسم اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ چیختا چلاتا رہا مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آیا۔ خون..... خون..... صرف ایک لفظ تھا جو اس کی زبان سے جاری تھا۔ خون کا یہ پیاسا..... یہ جسم..... اس بچے کا خون پینا چاہتا تھا۔'' اس سے آگے وہ ایک لفظ نہ پڑھ سکا۔

''یہ سب کیا ہے؟ یہ کہانیاں ہیں؟ صرف چند سطریں.....؟'' بابر جھلایا تھا اور کاغذ ہوا میں اڑا دیئے۔

''یہ سطریں نہیں بلکہ حقیقت ہیں۔ جنہوں نے ان سب بے گناہ لوگوں کی جان لی ہے۔'' بابا وحید اب بھی اسی کے قائل تھے۔

''میں نہیں مانتا..... سب بکواس ہے۔ بھلا ایک شخص کے لکھنے سے کسی کی موت ہو سکتی ہے؟''

''بیٹا..... ابھی تم ناسمجھ ہو۔ ان سب باتوں کو نہیں سمجھتے۔ وہ عام لکھاری نہیں ہے۔ وہ حقیقت لکھتا ہے اور آج تک اس نے جو لکھا ہے۔ وہ کبھی غلط ثابت نہیں ہوا۔'' اقبال بابا نے سمجھانا چاہا تھا۔

''اگر ایسا ہے تو آپ سب لوگوں نے اسے ایسا کرنے سے روکا کیوں نہیں؟'' اس نے تیور چڑھا کر کہا۔

''تم کیا سمجھتے ہو؟ کسی نے اسے نہیں روکا۔ ایک بار نہیں ہزار بار روکا۔ بلکہ.....!'' یکدم اس کی زبان پر خاموشی نے جگہ بنالی۔

''بلکہ کیا؟'' روبینہ نے پوچھا۔

''گاؤں والوں نے تو تنگ آ کر اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اسے مزید لکھنے سے روکا مگر وہ نہ مانا اور پھر انہوں نے سب کی مشاورت سے اس کو زندہ جلانے کا فیصلہ کیا اور اس کے گھر کو آگ لگا دی۔''

''کیا..... اس کو زندہ جلا دیا؟'' بابر کی دونوں آنکھیں تقریباً باہر تھیں۔

''اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا مگر اس کی موت کے

بعد بھی یہ کھیل رکا نہیں بلکہ آئے دن عجیب وغریب واقعات ہوتے رہے۔ ہر روز ایک نئی تحریر ملتی اور پھر اسی لکھی ہوئی تحریر کی طرح کسی کی لاش ملتی۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' روبینہ نے حیرت سے پوچھا۔

''یہی تو حیرت کی بات تھی۔ وہ خود تو مرگیا اور مگر اپنی لکھنے کی عادت کو چھوڑ گیا۔ کہا جاتا ہے جب بھی کوئی شخص اس لکھاری کے قلم کو چھوتا ہے تو اس لکھاری کی روح اس کے جسم کو اپنے قبضے میں لے لیتی ہے اور پھر وہ شخص وہی کرتا ہے جو وہ لکھاری روح سے کروانا چاہتی ہے۔'' اقبال بابا نے کہا تھا۔

''یعنی اس قلم کے چھوتے ہی ایک بار پھر موت کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے؟'' بابر نے بنا پلک جھپکے کہا تھا۔ اس بار اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔ وہ سب کو باری باری دیکھے جارہا تھا۔ جہاں موت کا خوف صاف دیکھائی دے رہا تھا۔

''ہاں.....!'' اقبال بابا نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو اس بار کس نے اس قلم کو چھوا؟ ہمیں جلد سے جلد اس شخص کو ڈھونڈنا ہوگا اور وہ قلم اس سے واپس لینا ہوگی۔'' روبینہ نے مشورہ دیا تھا۔ جس پر دونوں بزرگوں نے اس کا ساتھ دیا۔

''مگر میرا خیال ہے۔ اس کام سے پہلے آپ سب کو آرام کرلینا چاہیے کیونکہ رات کافی ہوچکی ہے۔'' بابر نے باہر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''بالکل.....تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ آؤ روبینہ بیٹا چلتے ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی وہ دونوں باہر کی طرف چل دیئے۔ ان کا گھر چند گز کے فاصلے پر ہی تھا۔ بابا وحید بھی اپنے کمرے کی طرف بڑھے۔ سب کے چلے جانا کے بعد بابر نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا اور کھڑکی سے باہر کی جانب دیکھا جہاں سے روبینہ اور اقبال بابا کا سایہ دیکھائی دے رہا تھا۔

''سب سے پہلے تو مجھے انہیں ختم کرنا ہوگا۔'' اس کے لبوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ ابھری اور ساتھ ہی اس نے اپنی الماری سے ایک قلم نکالا جو کہ بظاہر پرانا تھا مگر ایک کشش اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔

''رات کی تاریکی میں دادا پوتی اپنے گھر کی طرف جارہے تھے کہ اچانک سے آسمان سے ایک سیاہ بادل زمین کی طرف بڑھنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔ اس دھوئیں کے زہر سے دونوں موقع پر ہی دم توڑ گئے۔'' کاغذ پر تحریر کرتے ہی اس نے باہر کی جانب دیکھا تو لکھا ہوا سچ ہوچکا تھا۔ سامنے دو لاشوں کا عکس دیکھائی دے رہا تھا۔

وہ مسکرایا۔

''اب میرے راستے میں کوئی نہیں آئے گا۔ ڈر کی دنیا میں ..... ایک بار پھر..... صرف میرا نام ہوگا کیونکہ میں واپس آچکا ہوں۔'' ایک قہقہہ گونجنے لگا تھا۔

''طاقت''

ڈرے ہوؤں کو مارنا طاقت کی اخلاقیات نہیں، اور اکڑے ہوؤں کو بخشنا طاقت کی نفسیات نہیں۔ طاقت کی نفسیات تو خود بخود بروئے کار آجاتی ہے۔ لیکن طاقت کی اخلاقیات دکھانا خالصتاً ایک شعوری عمل ہے۔ اپنی طاقت کا استعمال تو ہر ایک کو ضرور کرنا چاہئے لیکن طاقتوروں کو طاقتیں بخشنے والے سب سے عظیم طاقتور سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ وہ طاقت کی اخلاقیات توڑنے والوں کی طاقت سلب کرلیتا ہے اور پھر اس کی جانب سے طاقت کی نفسیات کا وہ اظہار ہوتا ہے کہ جو بڑے سے بڑے طاقتور کو کچل کر رکھ دیتی ہے۔

(ایس حبیب خان۔ کراچی)

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

تو بس گیا ہے جانے کس کے خوابوں کی جاگیر میں
کاش خدا لکھ دیتا مجھ کو تیری تقدیر میں
کرتا نہ بے وفائی کبھی تو مجھ سے اے دلنشیں
اگر اک بار جھانک لیتا تو اپنے ضمیر میں
(رابعہ آفرین.....لاہور)

ہماری چاہت کی تجھے نہ کچھ خبر ہوگی
تڑپتے ہوئے یوں ہی یہ شب بسر ہوگی
تیری فضا سے ہے یہ جہاں پھر روشن
تمہاری دید کے لائق نہ یہ نظر ہوگی
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

زندگی کے کسی موڑ پر خود کو تنہا نہ سمجھنا
میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں اپنے سے جدا نہ سمجھنا
میں تمہیں دل و جان سے بڑھ کر چاہتا ہوں
دیکھ میری محبت کو بے جان نہ سمجھنا
(محمد عادل بلوچ.....بھولے دی جھوک ساہیوال)

تم پھولوں کی طرح خوبصورت ہو معلوم ہے
دیکھو میری اس تعریف کو بے جان نہ سمجھنا
عمر بھر تیرا ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا ہے
زندگی نے اگر ساتھ نہ دیا تو بے وفا نہ سمجھنا
(نغمی سلطانہ.....لاہور)

یہ ضروری ہے کہ تم بھی ضروری ہو
ہم دور بھی نہ ہوں نہ کوئی ایسی مجبوری ہو
بے کار تو یوں بھی کوئی سوتا نہیں ہے روی
ساتھ بھی نہ ٹوٹے گر محبوب کی جی حضوری ہو
(عبدالجبار رومی انصاری.....بورے والا)

جس شخص نے آنکھوں سے اُڑا دیں میری نیندیں
آرام سے تو سویا کبھی، وہ بھی نہ ہوگا
(محمد آصف باجوہ. تلونڈی قصور)

آنکھوں کو انتظار کے لمحات سونپ دیا
نیندیں بھی کوئی لے گیا اپنے سفر کے ساتھ
(افشاں کبیر.....ساہیوال)

معلوم ہیں مجھے تیری مجبوریاں مگر
تیرے بغیر نیند نہ آئی تمام رات
(ندیم اختر.....صادق آباد)

دیکھوں تیری نگاہوں میں مسرت ہے آج بھی
سمجھو تو مجھ کو تم سے محبت ہے آج بھی
(نائلہ انجم.....لاہور)

ماضی کے حسین خواب نگاہوں میں سجائے
اک عمر ہوئی تجھ کو خیالوں میں بسائے
(سلطان احمد.....ملتان)

میرے محبوب تیرے دم سے ہے دنیا میں بہار
ورنہ غم سے بھری اس دنیا میں رکھا کیا ہے
(آصف باجوہ.....قصور)

نہیں معلوم مجھے اس سے محبت ہے کہ چاہت
دن بہ دن اس کی یاد میں ٹوٹتا بکھرتا جارہا ہوں
(محسن عزیز حلیم.....کوٹھاں کلاں)

تیرے دل میں تھوڑی سی جگہ مانگی تھی ہمدم
تو نے تنہائیوں کا سارا شہر میرے نام کردیا
(عبدالحلیم بھٹی اینڈ محسن.....کوٹھا کلاں)

وہ سمجھا ہی نہیں میرے اندر کی سادگی کو
سیرت دیکھی نہیں صورت کو بدنام کردیا
(عبدالکریم عزیز منی.....کوٹھا کلاں)

آخری گناہ تیری یاد تھی
اج اس سے بھی توبہ کرلی
(شہریار عزیز.....کوٹھا کلاں)

سر جھکانے سے نمازیں ادا نہیں ہوتیں
دل جھکانا پڑتا ہے عبادت کے لئے
(ماشتہ، بٹیا، چندا، نوشی.....کوٹھا کلاں)

تجھے سورج کہوں تو اس میں آگ ہے
تجھے چاند کہوں تو اس میں داغ ہے
تجھے اپنا کہوں تو اس میں شک ہے
تجھے پیار کروں میرا حق ہے
(ماشتہ، بٹیا، چندا، نوشی.....کوٹھا کلاں)

☆

وابستہ ہے ہماری مدینے سے زندگی
ہم نے لگا کے رکھی ہے سینے سے زندگی
خوشبو یونہی بسی نہیں دونوں جہاں میں
پائی ہے لب نے ان کے پسینے سے زندگی
طاری ہر ایک سمت پہ ہے موت کا سماں
آتی ہے ان کے پیار میں جینے سے زندگی
وسعت کرم سے اُن کے بہت سہل ہوگئی
ورنہ گزرتی کیسے میری زندگی
قمر دل میں شہرِ نبی کا خیال ہے
بڑھ کر چمک رہی ہے نگینے سے زندگی
(چوہدری قمر جہاں علی پوری.....ملتان)

''ہائے یہ محبت!
اُف یہ محبت!
ان سے بات کرنے کو جی چاہتا ہے!
پر وہ ہے کہ مصروف رہتے ہیں!
زندگی سے تنگ
زندگی سے بیزار رہتے ہیں!
زندگی سے کچھ تھکے تھکے
کچھ ناراض رہتے ہیں!
تجھ سے صرف اک ہی گلہ ہے
اے زندگی!
کہ وہ مجھ سے زیادہ
تجھ سے پیار کرتے ہیں
خوش قسمت ہے تو
اے زندگی
کہ وہ تیری خاطر
ہم سے اختلاف رکھتے ہیں!
ہائے یہ محبت!
اف یہ محبت!
(کائنات رشک تنویر.....لاہور)

کچھ ہم سے بھی باتوں کا تعین نہ ہوسکا
کچھ لوگ بھی ہم سے ناراض تھے بہت
کچھ قسمت نے بھی ساتھ نہ دیا ہے اپنا
کچھ حالات بھی اپنے تھے ناسازگار بہت
کچھ ہم بھی بے خودی میں کھوئے ہوئے تھے
کچھ وہ بھی عشق میں بے قرار تھے بہت
کچھ ہم بھی غریب تھے بہت تھے دوست
کچھ ان کے بھی نخرے بے شمار تھے بہت
اظہار محبت کیونکر ہوتا کسی سے آفرین
کچھ ہم بھی تھوڑے پاگل تھے، کچھ وہ بھی تھے محتاط بہت
(رابعہ آفرین.....لاہور)

وہ جو لفظوں کے پھول بوتے ہیں
خوشبو ہر دل میں ہی سموتے ہیں
ان کو الفت اسیر کرتی ہے
جن کے خود سر مزاج ہوتے ہیں
ان سے دنیا کنارہ کرتی ہے
وہ جو اپنے ہی رونے روتے ہیں
جو کسی کشتی میں کریں سوراخ
خود کو بھی ساتھ میں ڈبوتے ہیں
مجھ کو جب دیکھتے ہیں وہ یک ٹک
دل میں نغمے شریر ہوتے ہیں
جو تڑپتے ہیں ہجر کے بن میں
دِن میں جلتے ہیں، شب کو روتے ہیں
وہ بڑا کارساز ہے خانم!
اس کی رحمت سے زخم دھوتے ہیں
(فریدہ خانم.....لاہور)

جن سے تھی امید وفا کی وہ بدل گئے
نفرتوں کے دیپ پھر پیار میں ڈھل گئے
چار سو تاریک راہیں اور ایسے میں تنہائیاں
زندگی کے کارواں آج روشنی میں جل گئے
ان سے ملی نظریں ہماری دل کو سکون ملا
کسی سے اداس ہونٹوں پہ پھول خوشی کے کھل گئے
ملنا ہو تو آجاؤ دل پھر بھی سمندر ہے اپنا

گلشن گلشن گلاب مہکے آنکھ بچا کے نکل گئے
ہاتھوں کی لکیروں میں مقدر ڈھونڈتا رہتا ہوں
نصیب میں تھی تنہائی ہم لوگ وفا کے لئے مچل گئے
تو بھی نہ سوچ لوگوں کی طرح اب جاوید
چپ چاپ رہ کے بھی آنکھوں سے آنسو نکل گئے
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

میں دل سے تجھے چاہتا ہوں
تیری الفت کو دمان میں چھپانا چاہتا ہوں
تیری آنکھیں اک روشن ستارے کی طرح
ان کی روشنی میں زندگی کا سفر کرنا چاہتا ہوں
تیری باتوں سے مہکے سارا گلشن
ان ہونٹوں سے اک گفتگو کرنا چاہتا ہوں
تیرے سادہ پن میں ہے اک حسن کا جلوہ
میں تیرے اس حسن کو پوجنا چاہتا ہوں
اکثر ہر بات پر تیرا ہی نام آیا زبان پر
میں اپنی زندگی کو تیرا نام دینا چاہتا ہوں
میرے شعروں کے ہر لفظ نے تجھے پکارا
میں تیرے نام کی اک غزل لکھنا چاہتا ہوں
(محمد عادل بلوچ.....بھولے دی جھوک ساہیوال)

کسی سے سل نہ سکا جو وہ چاک داماں ہوں
کھلا نہ پھول کوئی جس میں وہ بیاباں ہوں
سزا یہ ہے کہ ہوں دنیا میں اجنبی کی طرح
خطا یہ ہے کہ میں اس دور میں بھی انساں ہوں
شغف تھا ایسا کہ تزئین بزم امکاں تھا
شکست ایسی کہ خود سے بھی اب گریزاں ہوں
بقدر ظرف کرو کسبِ فیض دیدہ دور
شمیم گل کی طرح میں یہاں پریشاں ہوں
طلسم عقدہ کشائی ہے میرا دستِ جنوں
مجھے پڑھو کہ میں عزمِ شکست زنداں ہوں
جو نغمے جاگے تو دنیا ہلا کے رکھ دیں گے
نہ مجھ سے الجھو کہ میں سازِ حشر ساماں ہوں
یہ حادثات جہاں کیوں ہوں در بدر واجد
خدا وہ دن ہی نہ لائے کہ میں تن آساں ہوں
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

چپ چاپ ہمارے جاناں، ہم سے دور چلے گئے
کرکے ہمیں دیوانہ ہم سے دور چلے گئے
لباس کی طرح روز محبوب بدلنا
ان کی فطرت ہے اس لئے وہ ہم سے دور چلے گئے
ہم بے خبر تھے ان کی فطرت سے شاہد
ہزاروں خواب آنکھوں میں بنتے رہے
کرکے ہمارے خوابوں کو پل بھر میں چکنا چور
اور ہم سے بن کر انجانہ وہ ہم سے دور چلے گئے
اپنے چھوٹے دام الفت میں پھنسا کر لوٹ کر شاہد
کرکے خود سے ہمیں بیگانہ وہ ہم سے دور چلے گئے
(امانت علی شاہد.....لاہور)

چاند تارے ٹوٹ جائیں گے
ہم تجھ سے روٹھ جائیں گے
وہ دن کب آئے گا زندگی میں
جب ہم تیرے محبوب کہلائیں گے
ہم دل نہیں توڑ سکتے ہیں
ہم یہ دنیا چھوڑ سکتے ہیں
وفا کی بات مت کرو تم چندو
ہم دریاؤں کا رُخ موڑ سکتے ہیں
مت کر جدا ہونے کی باتیں، کچھ تو خوف کھالے تو
یہ دنیا تو کوئی چیز نہیں، میرا عشق بھی آزمالے تو
تیرا عشق بے مثال، با کمال تھا چندو
اب لازم ہے جو وہ نہ ملی تو موت کو گلے لگالے تو
(مزمل حسین چندو.....لاہور)

پاکستان سلامت رہے
سلامت رہے، تا قیامت رہے
میرا وطن ہے میری شمع
میں اس کا پروانہ
یہ ہے میری دھرتی ماں

میں اس کا دیوانہ
اے میرے پیارے وطن!
تو اک پیار کی پھلوار ہے
پاکستان سلامت رہے.....
اے میرے وطن کی پاک مٹی!
تیری خوشبو دل بہار ہے
تیرا فرض مجھ پہ ادھار ہے
تیرا فرض مجھ پہ ادھار ہے
تیرا فرض میں ایسے چکاؤں گا
اک اک قطرہ لہو آج تجھ پہ لٹاؤں گا
ہاں تجھ سے مجھے بہت پیار ہے
پاکستان سلامت رہے
(شازیہ پروین امانت.....لاہور)

جانے ہوئے ہیں کیوں غمگین
میری جان کے نین حسین
جھل مل آنسوؤں کی ہے لڑی
ہوا ہے دل ملال و حزیں
کیونکہ نین ہیں چھم چھم برسے
بھیگی ہوئی سی ہیں پلکیں
چپ سی ہے میری جانِ جان
لگی ہے دل پہ چوٹ کہیں
قرار نہیں ہے دل کو رومی
جل رہی ہے اب کیوں جبین
(عبدالجبار رومی انصاری.....بورے والا)

میں عادی ہوں اس چمن کا
جہاں روز لوگ ملتے ہیں
جہاں روز پھول کھلتے ہیں
جہاں روز زخم بڑھتے ہیں
جہاں روز لوگ مرتے ہیں
میں عادی ہوں اس چمن کا
جہاں دھوپ کی پڑتی شعاعیں ہیں
جہاں پھولوں کی نئی نمائش ہے
جہاں پیار کی شام ڈھلتی ہے
جہاں عشق کی جان نکلتی ہے
میں عادی ہوں اس چمن کا
جہاں پیار کی قیمت مٹی بھر
جہاں انسان کی قیمت مٹی بھر
جہاں روز عاشق رُلتے ہیں
جہاں آنسو سے کپڑے دھلتے ہیں
میں عادی ہوں اس چمن کا!
میں عادی ہوں اس چمن کا!
(علی ثقلین جٹ.....لاہور)

چاند کی سمت نظر جائے تو کیا ہوتا ہے
رات کسی کی یاد میں گزر جائے تو کیا ہوتا ہے
کتنی معصوم ادا سے وہ مجھ سے پوچھتا ہے یارو
جب کوئی دل میں اتر جائے تو کیا ہوتا ہے
اے میرے مولا ذرا سا تو بتادے اس کو
آدمی جیتے جی مرجائے تو کیا ہوتا ہے
کوئی انجان سے شخص کا پھر کسی پچھلے پہر
عکس آنکھوں میں ٹھہر جائے تو کیا ہوتا ہے
درد دے کر وہ مجھے ہنستا رہا اور بولا
درد جب حد سے بڑھ جائے تو کیا ہوتا ہے
عشق میں جان چلی جاتی ہے چلی جائے گی
اس راہِ گزر کا تو آصف شہزاد یہی انجام ہوتا ہے
(محمد آصف شہزاد الہ آبادی.....قصور)

بنگال کی ملکہ الگ تھی ترکی کا سلطان الگ
کیا ۱۴ اگست کو ہوگئے تھے مصر اور سوڈان الگ
مشرقی دلہن نے دیا اپنے باوفا ہونے کا کچھ یوں ثبوت
تین ماہ میں شوہر کو لے کے کرلیا مکان الگ
بہت خوشی میں جارہا تھا سائیکل پر سستے پیاز ٹماٹر لے کر
اچانک گڑھا آیا پھر سائیکل الگ میں الگ سامان الگ
وہ بھی سوچتی ہوگی وفا کیوں نبھائے اکیلے باقر سے
سو کامران الگ نعمان الگ حسان الگ فرقان الگ
بہت محبت سے پھینکا بیگم نے گلاب کا پھول میری جانب
اور اس کے بعد میں الگ پھول الگ گلدان الگ
(شاعر: ذیشان اقبال عظمی: انتخاب: ماہم.....ٹنڈو آدم)

☆☆

سیڑھیاں

ثنا اے شیخ - لاہور

جہاں شیطانی رسومات کی ادائیگی ہوتی ہے اس جگہ دوسری دنیا اور انسانی دنیا کے بیچ واقعی راستوں کے ادوار نکل جاتے ہیں مگر ان کی پراسراریت کسی پر آشکار نہیں ہوتی۔

ایک شیطانی طرز تعمیرات کا پراسرار راز جان لیوا ہوتا ہے کہانی اذان کا دوسرا حصہ

پیرا سائیکالوجی یا مادرائی نفسیات انسانی رویوں کی سائنس ہے۔ شروعات میں نفسیات کو سائنس آف ہیومن سول یعنی انسانی روح کی سائنس کہا جاتا تھا۔ اور جب یہ اعتراض کیا گیا کہ روح تو ایک نظر نہ آنے والی چیز ہے تو اس کا نام بدل کر سائنس آف ہیومن مائینڈ یعنی انسانی دماغ کی سائنس رکھ دیا گیا۔ پھر یہ اعتراض کیا گیا کہ ذہنیت بھی دکھائی نہیں دیتی تو آخر کار اس کا نام بدل کر سائنس آف ہیومن بیہیویر یعنی انسانی رویوں کی سائنس رکھ دیا گیا۔ لہٰذا جدید نظریے کے مطابق انسانی رویوں کی سائنس کا نام سائیکالوجی ہے لیکن اب یہ ایک ایسا علم تھا جس میں آپ بہت سی ایسی باتوں کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں جس کی وضاحت نہیں ہو سکتی تھی تو اس ضمن میں ایک اور علم متعارف ہوا جسے آج ہم پیرا سائیکالوجی کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ علم عام سائیکالوجی سے ایک قدم آگے تھا کیونکہ جب کسی ماہر نفسیات کے پاس کوئی ایسا مریض لایا جاتا جو مرد ہونے کے باوجود اچانک نسوانی آواز میں بات کرنے لگتا یا کوئی عورت کسی مرد کی آواز میں بات کرنے لگتی یا پھر مریض کسی ایسی زبان میں بات کرنے لگ جاتا جو اس نے زندگی میں نہ کبھی بولی ہوتی نہ سیکھی اور نہ سنی ہوتی تو اس بات کی وضاحت سائیکالوجی کیسے کرتی؟ اب یہاں سے عمل پزیر ہوتی ہے پیرا سائیکالوجی یعنی مادرائی نفسیات جس میں ہر اس چیز پہ بات کی جانے لگی جو انسانی آنکھ سے تو پوشیدہ ہوتی ہے لیکن انسانی نفسیات پہ اثر کرتی ہے۔ اس علم کی اہمیت بالکل ویسے ہی ہے جیسے فزکس کے لیے میٹافزکس کی ہے یعنی جن چیزوں کی وضاحت فزکس میں نہیں ملتی اس کی وضاحت ایک درجہ آگے کے مضمون یعنی میٹافزکس میں کی جاتی ہے۔

شروع میں یہ مضامین ایسی سوتیلی بہنوں کی طرح تھے جس میں بڑی بہن کو اپنی چھوٹی سوتیلی بہن ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی لیکن وقت کے ساتھ جب بڑی بہن نے چھوٹی بہن کا ہاتھ بٹانے، مدد کرنے اور ہر حال میں اس کا ساتھ دینے کے لیے دنیا کے سامنے ڈٹ کر کھڑے رہنے کی محبت کو محسوس کیا تب اسے اپنی چھوٹی بہن کی اہمیت کا اندازہ ہوا اور یوں چھوٹی بہن بڑی بہن کا اعتبار جیتنے میں کامیاب ہوگئی۔

اسی طرح آج پیرا سائیکالوجی، سائیکالوجی کی نظر میں اپنی اہمیت منوانے میں کامیاب ہوگئی اور یوں پیرا سائیکالوجی کی بہت سی باتوں کو سائیکالوجی ماننے لگی ہے۔

Bank

ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے ہنسنے کی آوازیں ابھریں۔ ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پہ بھی آئی تھی۔ ڈاکٹر ویلمارٹ بوسٹن، امریکن یونیورسٹی آف یونیورسل سائنسز کے آڈیٹوریم میں ماورائی نفسیات کے سالانہ سمینار کے موقع پہ ہال میں بیٹھے سبھی لوگوں سے مخاطب تھے۔ جن میں گریجویٹ، پوسٹ گریجویٹ اسٹوڈنٹس سے لے کر دنیا بھر سے آئے پروفیشنلز، پروفیسرز، ماہر نفسیات، اور ریسرچرز تک سب شامل تھے۔ وہیں وہ بھی اپنی ڈاکٹریٹ کے آخری مراحل میں تھا اور ڈاکٹر ویلمارٹ بوسٹن کی طرف پوری طرح متوجہ تھا۔

ڈاکٹر ویلمارٹ کے اسٹیج کی پچھلی جانب بنی دیو قامت اسکرین پر برانچز آف پیراسائیکالوجی یعنی ماورائی نفسیات کی شاخوں کا ایک چارٹ ابھرا جس میں چار نکات درج تھے۔ پہلا ٹیلی پیتھی یعنی ذہنی تعلق، دوسرا ٹیلی کنیسس یعنی سوچ کے ذریعے مادی کام کرنے کا عمل، اپیرینسز یعنی اظہارِ موجودگی، سائیکوفونی یعنی بنا چھوئے محض آوازوں کا آلہ کار ہوجانا۔ ان نکات کے اسکرین پر ابھرتے ہی وہ حاضرین سے پھر سے مخاطب ہوئے۔

یہ سب ماورائی نفسیات کے وہ بنیادی آلہ کار ہیں جن کے ذریعے ہم کسی کی بھی نہ سمجھ میں آنے والی اس کیفیت کا مشاہدہ کرتے ہیں جن سے وہ شخص گزرا ہوتا ہے اور ایسے میں ہم پہ بسا اوقات ایسی ایسی باتیں آشکار ہوتی ہیں جن کو عام انسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس وقت اس تجربے کی حقیقت اور اس کے وجود کو قطعی نظر انداز کرکے اس مشاہدے کو ہی جھٹلا دیں۔۔۔ تھینکس ٹو آر سینس آف ریسپانسیبلیٹی بائے پیراسائیکالوجی۔ اتنے میں حاضرین میں سے کسی کا ہاتھ کھڑا ہوا۔ یس پلیز، ڈاکٹر ویلمارٹ نے سوال پوچھنے کی اجازت دی۔ میرا نام ڈاکٹر الیگزینڈر مارک ہے اور میں جرمن انسٹیٹیوٹ آف سائنٹیفک ریسرچ میں ایک سینئر سائنسدان ہوں۔ آج بھی بہت سے سائنس دان پیراسائیکالوجی کو ماننے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ سائنس علم، تجربے اور مشاہدات سے ثابت شدہ ٹھوس نتائج پہ یقین کرتی ہے تو ایسے میں آپ پیراسائیکالوجی کو صحیح ثابت کیسے کریں گے؟ بہت شکریہ ڈاکٹر مارک! پیرا سائیکالوجی بھی تجربات اور مشاہدات کا علم ہے۔ کسی مفروضے یا فلسفے کا نام نہیں۔۔۔ سائنس نے مالیکیول دریافت کیا اور مالیکیول دریافت ہوا تو ایٹم دریافت ہوا، ایٹم دریافت ہوا تو نیوٹران اینڈ پروٹون اور الیکٹران دریافت ہوئے اور اس کے بعد کوارک۔۔۔ تہہ در تہہ کھوج کے اس سفر نے ہی انسان کو ان چیزوں سے آگاہ کیا جن سے وہ پہلے لاعلم تھا۔۔۔ تو بالکل ایسے ہی آج پیراسائیکالوجی بھی ایک ایسے سفر میں ہے جس سے وہ ماورائی دنیا کی تہہ در تہہ کھوج سے روبرو ہورہی ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب انسان جسم کی سچائی سے زیادہ روح کی سچائی اور اصلیت سے ضرور واقف ہوگا۔ ڈاکٹر ویلمارٹ کی اس بات سے ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ انسانی آنکھ جتنی دور تک دیکھ سکتی ہے اور انسانی کان جتنی دور تک سن سکتے ہیں کیا کائنات بس اتنی ہی ہے؟ اس کے آگے جو ہے اور اس سے زیادہ جو ہے جنہیں ہم نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں تو کیا ان کا وجود ہی نہیں؟ یعنی ایک نابینا اور بہرہ انسان اگر اپنے سامنے بیٹھے انسان کو نہیں دیکھ سکتا نہ سن سکتا ہے تو کیا وہ اس کمرے میں اکیلا سمجھا جائے گا؟ وہ ایسا سمجھ سکتا ہے لیکن حقیقت تو اس کے برخلاف ہوئی۔ میرے دوست کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ ہم انسان کسی چیز کو دیکھتے کیسے ہیں؟ مطلب میں سائنسی جواب چاہتا ہوں، ڈاکٹر ویلمارٹ نے ڈاکٹر مارک سے پوچھا۔ جب ہمارے سامنے رکھی کسی چیز پہ روشنی پڑتی ہے تو وہ روشنی اس چیز سے منعکس ہوکر ہماری آنکھوں پر آتی ہے تب جا کر ہم اس چیز کو دیکھ پاتے ہیں، ڈاکٹر مارک نے جواب دیا۔ یہاں میں ان لوگوں کو واضح کردوں جو نہیں جانتے کہ ویولینتھ کیا ہے؟ جیسے ہم وزن کو کلوگرام میں تولتے ہیں، پانی کو لیٹر میں تولتے ہیں اس طرح ہم روشنی کو ویولینتھ میں تولتے ہیں، اور ہمارے اردگرد

موجود ہر چیز کی اپنی اپنی ویولینتھ ہوتی ہے۔ کیا میں صحیح کہہ رہا ہوں ڈاکٹر مارک؟ ڈاکٹر ویلمارٹ نے کہا۔ جی بالکل ڈاکٹر ویلمارٹ! اور کیا یہ بھی صحیح ہے کہ ہم انسان صرف انہی چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں جن کی ویولینتھ چار سو نینو میٹر سے لے کر سات سو نینو میٹر تک ہوتی ہے؟ ڈاکٹر ویلمارٹ نے پوچھا۔ جی! بالکل، ڈاکٹر مارک نے جواب دیا۔ اور ہم نہ چار سو نینو میٹر سے کم کسی چیز کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ سات سو نینو میٹر سے زیادہ کسی چیز کو دیکھ سکتے ہیں۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ڈاکٹر مارک؟ ڈاکٹر ویلمارٹ نے پوچھا۔ جی! ڈاکٹر مارک کا مختصر جواب آیا۔ تو ان چیزوں کا کیا جو چار سو نینو میٹر سے کم اور سات سو نینو میٹر سے زیادہ کی رینج میں آتی ہیں؟ یعنی جو چیزیں ایک سو یا ایک ہزار نینو میٹر کی رینج میں ہوتی ہیں اور جن کا دیکھنا انسانی آنکھ سے ممکن نہیں؟ ڈاکٹر ویلمارٹ کے اس سوال پہ ڈاکٹر مارک کوئی جواب نہ دے سکے۔۔۔ بہت شکریہ ڈاکٹر مارک! پلیز تشریف رکھیئے۔

ہم انسانی آنکھ کی بینائی کے مزید استعمال کے لیے مائیکرو اسکوپ اور ٹیلی اسکوپ جیسی ایجادات کی مدد بھی لیتے ہیں لیکن پھر بھی سب کچھ نہیں دیکھ پاتے۔ ہمارے دوست رونالڈ ڈوگلس کی ریسرچ کے مطابق کتوں کی نظر انسانوں سے زیادہ ہوتی ہے، وہ تین سو سے سات سو نینو میٹر دیکھ سکتے ہیں، یعنی انسانوں سے ایک سو نینو میٹر زیادہ۔۔۔ اور چار سو نینو میٹر سے کم ویولینتھ کی چیزوں کو انسان الٹراوائلٹ کی مدد سے دیکھ پاتا ہے جس کی رینج دس سے چار سو نینو میٹر ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم یہ مان سکتے ہیں کہ دنیا میں ہمارے اردگرد بہت سی ایسی اشیا بھی ہیں جو ہماری آنکھ سے اوجھل ہیں لیکن اپنا ایک وجود رکھتی ہیں اور وجود رکھتی ہیں تو اثرات بھی رکھتی ہیں۔ امید کرتا ہوں کہ میں آپ کو مطمئن کر پایا ہوں گا؟ ڈاکٹر ویلمارٹ نے اپنے جواب کے ساتھ ڈاکٹر مارک کے تاثرات جاننے چاہے جو جواب میں مسکراتے ہوئے سر ہلا رہے تھے۔ اور ہال ایک بار پھر تالیوں کی آواز سے گونج رہا تھا۔

معاف کرنا عاص! تمہیں کافی انتظار کروایا۔ بس کچھ لوگوں سے ملنے ملانے میں تھوڑا زیادہ ہی وقت لگ گیا۔ کیسے ہو؟ ڈاکٹر ویلمارٹ نے اپنے آفس میں قدم رکھتے ہی وہاں بیٹھے اپنے ڈاکٹریٹ کے ایک شاگرد عاص سے معذرت چاہی۔ میں سمجھ سکتا ہوں ڈاکٹر ویلمارٹ۔۔۔ چھٹیوں سے پہلے اپنا سائناپسز جمع کروانا چاہ رہا تھا۔ عاص نے ہاتھ میں پکڑے نوٹس ڈاکٹر ویلمارٹ کو دکھائے۔۔۔

تم سب سے پہلے اسٹوڈنٹ ہو جس نے اپنا سائناپسز جمع کروایا ہے ورنہ ابھی تک تو بہت سے اسٹوڈنٹس نے اپنا ٹاپک ڈسکس بھی نہیں کیا۔۔۔ ویسے ابھی بہت وقت پڑا تھا لیکن میں تمہاری قابلیت کا دل سے قائل ہوں۔ وہ خوش ہوتے ہوئے بولے۔ بہت شکریہ ڈاکٹر ویلمارٹ! دراصل میں اپنے والدین سے ملنے اپنے شہر جا رہا ہوں، اس بار کافی لمبے عرصے کے بعد جا رہا ہوں تو سوچا کہ زیادہ سے زیادہ دن ان کے ساتھ گزاروں، اس لیے میں نے اپنے ریسرچ ٹاپک پہ پہلے سے کام شروع کر دیا تھا تاکہ جب واپس آؤں تو میرا ٹاپک پہلے سے تیار ہو اور میں اس پہ فوراً کام شروع کر دوں، عاص نے وجہ بتائی۔

بہت اچھے مسٹر عاص! میں آپ کے احساسِ ذمہ داری کی قدر کرتا ہوں۔ اپنی چھٹیاں انجوائے کریں، پھر ملتے ہیں۔ اور ڈاکٹر ویلمارٹ نے عاص کو خوش کن کلمات کے ساتھ رخصت کیا۔

ہیلو ہینڈسم! لفٹ نہیں کروانی تو ہم سے ہی لفٹ لے لیں۔۔۔ عاص اپنے بیگ سمیت ہاسٹل اور یونیورسٹی کی حدود سے نکلا ہی تھا کہ ایک نئی نویلی، لال رنگ کی پورشے کیمین اس کے بالکل پاس آ کر رکی تو وہ بھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی اس خوبصورت سی لڑکی کو دیکھ کر رک گیا۔ میرا لفٹ کروانا تو شاید آپ کے زیادہ کام نہ آ سکے لیکن اس وقت آپ کا لفٹ دینا میرے بہت کام آ سکتا ہے، وہ بولا۔ تو آ جاؤ! وہ بولی۔ عاص کے بیٹھتے ہی گاڑی تیزی سے آگے نکل گئی۔ اتنی بھی کیا جلدی تھی بھاگنے کی؟ کل تک تو رک جاتے۔۔۔ وہ اپنے مہنگے ترین سن شیڈز کو ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔۔۔ کل بھی

تو جانا ہی تھا تو ایک دن اور ایک رات بھی کیوں ضائع کرتا؟ عاص بولا۔۔۔ میری برتھ ڈے پارٹی سے تمہارا وقت ضائع نہ ہوتا تھا؟ وہ بولی۔ اوہ! آئے ایم سوسوری ہیزل! میں بالکل بھول گیا تھا کہ کل۔۔۔ عاص نے پیشانی پہ ہاتھ رکھ لیا۔ کوئی بات نہیں، اب تو یاد کروادیا نہ؟ اب رک جا! وہ بولی۔ دراصل میری ٹکٹ بک ہوچکی ہے، پیسے ضائع ہوجائیں گے۔۔۔ وہ بولا۔ وہ پیسے تم مجھ سے لے لینا، وہ بولی۔ صرف یہ بات نہیں ہے، گھر پہ اماں بابا انتظار کررہے ہیں۔ انہیں کل رات ہی فون پہ اپنے آنے کا بتادیا تھا اور صبح بھی انہوں نے فون کرکے کنفرم کیا تاکہ وہ لوگ میرے پسند کے کھانے بنا سکیں اور اس وقت گھر میں بیکنگ، کلینگ اپنے زوروں پہ ہوگی، ایسے میں آخری لمحے اپنا پروگرام تبدیل کردیا تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔ عاص نے نہ رکنے کی وضاحت کی۔۔۔

پوری دنیا کے دل ٹوٹنے کا خیال ہے تمہیں سوائے میرے۔۔۔ وہ ایک ادا سے بولی۔ ہم تو سارا سال ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ لیکن اماں ابا سے تو بس چھٹیوں میں ہی ملاقات ہوتی ہے اور بس ایک ڈیڑھ ہفتے کی ہی تو بات ہے میں واپس آکر تمہاری سالگرہ کا ڈنر دے دوں گا، وہ بولا۔ سالگرہ گزرنے کے بعد کونسا ڈنر بنتا ہے؟ چلو پھر بھی مجھے منظور ہے لیکن ڈنر میری طرف سے ہوگا تم بس میرا تحفے لے آنا، وہ بولی۔ ڈن! گرینڈ پا کیسے ہیں؟ عاص نے پوچھا۔ ٹھیک ہیں، تمہارا اکثر پوچھتے ہیں۔ کتنی بار تمہیں گھر لانے کو کہا بھی اور میرا جواب یہی ہوتا ہے کہ مسٹر عاص کوئی معمولی آدمی نہیں، اپنی پڑھائی اور پارٹ ٹائم جاب میں اتنے مصروف رہتے ہیں کہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ آمنے سامنے ہونے کے باوجود بھی مجھے نہیں ملتے تو آپ کو کہاں ملیں گے؟ وہ بولی۔ کرلو مجھے بدنام! اماں ابا کی شادی کی سالگرہ آنے والی ہے اس پہ تم دونوں تو آگے ہی۔۔۔ ہیں خود معذرت کرلوں گا۔ عاص بولا۔ تم بدنام نہیں ہوتے، گرینڈ پا اور تمہارے گرینڈ پا پرانے دوست تھے اتنی پرانی خاندانی دوستی ہے ہماری نسل در نسل چلتی ہوئی۔۔۔ تمہاری فیملی کی تو بہت تعریف کرتے ہیں۔ اور اسی لیے ہر سال تمہارے والدین کی سالگرہ پہ تمہارے شہر بھی آتے ہیں صرف تمہاری فیملی کی خوشی میں شریک ہونے، ہیزل بولی۔

شکریہ! یہ تو ان کا بڑکپن ہے جو وہ اتنے بڑے بزنس مین اور کامیاب سیاستدان ہونے کے باوجود آج بھی ہمارے ساتھ ہیں، عاص نے جواب دیا۔

اچھا میں انکل آنٹی کی ویڈنگ اینیورسری سے ایک دو دن پہلے ہی ورجینیا آجاؤں گی تاکہ تم مجھے ورجینیا دکھا سکو، وہ بولی۔ ضرور لیکن تم چھٹیوں میں کہیں گھومنے نہیں جا رہی؟ عاص نے پوچھا۔ بروکلین جانا ہوگا بس کچھ دن کے لیے۔۔۔ بروکلین؟ کیوں؟ مجھے تو لگا تم ورلڈ ٹور پہ نکلو گی کہیں لیکن تم کیلیفورنیا سے چھ گھنٹے کی فلائٹ لے کر نیویارک جارہی ہو؟ اور وہ بھی بروکلین کے لیے؟ تم نے بھی گرینڈ پا کی طرح سیاست جوائن کرلی ہے کیا؟ گرینڈ پا کو وہاں کوئی کام ہے تو بس کچھ دن وہاں رہنے کے بعد وہ زیان انکل! اور ثمر آنٹی کی پارٹی کے لیے میرے ساتھ تمہارے ہاں آجائیں گے اور تم جو یہ پونے تین دن کا ٹرین کا سفر کرکے ورجینیا جارہے ہو، ایک فلائٹ کیوں نہیں لے لیتے؟ چار گھنٹے میں پہنچ جاؤ گے، ہیزل نے کہا۔

مجھے ٹرین کا سفر پسند ہے نظارے، راستے انجوائے کرتے ہوئے جاتا ہوں اور میرے لیے افورڈیبل بھی ہے۔ ابھی کوئی مستقل نوکری نہیں ہے نہ میری، لیکن تم امیر کیا جانو یہ سب باتیں۔۔۔ عاص نے ہنستے ہوئے کہا۔ ہوگیا طنز؟ چلو اترو! تمہارا اسٹیشن بھی آگیا ہے، ہیزل نے دھوپ کا چشمہ اتار کے اس کی طرف دیکھا۔

بہت شکریہ ہیزل! تم لفٹ نہ دیتی تو آج ٹرین مس ہو جاتی۔۔۔ اس نے گاڑی سے اتر کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ مجھ سے بے نیازی تو تمہاری ہمیشہ کی عادت ہے لیکن تم میری اس نئی دوست کو کیسے نظر انداز کرسکتے ہو؟ وہ بولی۔۔۔ اوہ ہاں! بہت خوبصورت ہے لیکن تمہارے لیے تو ہر سال ایک نئی گاڑی معمولی بات

ہے۔۔۔تو اب اس پہ کیا تبصرہ کرتا؟ عاص نے ایک نظر اس کی نئی چمچماتی پورشے پہ ڈالتے ہوئے کہا۔ جی نہیں! اب گرینڈ پا نے اتنا بھی بگاڑ نہیں رکھا مجھے! آج ہی ملی ہے مجھے میری سالگرہ کا تحفہ! وہ ناز کے ساتھ بولی۔ بھئی میرا تحفہ تو میری حیثیت کے مطابق ہو گا۔ حیثیت تو بنائی بھی جا سکتی ہے، ہیزل بولی۔ اتنا آسان نہیں۔ وہ بولا۔۔۔ اتنا مشکل بھی نہیں! زیان انکل سے پوچھنا وہ بتائیں گے تمہیں۔۔۔ ہیزل نے کہا۔ کیا مطلب؟ اس نے پوچھا۔۔۔ ٹرین چھوٹ جائے گی۔۔۔ بھاگو، سی یو سون! ہیزل نے اس کا دھیان ٹرین کی جانب کروایا تو وہ بھی ہاتھ ہلاتا سٹیشن کی جانب بھاگ گیا۔

ورجینیا کے اس خوبصورت قصبے کے ایک متوسط علاقے میں زیان اور ثمر اپنے اکلوتے بیٹے عاص کا انتظار کر رہے تھے۔۔۔ اسے گلے لگاتے ہی زیان بولا۔۔۔ تمہیں دیکھ کے تو کبھی کبھی لگتا ہے کہ میں اپنے بابا آہل عیات کیان سے مل رہا ہوں۔۔۔ تم دیکھنے میں بالکل ویسے ہی لگتے ہو۔۔۔ وہ مسکرایا اور ثمر کے ہمراہ گھر کے اندر داخل ہوا۔۔۔ ایک چھوٹا لیکن نہایت نفاست اور سادگی سے سجایا ہوا خوبصورت گھر۔۔۔ اس نے شیلف پہ پڑی اپنی فیملی فوٹو کو اٹھایا۔۔۔ جو اس کے حسین بچپن کی بہت سی یادیں سمیٹے ہوئے تھی۔ کینیڈا کے بڑے سے محل نما گھر کے لان میں کھینچی گئی اس تصویر میں وہ اپنی دادی ایمن کی گود میں بیٹھا مسکرا رہا تھا اور دائیں بائیں اس کے والدین، زیان اور ثمر کھڑے تھے۔۔۔ زیان نے اسے تصویر کو دیکھتے ہوئے اداسی سے دیکھا۔ عاص نے زیان کی اداسی کا احساس کرتے ہی بات بنائی۔۔۔ اماں! بڑی اچھی خوشبو آ رہی ہے۔۔۔ کیا بیک ہو رہا ہے؟ تم نہیں پہچانتے اس خوشبو کو؟ زیان نے پوچھا۔ ارے ہاں! کیرٹ کیک! عاص نے جواب دیا۔۔۔ تمہارا فیورٹ۔۔۔ ثمر نے اسے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اور آپ کی شادی کی سالگرہ کی تیاری کیسی چل رہی ہے؟ عاص نے پوچھا۔ اب اس عمر میں یہ کام بھی ہم کریں گے؟ تم آ گئے ہو تم کرنا تیاریاں۔۔۔ زیان نے کہا۔ ویسے اس بار تو ہم سوچ رہے تھے کہ زہنے دیتے ہیں۔ ثمر نے کہا تو عاص بولا، ارے بھئی کیوں رہنے دیتے ہیں؟ تین ہی تو لوگ ہیں اس فیملی میں، اب ہم ایک دوسرے کی زندگی کے ان اہم دنوں کو بھی نہ منائیں تو اپنی خوبصورت سی زندگی کا شکریہ کیسے ادا کریں گے؟ عاص نے جواب دیا۔۔۔ تو ثمر اور زیان نے ایک دوسرے کو گہری اداس نظروں سے دیکھا۔ عاص بیٹا! مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں وہ سب آسائشیں نہیں دے سکا جو بچپن سے جوانی تک مجھے ملیں، تمہارے دادا اور ان کے بھی والد بلکہ ہر نسل کو ملتی رہیں۔۔۔ زیان روہانسا ہو گیا۔ بابا! یقین جانیں مجھے تو کینیڈا کی زندگی اور وہاں کی آسائشیں یاد بھی نہیں۔۔۔ چار سال کا تو تھا میں جب ہم امریکہ چلے آئے اور سب کچھ چھن جانے کے بعد آپ نے اور اماں نے ساری زندگی محنت کر کے مجھے جس محبت سے پالا، مجھے کبھی کسی چیز کی کمی محسوس ہی نہیں ہونے دی، مجھے اچھی سے اچھی تعلیم دی اور عنقریب میری ڈاکٹریٹ بھی پوری ہو جائے گی۔ یہ سب بھی آپ کی محنت کا ہی نتیجہ ہے۔۔۔ عاص نے بہت پیار سے اپنے بے انتہا محبت کرنے والے ماں باپ کی ڈھلتی عمر کا مان رکھا تو وہ بھی مطمئن نظر آنے لگے۔

رات کے اندھیرے میں وہ تینوں کسی دروازے کے لاک کو کھولنے کی کوشش کر رہے تھے اور بالآخر وہ کھلا تو انہوں نے آفس ٹیبل کے کیبنٹ کو بھی اسی طرح وائر کی مدد سے کھولا اور پھر فائلز چیک کرنے لگے۔۔۔ اسٹیٹر کیسز آف امریکن نیشنل پارک۔۔۔ عاص نے کہا۔۔۔ یہی ہے، مل گئی، جلدی کرو، اور پھر انہوں نے موبائل فون کے کیمرہ سے کچھ صفحوں کی تصاویر لیں اور وہ فائل واپس رکھ کر آفس سے باہر آ گئے۔۔۔ دو دن بعد وہ تینوں نیشنل پارک میں موجود تھے۔۔۔ شام ڈھل رہی تھی، کچھ میل اندر آنے کے بعد انہوں نے کیمپ لگایا، لکڑیاں جلا کر آگ لگا کر اس کے گرد بیٹھ گئے۔ کافی پیتے ہوئے انش بولا، اگر ڈاکٹر

ویلمارٹ نے عاص کا سائناپسز پڑھ لیا ہوا تو وہ ہمارا پراجیکٹ کیسے قبول کریں گے؟ ہم نے تو یہ ٹاپک ان سے ڈسکس تک نہیں کیا۔ انہیں پتہ چل گیا کہ ہم نے اس کا ٹاپک اور ریسرچ ورک چرایا ہے تو وہ کہیں ہمیں فیل ہی نہ کردیں۔ اس کی بات سن کر پیٹر بولا، مجھے نہیں لگتا کہ ڈاکٹر ویلمارٹ نے اسے ابھی تک پڑھا بھی ہو گا۔ کل تو دے کر گیا ہے وہ اور آج وہ آئے ہی نہیں اور عاص نے صرف ٹاپک جمع کروایا ہے جبکہ ہم تو سائناپسز کے ساتھ ساتھ تصاویر اور ویڈیو بھی لے کر جائیں گے تو وہ ہمارا ٹاپک ضرور منظور کریں گے۔ ہم کہہ دیں گے کہ ہمیں تو پتہ ہی نہیں تھا کہ عاص بھی اس ٹاپک پہ کام کرنا چاہ رہا ہے؟ ہم نے تو ویسے بھی اپنی پریکٹیکل ریسرچ پہلے سے شروع کردی ہے تو وہ کوئی اور موضوع چن لے۔ چلو پھر کل صبح نکلتے ہیں ان کی تلاش میں، جوزف نے یہ کہہ کر کافی کا ایک سے لیا۔

رات بھر ان کے کیمپ کے باہر کسی کے پتوں پہ چلنے کی آوازیں آتی رہیں لیکن پیٹر اور انش دیر تک جاگنے کی وجہ سے گہری نیند سوتے رہے لیکن جوزف بار بار ان پتوں پی چلنے کی آواز سے چونک جاتا لیکن کیمپ سے باہر نکل کر دیکھنے کی اس کی ہمت نہ ہوئی، اگلی صبح جوزف نے کیمپ کے ایک طرف کچھ پتھروں کو اوپر نیچے ترتیب کے ساتھ پڑے ہوئے دیکھا۔ تو پیٹر اور انش کو آوازیں دینے لگا۔۔۔ مگر وہ لوگ آگے چل پڑے تھے تو جوزف بھی ان پتھروں کو نظر انداز کر کے ان کے پیچھے چلا گیا۔ انش کیمرے سے ریکارڈنگ کر رہا تھا۔ کل بھی کتنا چلے تھے، آج بھی کب سے چل رہے ہیں، تمہیں لگتا ہے کہ ہمیں یہاں کچھ ملے گا؟ جوزف بولا۔ عاص کو مل سکتا ہے تو ہمیں کیوں نہیں؟ پیٹر بولا۔ میں تو کہتا ہوں ابھی بھی وقت ہے وہ سارہ کا کیس ہی لے لیتے ہیں، انش نے کہا۔ ایک تو وہ لڑکی پوزیسڈ نہیں اور اگر وہ سچ میں پوزیسڈ نکل آئی اور ہمارے قابو نہ آئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے، جوزف بولا۔ اتنا ہی ڈر تھا تو پیرا سائیکالوجی کیوں لی؟ پیٹر نے پوچھا۔ وہ جو اس میں ایڈمیشن لے رہی تھی تو۔۔۔۔ جوزف نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ارے ایک تو اس کی جو۔۔۔ گھاس تک تو ڈالتی نہیں تمہیں، انش بولا۔ ڈگری ملنے تک ڈال ہی لے گی، مین بھی ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں، جوزف بولا۔ ہمت؟ اس جنگل میں آنے تک سے تو تمہاری جان نکل رہی تھی، پیٹر بولا۔۔۔ وہ تو اب بھی نکل رہی ہے لیکن ہم عاص سے پہلے اگر اس جگہ کی تحقیق کرنے میں کامیاب ہو گئے تو جو بھی مجھ سے متاثر ہو جائے گی، جو کا جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ تبھی ہاتھ میں کیمرہ پکڑے انش نے پیٹر کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔۔۔ اور پھر ہاتھ سے ایک جانب اشارہ کیا، کچھ دوری پہ انہیں اپنی مطلوبہ شے نظر آ گئی اور وہ خوشی سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔۔۔

وہ اینٹ پتھر سے بنی کچھ سیڑھیاں تھیں۔ بیس تیس اسٹیپس پر مشتمل، بنا کسی عمارت اور کسی قسم کی امدادی تعمیر کے وہ جنگل کے بیچ و بیچ تن تنہا موجود سیڑھیاں بیک وقت دلچسپ اور پراسرار نظر آ رہی تھیں۔ انش نے کیمرے کے پیچھے سے اپنی آنکھ ہٹاتے ہوئے بنا کیمرہ لینز انہیں دیکھا اور بولا، مجھے لگتا ہے ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔ ارے ٹھہرو تو! پہلے دیکھنے تو دو کہ عاص کے ابتدائی تحقیقی مواد میں کہاں تک سچائی ہے؟ یا تعرف میں بیان کی گئی ساری باتیں محض افواہیں ہی ہیں؟ یہ کہتے ہی پیٹر بھاگم بھاگ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔۔۔ وہ سیڑھیاں چڑھتا جاتا اور ہنستا جاتا۔۔۔ جوزف سیڑھیوں سے نیچے کھڑا پیٹر کو ہنستے دیکھ کر مسکرا رہا تھا لیکن انش کو کسی انجانے سے ڈر نے آن گھیرا تھا۔ وہ اپنے دائیں بائیں جنگل میں بھی نظر دوڑا رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ کوئی ہے جو انہیں دیکھ رہا ہے۔۔۔

پیٹر چلو نیچے آ جاؤ۔ عاص نے لکھا تھا کہ ان سیڑھیوں پہ چڑھنا اچھا نہیں ہے، انش اسے نیچے آنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ ڈرپوک تم بھی اوپر آؤ اور دیکھو یہاں ہوا کتنی اچھی لگ رہی ہے اور یہاں سے جنگل کا نظارہ بھی الگ ہے۔ وہ آخری سیڑھی پہ دونوں بازو کھولے کھڑا ہو

کے جوزف اور انش کو اوپر آنے کے لیے قائل کرنے لگے اور اس سے پہلے کہ جوزف پہلی سیڑھی پہ قدم رکھتا پیٹر نے کسی انجانے شور سے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے اور آنکھیں بند کرلیں اور کچھ سیکنڈز بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کی آنکھوں اور کانوں سے خون بہہ رہا تھا۔

جوزف یہ دیکھ کے جہاں تھا وہیں رہ گیا اور تبھی جیسے کسی نے تلوار جیسی تیز دھار سے پیٹر کی کمر پہ وار کیا اور وہ چیختا ہوا گر پڑا اور اوپر سے نیچے لڑھکتا ہوا آنے لگا۔ جوزف خوف سے اوپر جاتے قدم پیچھے ہٹا چکا تھا۔ انش نے پیٹر کو زخمی حالت میں دیکھا تو اس کے پاس چلا آیا، اس کی کمر پہ ایک بہت بڑا کٹ لگا ہوا تھا جس سے اس کی قمیض پھٹ چکی تھی اور زخم سے خون رس رہا تھا۔ اس نے ایک نظر سیڑھیوں کے اوپر ڈالی مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ نہ کوئی نظر آرہا تھا نہ سنائی دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس جگہ تو پرندوں تک کی آوازیں اور موجودگی کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔

جیسے تیسے کرکے جوزف اور انش نے پیٹر کو سہارا دے کر اٹھایا اور وہاں سے جان بچا کر نکل آئے۔۔۔

گھر کے چھوٹے سے کھلے لان میں کچھ میزیں اور کرسیاں ایک خاص ترتیب سے لگائی گئی تھیں سفید اور پیلے رنگ کے پھولوں اور غباروں کی سجاوٹ نے لان میں چار چاند لگا رکھے تھے۔ بہت خوبصورت، شکریہ! ثمر نے زیان اور عاص کے بیچ کھڑے ہوکر گھر کے برآمدے سے لان میں نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ تم دونوں کو انٹیریئر اور ایکسٹیریئر ڈیزائنرز ہونا چاہیے تھا۔ مما بابا تھے نہ۔۔۔ ماں ایڈمینسٹریشن آرٹسٹ، اور باپ، آرکیٹیکٹ۔۔۔ اور زیان یہ کہتے ہوئے کسی قدر اداس ہوگیا۔ اچھا ابھی یہ سب نہیں، کچھ دیر میں مہمان آنا شروع ہوجائیں گے، آپ لوگ چینج کرلیں جاکر۔

ابھی عاص نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ ان کے لان کے آگے ایک کالی رینج روور آکے رکی، لیں انکل بہرام اور ہیزل بھی آگئے۔ وہ اپنے برآمدے کے سٹیپس نیچے اتر کر انہیں ویلکم کہنے کے لیے آگے بڑھا تو زیان نے پوچھا، انہیں کس نے انوائٹ کیا؟ اور کون کرے گا؟ ثمر کے جواب پہ تو زیان نے فکرمندی سے اسے دیکھا اور ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی آنے والے مہمان کو ویلکم کہنے کے لیے عاص کے پیچھے لپکے۔۔۔ تم تو دو دن پہلے آنے والی تھی؟ جھوٹی! عاص بولا۔ معاف کرنا لیکن گرینڈ پا کا کام ہی ختم ہونے کو نہیں آرہا تھا، ہیزل نے جواب دیا اور ثمر سے ملنے لگی۔۔۔

بہرام انکل! فلائٹ کیسی رہی تھک گئے ہوں گے آپ۔۔۔ عاص نے بہرام کے گلے لگتے ہوئے کہا۔ کیوں بھئی میں کوئی تمہارے بابا کی طرح بوڑھا تھوڑی ہوں۔۔۔ انہوں نے زیان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ دیکھنے میں بھلے نہ لگیں لیکن آپ میرے بھی دادا کی عمر کے ہیں۔ میں تو آپ کو اپنے بھی بچپن سے دیکھ رہا ہوں، زیان نے طنزیہ نظروں سے بہرام کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ اب تم ہی جوان نظر نہیں آنا چاہتے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ بہرام نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ زیان کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور ثمر کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا، ہیلو بیوٹیفل لیڈی! کیسی ہو؟

الحمدللہ! اچھی ہوں، ثمر کوشش کے باوجود بھی ہونٹوں پہ مسکراہٹ نہ لاسکی اور ہیزل سے مخاطب ہوئی، کیسی چل رہی ہے تمہاری تمہاری ماڈلنگ؟ زبردست! ہیزل نے جواب دیا۔۔۔ اماں! اس کی پڑھائی کا بھی پوچھ لیں، اصل میں تو ایکٹنگ سکول سے ایکٹنگ سیکھ رہی ہے، ماڈلنگ تو اس کا پارٹ ٹائم شوق ہے، عاص نے کہا۔ آپ دونوں کو اپنی سلور جوبلی بہت مبارک ہو، اوہ سوری آنٹی! آپ کا پریزنٹ تو گاڑی میں ہی رہ گیا، آ عاص مدد کرو! ہیزل پلٹی تو وہ بولا، ایسا کیا اٹھا لائی ہو جو اکیلے نہیں اٹھایا جاسکتا؟ عاص اس کے ساتھ چلتے ہوئے بول رہا تھا۔ اور ثمر ان دونوں کو جاتے ہوئے فکرمندی سے دیکھ رہی تھی۔

شام کو گنے چنے چند مخصوص لوگوں کے بیچ زیان اور ثمر کی سلور جوبلی کا کیک کاٹا گیا۔ زیان اور ثمر کو ایک

ساتھ مسکراتا دیکھ ہیزل بولی، کتنے اچھے لگ رہے ہیں دونوں، کاش ہر فیملی میں ایسے ہی والدین ہوتے۔ عاص نے اسے دیکھا اور بولا، تمہارے گرینڈ پا تمہارے لیے اکیلے ہی کافی ہیں۔ وہ تو ہے، ڈیڈ کے مرڈر کے بعد جب میری مما نے گرینڈ پا پہ ان کی موت کا الزام لگایا تب میں سمجھ گئی تھی کہ میری ماں واقعی پاگل ہے کیونکہ ان دونوں کے دن رات کے جھگڑوں میں وہ میرے ڈیڈ کو بھی ان کی ماں کا قاتل اور نہ جانے کیا کیا کہتی تھیں اور ڈیڈ انہیں پاگل کہتے تھے۔ انہیں اسائلم بھی بھیجا گیا۔ لیکن جب وہ ڈیڈ کی ڈیتھ پہ مجھے لینے آئیں تو میں نے بھی ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا کہ نہ جانے وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرتیں اور کچھ دن بعد ان کی بھی موت ہوگئی۔ تب سے گرینڈ پا نے مجھے بہت لاڈ سے پالا ہے۔ مجھے کبھی کمی تو محسوس نہیں ہوئی ماں باپ کی۔۔۔

لیکن جب جب میں زیان انکل اور ثمر آنٹی کو ایک ساتھ دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں کہ محبت ہو تو ان جیسی ہو اور ماں باپ ہوں تو ان جیسے ہوں۔۔۔ آئے ایم رئیلی جیلس۔۔۔ ہیزل نے مسکرا کر عاص کو دیکھا جو زیان اور ثمر کو مہمانوں کو رخصت کر کے گھر کے اندر جاتا دیکھ رہا تھا۔ مجھ سے جیلس ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے پاس عزت، دولت سبھی کچھ تو ہے، وہ ہیزل سے بولا۔ عزت تو گرینڈ پا کے کاروباری اور سیاسی عہدے کی وجہ سے ہے۔ مجھے اپنی خود کی شہرت، اپنی خود کی دولت اور شوبز میں اپنا خود کا نام چاہیے، ہیزل نے خلاں میں گھورتے ہوئے کہا۔ چلو محنت کرو، ایک وقت آئے گا جب تم وہ سب بھی حاصل کر لو گی۔ عاص نے اسے کہا تو وہ بولی۔

اتنا انتظار میں نہیں کر سکتی مجھے تو سب کچھ جلدی سے چاہیے، اب ہر کوئی تمہاری طرح تو نہیں ہوتا کہ مزید پڑھنے کے لیے اپنا خود کا سائیکائٹری کلینک چھوڑ کے فارسٹ ریسکیو ٹیم جوائن کر لے۔ دیکھو! کلینک میرا یہاں ورجینیا میں تھا، اڈمیشن میرا کیلیفورنیا کی یونیورسٹی میں ہو گیا تو اب اتنی دور سے یہاں آ کر تو پریکٹس جاری رکھنا تو ممکن نہیں تھا اور وہاں ابھی کلینک کھول نہیں سکتا۔ تو کسی ہاسپٹل میں جاب نہ ملنے تک بیکار بیٹھنے سے تو اچھا تھا کہ میں کچھ سال پہلے لی ریسکیو ٹریننگ کا فائدہ اٹھا لوں، اسی لیے ریسکیو جوائن کر لی، عاص نے وضاحت کی۔ تو ہیزل نے پوچھا، تو دو سال تک کیا تمہیں کسی ہاسپٹل میں نوکری نہیں ملی؟ ہیزل نے پوچھا۔

مل رہی تھی پچھلے سال لیکن میرا اپنی فارسٹ ریسکیو کی نوکری میں کافی دل لگ گیا تو سوچا پی ایچ ڈی کے بعد تو اپنا سارا وقت نفسیات کو ہی دینا ہے تو تب تک یہ پیشہ بھی انجوائے کر لوں ویسے بھی میرا فارسٹ ریسکیو آفس ہماری یونیورسٹی کے قریبی جنگل میں ہے تو میرے لیے آسانی ہو جاتی ہے۔ ویسے مجھے اپنی دونوں فیلڈز ہی بہت پسند ہیں لیکن مستقبل میں نفسیات ہی میرا فل ٹائم پیشہ ہوگی۔ عاص نے جواب دیا۔ تمہیں ریسکیو فورس بھی پسند ہے تو پھر نفسیات میں اتنی پڑھائی کیوں کیے جا رہے ہو؟ مجھے لگتا ہے کہ مجھے اپنے سبجیکٹ سے عشق ہے۔۔۔ عاص بولا۔۔۔ کیا؟ علم سے عشق؟ پہلی بار سنا ہے کسی کو اپنی تعلیم سے عشق ہو، اسی لیے تم ہمیشہ ٹاپ کرتے ہو؟ ہیزل نے حیرانی سے پوچھا۔ نہیں! میں ٹاپ نہیں کرتا، یہ جو کسی بھی شئہ سے سچا عشق ہوتا ہے نہ وہ عشق ہی اس شئہ کو ہمیشہ اول رکھتا ہے۔ ماورائی نفسیات میں نے محض ڈگری کے لیے نہیں چنی۔۔۔ بلکہ مجھے اکثر لگتا ہے کہ اس سبجیکٹ نے مجھے چنا ہے، عاص نے یہ کہا تو ہیزل بولی۔۔۔

اوہ! تم تو ابھی سے فلسفہ جھاڑنے لگے۔ یہی فلسفہ میری زندگی کا سچ ہے۔ میں اس سبجیکٹ میں بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں بہت کچھ جاننا چاہتا ہوں، سچائی کی کھوج کا جو کیڑا یہاں ہے نہ، اس نے اپنی کنپٹی پہ انگلی مار کے کہا، وہ مجھے ہر پل اس علم پہ اکساتا ہے۔ اگر اماں بابا کی اینیورسری نہ ہوتی تو میں چھٹیوں میں بھی شاید ابھی مشکل سے ہی یہاں آتا اور اس وقت اپنے پراجیکٹ پہ کام کر رہا ہوتا۔۔۔ عاص نے بتایا۔ چلو اگر کسی مدد کی

ضرورت ہوئی تو بتانا، ہیزل نے کہا۔ضرور! اندر چلیں؟ یہاں کافی ٹھنڈ ہے۔۔۔ عاص نے کہا تو وہ اس کے ساتھ اندر چلی آئی۔

ان کے لاؤنج میں قدم رکھتے ہی باتیں کرتے زیان، ثمر اور بہرام یک دم خاموش ہو گئے۔ عاص اور ہیزل ان تینوں کی پریشان شکلیں دیکھ کے حیران تھے۔ سب ٹھیک تو ہے؟ لگتا ہے کوئی بہت ہی سنجیدہ بات چل رہی تھی، عاص نے دریافت کیا۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے کہ باہر ڈور بیل بجی۔۔۔ ہیزل نے کہا میں دیکھتی ہوں اور کچھ ہی دیر میں واپس آ گئی۔۔۔ کون تھا؟ ثمر نے پوچھا۔ بچے تھے۔۔۔ یہ جواب اس نے ثمر کی بجائے بہرام کو دیکھتے ہوئے دیا تو بہرام نے عجیب طرح سے مسکرا کر ہیزل کو دیکھا۔کون سے بچے؟ زیان نے پوچھا۔انکل! کچھ بچے ہیلوئن کاسٹیومز پہنے کینڈیز لینے آئے تھے تو میں نے انہیں سمجھایا کہ آپ کو آپ کے بڑے بہن بھائیوں نے بیوقوف بنایا ہے، ہیلوئن نائٹ آج نہیں، کل ہے۔۔۔ اور سب ہنسنے لگے۔۔۔ ماسوائے بہرام کے۔۔۔

اوہ! پیارے پیارے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے! یہاں آپ کے علاقے میں تو بچوں کی بھرمار ہے۔ اس چھوٹے سے قصبے میں بھی جگہ جگہ بچے مل جاتے ہیں ورنہ ہمارے نارتھ لیک میں تو بچوں کو ڈھونڈھنا پڑتا ہے۔۔۔ بہرام کو یہ بات کہہ کر مسکراتا دیکھ ثمر اور زیان سنجیدگی اور فکر سے ایک دوسرے کی طرف تکنے لگے۔۔۔ میرا خیال ہے اب ہمیں بھی نکلنا چاہیے، بہرام اٹھ کھڑا ہوا۔ثمر اور زیان بھی اسے رخصت کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔اتنی جلدی؟ انکل بہرام رات ہو رہی ہے، صبح چلے جائیے گا۔ ہم تو اندھیروں کے مسافر ہیں، یہ کالی راتیں ہمیں کچھ نہیں کہتیں، کیوں زیان؟ بہرام نے اپنا ہاتھ زیان کے آگے کرتے ہوئے کہا۔۔۔ اور زیان نے نہایت سنجیدگی سے ہاتھ ملایا۔ گرینڈپا نے آج رات کی واپسی کی فلائٹس کروالیں تھیں کیونکہ کل ہمیں سپائرل قاصل میں ہیلوئن پارٹی کے لیے بھی جانا ہے، ہیزل نے جانے کی وجہ بتائی۔ بلکہ آپ لوگ بھی چلیں، ہیزل نے مدعو کیا۔ بہت شکریہ ہیزل! ویسے بھی مجھے یقین ہے کہ وہ ایک نہایت پرائیویٹ پارٹی ہوگی، ثمر نے جواب دیا۔ہاں! پرائیویٹ تو ہے لیکن تم لوگوں سے کیسی پرائیویسی؟ تم تو ہماری پارٹیز اور سوشلائزنگ کے بارے میں سب جانتے ہو، بہرام نے ذومعنی انداز میں زیان اور ثمر کو دیکھا۔

انکل! اماں بابا تو ایسی پارٹیز میں نہیں جاتے لیکن اگر مجھے یہاں کچھ دن اور ان کے ساتھ نہ رکنا ہوتا تو میں آپ کی پارٹی میں ضرور آتا۔ عاص نے اپنی دلچسپی ظاہر کی۔کوئی بات نہیں عاص تم جب بھی آنا چاہو میرے گھر اور میرے سرکل میں تم ہمیشہ ویلکم ہو بلکہ اپنے ماں باپ کو بھی لے کر آنا، یہ میری تو سنتے نہیں۔۔۔ شاید تمہاری سن لیں۔۔۔ بہرام نے عاص کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور زیان پہ ایک گہری نگاہ ڈالتے ہوئے باہر نکل گیا۔ میں انہیں چھوڑ کر آتا ہوں، عاص نے ثمر اور زیان کو کہا۔ڈرائیور نے بہرام کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا، ہیزل جو پہلے ہی اندر بیٹھ چکی تھی اس نے عاص کے پیچھے دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلا کے الوداع کہا جہاں ثمر اور زیان کھڑے تھے، اور پھر گاڑی آگے بڑھ گئی تو عاص گھر کی طرف مڑا۔۔۔

تم نے انہیں کیوں انوائٹ کیا عاص؟ ثمر نے گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ہم ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں اور بہرام انکل ہماری فیملی کو پشتوں سے جانتے اور پسند کرتے ہیں تو اب آپ لوگوں کو اچانک کیا ہو گیا ہے؟ عاص نے پوچھا۔اس سے پہلے کہ ثمر کچھ بولتی، زیان نے اسے روکا، میں بات کرتا ہوں۔ دیکھو بیٹا! پہلے کی بات اور تھی۔ اب ہماری اور ان کی حیثیت میں بہت فرق ہے اور یہ بات تو تم سمجھتے ہی ہو گے کہ دوستی اپنی حیثیت کے لوگوں سے ہی کرنی چاہیے، زیان نے کہا تو عاص بولا۔ بابا! اگر بہرام انکل کے دل میں ایسا کوئی فرق آیا ہوتا تو کیا وہ اتنی دور ہماری خوشیوں میں شریک ہونے آتے؟ اور ویسے بھی مجھے اور

ہیزل کو ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک منٹ! کہیں تم اور ہیزل ایک دوسرے کو؟ ثمر نے سنجیدگی سے پوچھا۔ اوہ نو اماں! ہیزل صرف میری دوست ہے بس اور کچھ نہیں اور ویسے بھی لائف پارٹنر کے لیے میری پسند اس سے بالکل الٹ ہے۔ عاص کے جواب پہ ثمر نے سکون کا سانس لیا اور صوفے پہ بیٹھ گئی لیکن زیان بولا! بالکل الٹ؟ یعنی تمہاری بیوی خوبصورت نہیں ہونی چاہیئے؟ کیوں نہیں ہونی چاہیے؟ لیکن اس کا حسن ایسا سادہ ہو جسے ڈھیروں ڈھیر میک اپ سے چھپانا نہ پڑے، ویسے بھی ہیزل کے زندگی گزارنے کے طریقے اور نظریات مجھ سے بالکل الگ ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ بھی اپنی ماں کی طرح کرسچن ہے۔ عاص کی بات پہ ثمر بولی، اس کی ماں تو پھر بھی کرسچن تھی، وہ تو شاید کرسچن بھی نہیں ہے۔ زیان نے ثمر کو آنکھوں ہی آنکھوں میں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بولا، ویسے ثمر! ایک بات سے تو تم مطمئن ہو جا کہ ہم تو ہمیشہ ڈرتے رہے اس کی پرورش کو لے کے لیکن ہمارا بیٹا تو بالکل دیسی نکلا۔۔۔ اور وہ تینوں مسکرانے لگے۔۔۔

کچھ دن ورجینیا میں گزارنے کے بعد جب عاص واپس آیا تو اسے اپنے کلاس فیلو پیٹر کے جنگل والے حادثے کی خبر ملی تو وہ اس سے ملنے ہاسپٹل چلا گیا جہاں اس کی جسمانی حالت کے ساتھ ساتھ اس کی دماغی حالت بھی کچھ ٹھیک نہیں تھی۔

عاص، جوزف اور انش ڈاکٹر ویلمارٹ کے آفس میں موجود تھے۔ جو کچھ تم لوگوں نے بتایا ہے اس بات پہ تم لوگ یونیورسٹی سے نکالے جا سکتے ہو۔ میرے آفس میں چوری کوئی معمولی بات نہیں! ڈاکٹر ویلمارٹ، جوزف اور انش سے مخاطب تھے۔ ڈاکٹر ویلمارٹ! ہم بہت شرمندہ ہیں۔ ہمارے ایک دوست کو پہلے ہی اس کی سزا مل چکی ہے اور جو کچھ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ اتنا خوفناک اور ناقابل یقین تھا کہ ہم نہیں چاہتے کہ کسی کے ساتھ بھی ایسا ہو، آپ ہمیں معاف کر دیں۔۔۔ ہم عاص سے بھی معافی مانگ چکے ہیں بلکہ اسے بھی ہم یہی مشورہ دیں گے کہ یہ اس ٹاپک پہ اپنی تحقیق بند کر دے۔ انش نے شرمندگی سے کہا۔ ڈاکٹر ویلمارٹ! انہوں نے بھلے ایک شرمناک حرکت کی ہے لیکن یہ تینوں اس پہ شرمندہ بھی ہیں، میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ ان کے خلاف کوئی ایکشن نہ لیں اور انہیں معاف کر دیں۔۔۔ اور رہی میرے پراجیکٹ کی بات تو یہ کل بھی میرا تھا اور میں آگے بھی اسی پہ کام کروں گا۔ اب میں اجازت چاہوں گا۔ عاص اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔ اوکے! اسی یو عاص، یو مے گو نا۔ ڈاکٹر ویلمارٹ نے اسے آفس سے نکلتا دیکھ سامنے بیٹھے جوزف اور انش کو سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا، میری معافی کے بدلے کیا کر سکتے ہو؟ کچھ بھی۔۔۔ جوزف اور انش ایک ساتھ بولے تو ڈاکٹر ویلمارٹ کرسی سے ٹیک لگائے انہیں دیکھ کے کچھ سوچنے لگے۔

امریکہ کے انسٹھ نیشنل پارکس میں سے یہ سب سے بڑا اور گھنا جنگل تھا جہاں کئی کیمپنگ، ہائکنگ اور ٹریکنگ کے شیدائی گھومنے آتے تھے۔ عاص اس جنگل میں پارٹ ٹائم سیکیورٹی آفیسر کا کام کرتا تھا۔ ہفتے میں دو دن کلاسز ہونے کی وجہ سے اس نے ہیڈ کوارٹر سے این او سی لے رکھا تھا جس کے تحت اسے جمعہ اور ہفتے کے دن شہر جا کر اپنی کلاسز لینے کی اجازت تھی اور اسی خاص اجازت نامے کی وجہ سے وہ اپنی پڑھائی اور نوکری کو ایک ساتھ منظم رکھ پا رہا تھا۔ فارسٹ سیکیورٹی آفیسر کی نوکری کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس کا کام جنگل میں حفاظتی انتظامات کی دیکھ ریکھ کی غرض سے گشت کرنے سے لیکر جنگل میں کھو گئے لوگوں کو تلاش کرنا ہوتا تھا۔ شکار، کیمپنگ اور ٹریکنگ کی غرض سے آئے زیادہ تر لوگ جنگل میں دور تک نکل جانے کی وجہ سے راستہ بھٹک جاتے تھے لیکن پچھلے کچھ عرصے میں یہاں لوگوں کی پراسرار گمشدگیوں اور پراسرار اموات کی اطلاعات میں اضافے نے عاص سمیت پورے فارسٹ سیکیورٹی کے محکمے کو پریشان کر رکھا تھا۔ اپنی ملازمت کے ان دو سالوں میں اس نے یہاں عجیب و غریب اموات دیکھی تھیں۔

اور کچھ لوگ تو ایسے تھے جن کا سرے سے کچھ پتہ ہی نہ چل سکا تھا کہ انہیں زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا تھا۔ اپنے ذاتی تجربات کے علاوہ اس نے ان جنگلات کے بارے میں اپنے سینیئرز اور ساتھی آفیسرز سے بیشمار قصے بھی سن رکھے تھے اور یہی وجہ تھی کہ جب پیرا سائیکالوجی کے لیے کسی ایسی پراسرار جگہ یا کسی غیر معمولی رویوں کے شکار انسان کی کیس سٹڈی کی بات آئی تو اس نے اسی امریکن نیشنل پارک کو چنا جہاں کی پراسراریت کا مشاہدہ اس نے خود کیا تھا۔

اس جنگل کی سب سے عجیب بات اسے یہاں سیڑھیوں کا پایا جانا لگتی تھی۔ بالکل ویسی سیڑھیاں جو عام گھروں میں پائی جاتی ہیں، لکڑی سے بنی، لوہے سے بنی، پتھر اور سیمنٹ سے بنی، ہر طرح کی بڑی چھوٹی، اونچی، نیچی، تنگ اور چوڑی سیڑھیاں۔۔۔ کچھ پتھر کی مضبوط سیڑھیوں کے بارے میں اس کی یہ سوچ ممکنات میں شمار ہوتی تھی کہ وہ صدیوں پرانے دور کے کھنڈرات کی نشاندہی کرتی ہیں لیکن ان سیڑھیوں کا کیا جو کسی جدید ترین طرزِ عمارت کی نشاندہی کرتی تھیں؟ بہت سارے اور سیکیورٹی آفیسرز کی طرح اسے بھی ان سیڑھیوں کی طرف متوجہ نہ ہونے کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ اور اسے ہر حالت میں ان سیڑھیوں کو ان دیکھا کر کے اپنی ڈیوٹی پہ دھیان دینے کی تلقین کی گئی تھی جس پہ وہ ایک پیشہ ور آفیسر ہونے کے ناطے پوری طرح عمل پیرا تھا۔

لیکن ساتھ ہی ساتھ ماورائی نفسیات کا طالب علم ہونے کے ناطے اس نے اپنے اندر بھرے بھرپور تجسس کی تسکین کے لیے انہی سیڑھیوں کا موضوع چنا تھا۔ اور اب جبکہ اس کی پڑھائی کے آخری دور میں اپنے چنندہ موضوع پہ کام کرنے کا وقت آیا تو اس نے جی جان ایک کر کے ان سیڑھیوں کی پراسراریت کے شواہد اکٹھے کرنے شروع کر دیے تھے اور اس ضمن میں اس نے اس جنگل کی بیشتر مسنگ اور باڈی فائنڈنگ رپورٹس پڑھ ڈالی تھیں جن میں سے اکثر گمشدہ، زندہ، مردہ یا بیہوش لوگ انہیں جنگل میں کچھ میل اندر تک جا کر ان جگہوں پر ملے تھے جہاں وہ سیڑھیاں دیکھی گئی تھیں۔ ایک اعداد و شمار کے حساب سے وہ سیڑھیاں جنگل میں چھ سے پچیس میل کے اندر دیکھی گئیں تھیں اور کچھ تو جنگل کے بیرونی شروعاتی کنارے سے سینتیس میل اندر جا کر ملی تھیں۔ اب یہ فاصلہ کوئی ایسا معمولی نہیں تھا جو کیمپنگ، یا ٹریکنگ یا شکار پہ آنے والا ہر شخص آسانی سے طے کر سکے۔۔۔

دنوں کی مسافت تھی اور جنگل کے اندر جہاں بنا قطب نما یعنی کمپاس کے بغیر جانے والے سمت کا تعین نہ ہونے کے باعث واپسی کا راستہ بھول جاتے تھے، بھوک اور پیاس سے مر بھی سکتے تھے اور مرتے بھی تھے۔ بھوک پیاس سے مرنا تو ایک قدرتی عمل ہے مگر وہ لوگ جن کی کٹی پھٹی لاشیں اونچے اونچے پیڑوں پہ لٹکی ملتیں تھیں، ان کے کیس کی پراسراریت ایک سوالیہ نشان بن کے رہ گئی تھی۔ اور کچھ لوگ جو اپنی لاپتہ ہو جانے والی جگہ سے میلوں دور اندر جا کر زندہ سلامت لیکن بیہوش حالت میں ملتے تھے، انہیں اپنے ساتھ گزرے دنوں کا نہ تو کوئی حساب ہوتا تھا نہ ہی انہیں اپنے ساتھ گزرے حالات یاد رہتے تھے۔ ان کے لیے ان کی گمشدگی محض کچھ گھنٹوں کی ہوتی تھی جبکہ حقیقت میں ان میں سے کچھ غیر معمولی کیسز میں لوگ ہفتوں اور مہینوں گزر جانے کے بعد بھی بالکل صحیح حالت میں ملے تھے لیکن انہیں کچھ یاد نہیں تھا۔ جبکہ عمومی طور پہ اگر کسی گمشدہ شخص اور خاص طور پر کسی بچے یا بوڑھے کو گم ہوئے کچھ دنوں سے زیادہ ہو جائے تو اس کے زندہ ملنے کے چانسز نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ گمشدہ ہونے والوں میں بچے، بوڑھے، مرد اور عورتیں سبھی شامل تھے۔

کچھ رپورٹس کے مطابق بچے فیملی کے قریب آس پاس کھیلتے کھیلتے ہی غائب ہوئے تھے۔ جن میں سے کچھ کی لاشیں میلوں دور بری حالت میں پائی گئیں تھیں اور کچھ کا تو کبھی پتہ ہی نہ چل سکا تھا۔ کیمپنگ پہ آئے کچھ لوگوں نے جنگل میں ونڈیگو دیکھے جانے کے دعوے بھی کیے تھے۔ قدیم روایتوں کے مطابق ونڈیگو

ویرانوں اور جنگلات میں پائی جانے والی ایک ایسی بلا کا نام ہے جو انسانوں کے گوشت اور خون سے زندہ رہتی ہے۔ انہیں روایتوں کے مطابق یہ دو پیروں پہ چلنے والی آٹھ سے دس فٹ یا اس سے بھی زیادہ لمبائی پہ مشتمل ایک ایسی مخلوق ہے جس کے بازوں کی لمبائی زمین تک پہنچتی ہے اور اسکے ہاتھ بیحد لمبے اور نوکیلے ہوتے ہیں دیکھنے میں اس کا دھڑ انسانی ڈھانچے سے مشابہہ رکھتا ہے لیکن اس کا چہرہ کسی لمبے مونہہ والے جانور کی طرح ہوتا ہے جس کے سر پر مارخور کی طرح بہت بڑے اور لمبے سینگ ہوتے ہیں۔

اس کا مشاہدہ کرنے والے بہت سے لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ روپ بھی بدل سکتا ہے اور کسی بھی جاندار کی آواز بھی نکال سکتا ہے جسے وہاں کی زبان میں شیپ شفٹر اور سکن واکرز بھی کہا جاتا ہے۔ جنگل کی پراسرار مخلوقات کے حقیقی یا غیر حقیقی ہونے کی بحث اپنی جگہ مگر عاص کو ان گھنے جنگلوں کے بیچ و بیچ موجود طرح طرح کی سیڑھیوں کی حقیقت جاننی تھی۔۔۔

لہٰذا اس نے فی الحال اس ونڈیگو کے مفروضے کو نظر انداز کرنا ہی ضروری سمجھا جسے ننانوے فیصد لوگوں نے نہیں دیکھا تھا۔ اب اس کا فوکس صرف سیڑھیوں پر تھا جسے کم و بیش ریسکیو فورس کے ہر ممبر اور سیاحوں نے دیکھ رکھا تھا اور اس ضمن میں اس نے کئی آرٹیکلز پڑھ ڈالے تھے۔ ان سیڑھیوں کا مشاہدہ کرنے والے لوگوں کے انٹرویوز کر لیے تھے اور اب وقت تھا خود سے جنگل کو دریافت کرنے کا۔۔۔

لہٰذا اس نے اپنی نوکری سے چھٹیاں لے کر وہ چھٹیاں اسی جنگل میں گزارنے کا سوچا۔۔۔ کیونکہ نوکری پہ رہتے ہوئے اپنی تعلیمی تحقیق پہ وقت سرف کرنا اپنی پیشے کے ساتھ بیایمانی تھی اور وہ ایمانداری اور بے ایمانی کے فرق سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ اس نے اپنے ساتھی آفیسرز کو اپنے اصل ٹاپک سیانجان رکھ کر محض اپنے کیمپنگ کے بارے میں انہیں آگاہ کیا تھا اور اپنے واپس آنے کے دنوں کا تعین بھی کر دیا تھا۔

کچھ دن پہلے انہیں ایک شخص کی گمشدگی کی رپورٹ پہ کام کرتے ہوئے اس کی لاش بہت بری حالت میں ملی تھی جیسے اسے کسی جنگلی جانور نے چیڑ پھاڑ ڈالا ہو مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ اسے کھایا نہیں گیا تھا لیکن اس کے سینے سے اس کا دل غائب تھا۔ اس جگہ سے دو میل دور عاص نے ان سیڑھیوں کو دیکھا تھا۔ سیمنٹ سے بنی دس سے پندرہ فٹ چوڑی اور بیس سے پچیس فٹ اونچی وہ سیڑھیاں۔۔۔ جیسے کسی نے کسی گھر سے نکال کر یہاں رکھ دی ہوں۔۔۔ کچھ مہینوں پہلے جب سے اس نے ان پراسرار سیڑھیوں پہ کام کرنے کا سوچا تھا اس نے اپنی ڈیوٹی کے دوران ایک پیلے رنگ کا سپرے اپنے پاس رکھنا شروع کر دیا تھا اور جب کبھی جنگل میں حفاظتی گشت کے موقع پر یا کسی لاپتہ کو ڈھونڈنے یا کسی کی مدد کے لیے جنگل کے اندر اس کا جانا ہوتا اور وہاں اسے وہ سیڑھیاں نظر آتیں تو وہ ان سیڑھیوں کے چاروں اطراف موجود درختوں میں سے کچھ درختوں پہ پیلے رنگ کے ساتھ تیر کا نشان بنا دیتا تھا تاکہ وہ نشان ان سیڑھیوں کی یہاں موجودگی کی نشاندہی کر سکیں۔۔۔ اور اسے یاد رہے کہ ان درختوں کے پار اس نے یہ سیڑھیاں دیکھی تھیں۔ یہ رنگ رات کی روشنی میں چمکتے تھے۔۔۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا کہ جب بھی اسے اپنے سپرے سے رنگے درخت نظر آئے ان کی اندرونی حدود میں یا آس پاس وہ سیڑھیاں کہیں موجود نہیں تھیں۔۔۔ یعنی جیسے وہ جنگل میں اچانک دکھائی دیتی تھیں ویسے ہی دوبارہ ڈھونڈنے پہ غائب بھی ہو جاتی تھیں۔

وہ صبح سے مسلسل چل رہا تھا اس کا ارادہ جنگل میں زیادہ سے زیادہ اندر جانے کا تھا لیکن ابھی کے لیے اس نے کچھ دیر رکنے کا سوچا، ایک درخت کے قریب ستانے کے لیے لیٹا تو تھکن سے اس کی آنکھ لگ گئی۔ ایک گھنٹہ گزرا ہوگا کہ کسی ٹرین کے بے پناہ شور سے اس کی آنکھ کھل گئی۔۔۔ وہ شور اتنا زیادہ تھا کہ جیسے اس کے چاروں طرف بالکل قریب سے ریل گاڑیاں گزر رہی

ہوں۔۔۔ وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھا، چاروں اور صرف گھنا جنگل تھا لیکن یہ شور اس کے کان کے پردے پھاڑ رہے دے رہا تھا۔۔۔ وہ اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھے ان آوازوں سے بچنے کی کوشش کرنے لگا مگر اتنے زیادہ شور سے بچنا اس کے لیے ناممکن تھا۔۔۔ اسے لگا کہ عنقریب اس کے کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے۔۔۔ اور تبھی اچانک سے خاموشی ہوگئی۔۔۔ بے انتہا شور سے بے انتہا خاموشی۔۔۔

اس کا دل ابھی بھی زور زور سے دھڑک رہا تھا لیکن اسے ان آوازوں کا ذریعہ معلوم نہ ہوسکا۔۔۔ اس نے پانی پیا اور یہاں سے آگے چلنے کی ٹھانی۔۔۔ اور تب تک چلتا رہا جب تک کہ شام نہیں ہوگئی۔ عجیب بات تھی کہ ابھی تک اسے کوئی سیڑھیاں نظر نہیں آئیں تھیں۔ اپنی سمارٹ واچ کے مطابق وہ آٹھ سے دس میل تک اندر آچکا تھا۔ اس نے اندھیرا ہونے سے پہلے اپنا کیمپ تیار کیا۔۔۔ آگ جلانے کے لیے کچھ لکڑیاں جمع کیں، اپنے ساتھ لائے کین فوڈ اور کھجوروں کے ساتھ اپنی بھوک مٹائی اور وہیں آگ کے پاس بیٹھ کر اپنے آج کا تجربہ قلم بند کرنے لگا۔ رات کے وقت یہ جنگل اور بھی بھیانک لگتا تھا۔ اس نے اپنے خیمے میں جاکے اسے زپ لاک کیا اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔

رات سکون سے گزر گئی تو صبح وہ پھر سے سیڑھیوں کی تلاش میں نکل پڑا۔ تقریباً گھنٹے بھر کی مسافت کے بعد اس وہ دکھائی دے گئیں۔۔۔ لوہے اور ٹائلز کی بنی وہ سیڑھیاں جدید طرز تعمیر کا نمونہ تھیں، بالکل کسی جدید شاپنگ مال کے ایکسلیٹر جیسی۔۔۔ اسی طرح دونوں جانب لوہے سے بنی سائیڈ ریلنگز، درمیان میں ربڑ اور ٹائلز کے مکسچر سے بنی سیڑھیاں اتنی ہی چوڑی اور اونچی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی شاپنگ مال یا کسی فائیو سٹار ہوٹل کی لابی سے کاٹ کر انہیں یہاں لا کے رکھ دیا گیا ہے۔۔۔ اس نے کیمرہ نکالا اور اپنی حیرت پہ قابو پاتے ہوئے اس کی تصویریں کھینچنا شروع کردیں۔۔۔ اس نے جیسے ہی کیمرہ لینز سے اس کی تصویر کھینچی، کلک کی آواز کے ساتھ ہی کچھ اور آوازیں بھی اس کے کانوں سے ٹکرائیں اور اس پھر اس نے ان آوازوں پہ غور کرنے کے لیے دھڑا دھڑ تصاویر کھینچنا شروع کردیں اور اسے اندازہ ہوا کہ وہ آوازیں ایسی تھیں جیسے بہت سارے لوگ ایک ساتھ مل کر کچھ بول رہے ہیں لیکن وہ کیا بول رہے تھے یہ واضح نہیں تھا۔ اسے اس کیمرہ میں ابھی بہت کچھ کیپچر کرنا ہے تو اس کا بیجا استعمال کیمرے کی بیٹری جلد ڈاؤن نہ کردے اور اسی سوچ کے ساتھ اس نے کیمرہ آف کردیا۔۔۔ اس کے دل میں آئی کہ وہ ان سیڑھیوں پہ چڑھ کے دیکھے لیکن وہ پیٹر کے ساتھ ہوئے واقع کے بعد احتیاط برتنا چاہتا تھا کم از کم تب تک جب تک وہ اس جنگل سے واپسی کی راہ نہ لے لے۔۔۔ پر آج تو اس کا دوسرا دن تھا۔ واپسی پہ وہ ضرور اس پہ چڑھ کے دیکھے گا۔

عاص نے فوراً ان سیڑھیوں کے آس پاس کے درختوں پر تیر کا نشان بنانا شروع کردیا تھا۔ وہ نہ جانے کتنی دیر تک وہیں بیٹھا ان سیڑھیوں پہ غور کرتا رہا۔ وہ بہت صاف تھیں کوئی دھول مٹی گھاس کا ٹکڑا یا گھنے درختوں کی کوئی ٹہنی یا ایک پتہ تک ان پہ موجود نہیں تھا جبکہ ان سیڑھیوں سے باہر جا بجا پتے اور چھوٹی بڑی ٹہنیاں بکھری پڑی تھیں۔ اس نے اپنا سفر جاری رکھنے کی ٹھانی۔۔۔

چلنے سے پہلے اس نے اپنے قطب نما سے سمت کا تعین کرنے کے لیے اسے دیکھا تو اس کی سوئیاں ساکت تھیں۔ اس نے گھوم کر دیکھا مگر کسی بھی سمت اس کا کمپاس کام نہیں کر رہا تھا۔ قطب نما جو کچھ دیر پہلے تک کام کر رہا تھا اب سیڑھیوں کے قریب پہنچتے ہی جام ہوچکا تھا اور اتنے بڑے گھنے جنگل میں سمت کا تعین کیے بغیر چلنے کا مطلب ہے اپنی توانائی، وقت اور مقصدِ سفر کو برباد کرنا۔۔۔ چند دنوں کے کھانے پینے کا محدود سامان ہوتے ہوئے آپ جنگل میں گھومتے ہوئے دوبارہ وہیں پہنچ سکتے ہیں جہاں سے چلے تھے کیونکہ ہر طرف ایک ہی طرح کے درخت اور جنگلی پودے آپ کو یہ

اندازہ ہی نہیں ہونے دیتے کہ آپ کس طرف سے آئے تھے اور آپ کو کس طرف جانا ہے اور ایسے میں بہت سے لوگ راستہ بھٹک کے جنگل میں بھوکے پیاسے جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ یہ بات خطرے سے خالی نہیں تھی اور جنگلی جانوروں کا خطرہ اپنی جگہ۔۔۔ اس نے اپنی اس پریشانی سے نمٹنے کے لیے سب سے پہلے اپنے اعصاب بحال کیے لمبی لمبی سانسیں لینے کے بعد سفر کی دعا پھر سے پڑھی۔۔۔ جو اس نے کل یہاں آنے سے پہلے پڑھی تھی اور پھر اندازے سے ایک طرف کو چل پڑا۔۔۔

کل سے اب تک وہ جنگل کے اندر بیس میل کا فاصلہ طے کر چکا تھا۔ اس کا ارادہ اتنا ہی اور اندر جانے کا تھا۔۔۔ اندھیرا پھیلنے سے پہلے اس نے ایک ندی کے قریب اپنا انفلیٹیبل خیمہ لگایا اور گزشتہ رات ہی کی طرح آج بھی چند لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی، کھانا کھایا اور اپنے آج کے مشاہدے قلم بند کرنے کے بعد اپنے ساتھ لائی الیگزینڈر رپورٹیس کی ایک کتاب فارسٹ ان فوک لور اینڈ مائتھالوجی پڑھنے میں مشغول ہو گیا لیکن جلد ہی اس نے یہ سوچ کہ کتاب بند کر دی کہ اس کتاب کے قصے اور باتیں اس کے ذہن میں تصوراتی اور سماعتی الیوژن پیدا کر سکتی ہیں۔ ماہر نفسیات ہونے کے ناطے ماہر ہونے کے ناطے وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھا کہ ایسی ویران جگہوں پہ تنہائی سے اچھے بھلے صحت مند انسان کا دماغ بھی ایسے ایسے تصوراتی اور سماعتی دھوکے تخلیق کر سکتا ہے جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔۔۔ اور ایسے میں انسان کو نارمل رہنے کے لیے کسی بھی قسم کے نشے اور یا تصوراتی باتوں سے دور رہنا چاہیئے تاکہ کسی قسم کے غیر معمولی واقع پہ اسے اپنی ذہنی صحت کے بارے میں کوئی شائبہ نہ ہو اور وہ سوجھ بوجھ سے کام لے سکے۔ اس کتاب کو محض وقت گزاری کے لیے اپنے ساتھ یہاں لے کر آنے کی غلطی کا احساس ہوتے ہی اس نے اسے بند کر دیا اور جلدی سونے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنے خیمے میں چلا گیا۔۔۔ رات کے کسی پہر آنکھ کھل جانے پر اسے دور سے کسی چیخ کی آواز سنائی دی۔۔۔ وہ آواز بہت دور سے آ رہی تھی۔ وہ چیخ انسانی مگر درد میں ڈوبی ہوئی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ اس کا وہم تھا یا حقیقت؟

باہر ایک اور شور ابھرنے لگا، اور وہ شور تھا بارش کا۔۔۔ یہ بے موسمی بارش؟ خیر جنگل کی بارشوں کا کوئی اعتبار نہیں، یہ کبھی بھی برس پڑتی ہیں۔۔۔ دور سے آتی چیخ کی آواز پھر سے سنائی دی۔ اس نے باہر جانے کا سوچ کے اپنی ٹارچ پکڑی اور خیمے کی زپ کھولی تو باہر تیز ترین بارش دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اس خراب موسم میں بنا ڈائریکشن ایک انجانی چیخ کے پیچھے یوں بنا کسی ہتھیار چلے جانا بیوقوفی تھی۔ وہ کچھ دیر یونہی لیٹا رہا۔۔۔

وہ چیخ پھر دوبارہ سنائی نہیں دی۔ نیند اور تھکن نے اس کی آنکھیں بند کر دیں اور جب صبح اس کی آنکھ کھلی تو بارش تھم چکی تھی۔ اپنا سامان سمیٹتے ہوئے اس نے بے دھیانی میں اپنا قطب نما بیگ سے نکالا تو اس کی سوئیوں کو حرکت کرتے پایا۔۔۔ اوہ یہ تو جام ہو چکا تھا لیکن ابھی پھر سے کام کر رہا ہے وہ یقین دہانی کے لیے خیمے سے باہر آ کر چاروں اور گھوم کر دیکھنے لگا اور اسے یہ جان کر نہایت خوشی ہوئی کہ ایک تو وہ قطب نما نہ صرف ٹھیک سے کام کر رہا تھا بلکہ اللہ کا نام لے کر وہ کل اندازے سے جس سمت کی طرف چلا تھا وہ بالکل ٹھیک تھی اور اس کا میلوں چلنا بیکار نہیں ہوا تھا اور نہ ہی وہ راستہ بھٹکا تھا۔۔۔

ندی کے تازہ اور شفاف پانی سے اس نے مونہہ ہاتھ دھویا اور پینے کا پانی بھرا۔ آج تیسرا دن تھا وہ کئی بار رکا اور چلا تھا۔ اب شام ہونے والی تھی لیکن آج اسے کوئی سیڑھیاں دکھائی نہیں دی تھیں اس نے سوچ رکھا تھا کہ اب جو بھی ہو وہ ان پہ ضرور چڑھے گا۔ آخر شمر اور زیان نے بچپن سے ہی اسے بہت سی حفاظتی دعائیں سکھا رکھی تھیں۔ جن پہ اس کا ایمان کافی مضبوط تھا مگر اسے کبھی ایمرجنسی کی ضرورت ہی درپیش نہ آئی تھی۔ وہ

یہ سوچتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی سمارٹ واچ کے مطابق وہ ان تین دنوں میں اب تک تینتیس میل تک کا فاصلہ طے کر چکا تھا۔ اس نے قدم آگے بڑھائے تو کچھ دور درختوں کے جھنڈ کے پیچھے اسے کچھ سفید سفید نظر آیا۔۔۔

وہ یقینی اور بے یقینی کی کیفیت میں تیز تیز قدم بڑھاتا آگے بڑھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔۔۔ اس کے سامنے سیڑھیاں موجود تھیں۔

جنگل میں سیڑھیاں اس نے پہلے بھی دیکھی تھیں اور اب بھی دو دن سے دیکھ رہا تھا لیکن یہ ان سیڑھیوں سے بہت مختلف تھیں۔ یہ بہت چوڑی بہت اونچی اور بہت خوبصورت سیڑھیاں تھیں۔ ان کی چوڑائی بیس سے پچیس فٹ اور اونچائی تقریباً پچاس سے پچپن فٹ کے آس پاس تھی۔۔۔ سفید سیڑھیوں پہ سفید ہی رنگ کا صاف ستھرا قالین بچھا تھا اور سیڑھیوں کے دونوں جانب خوبصورت نقش و نگار والی سنہرے رنگ کی ریلنگ موجود تھی۔ انہیں دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے کسی عالی شان محل کی سیڑھیوں کو اٹھا کر یہاں لا کے رکھ دیا گیا ہے۔ اف! یہ کیا اسرار تھا؟ یہ سیڑھیاں اس کی اب تک کی دیکھی جانے والی سبھی سیڑھیوں میں سب سے زیادہ حیران کن اور غیر معمولی تھیں۔ انسانی آبادی سے دور دراز ایک گھنے جنگل کے بیچ و بیچ ان سیڑھیوں کا پایا جانا بے حد پر اسرار تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے قطب نما پہ نگاہ ڈالی جو پھر سے ساکت تھا۔ اس نے اپنے کیمرے سے ان سیڑھیوں کی تصاویر لیں اور اب وقت تھا ان پہ چڑھنے کا۔۔۔ اس نے اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق تین بار پڑھا اور پہلی سیڑھی پہ قدم رکھ دیا۔۔۔ سب کچھ نارمل تھا۔ وہ ایک ایک قدم بڑھاتا اوپر جا رہا تھا۔۔۔

اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اسے ایک ایک کر کے ان سب لوگوں کے بتائے تجربات یاد آنے لگے جنہوں نے ان پہ چڑھ کر نقصان اٹھایا تھا۔ وہ جیسے جیسے اوپر پہنچ رہا تھا، اس کے آس پاس کی فضا خاموش ہوتی جا رہی تھی یہاں تک کے اسے اپنے قدموں کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔۔۔ بچے! ان سیڑھیوں سے ڈیل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انہیں نظر انداز کر دو۔۔۔ نہ ان کا ذکر کرو اور نہ ان پہ قدم رکھو۔۔۔

اسے اپنی ٹریننگ کے دنوں میں ان سیڑھیوں کے بارے میں کیے جانے والے اپنے ایک سوال کے جواب میں اپنے آفیسر کی ہدایت یاد آ گئی۔ نہ جانے کیوں انہیں ان سیڑھیوں کو نظر انداز کرنے اور ان سے دور رہنے کی ٹریننگ دی جاتی تھی؟ لیکن اس وقت وہ ایک سیکیورٹی آفیسر نہیں بلکہ ایک ریسرچر کی حیثیت سے یہاں آیا تھا۔ آخری سیڑھی پہ پہنچ کے اس نے جنگل میں چاروں اور نگاہ دوڑائی تو اسے عجیب بےچینی سی محسوس ہوئی اسے لگا جیسے اسے کوئی دیکھ رہا ہے۔۔۔

وہ ہر درخت پہ غور کرنے لگا۔۔۔ وہاں تو کوئی پرندہ تک نہیں تھا۔ حد سے زیادہ خاموشی تھی پھر اس نے اپنے سامنے دور ایک درخت پہ کسی کو بیٹھے دیکھا۔۔۔ وہ لمبے سے قد کا کوئی انسان تھا، لمبے سے چوغے میں۔۔۔ مگر اس کی شکل واضح نہیں ہو رہی تھی اور پھر اسے یہی احساس اپنے دائیں جانب موجود ایک دوسرے درخت کے بارے میں ہوا۔۔۔ تو وہاں بھی اسی حلیے کا کوئی شخص موجود تھا۔ اس نے اپنے سامنے پہلے درخت کی جانب دیکھا مگر اب وہاں کوئی نہ تھا لیکن دائیں جانب درخت کی اونچی شاخ پہ کوئی تھا۔ پھر اس نے اپنے بائیں جانب دیکھا تو وہاں بھی کوئی تھا۔ اس نے واپس دائیں جانب گردن گھمائی تو اب اس درخت پہ کوئی نہیں تھا یعنی وہ جو کوئی بھی تھا ایک ہی تھا جو پلک جھپکتے ہی کبھی اسے ایک درخت پہ تو کبھی دوسرے درخت پہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے غور سے اسے دیکھا وہ غالباً کوئی عورت تھی مگر پل بھر میں اتنی آسانی سے ایک درخت سے دوسرے درخت کی اونچی شاخوں پہ اس کی حرکات و سکنات کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ کوئی عام انسان ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ کیا وہ انسان بھی ہے؟ یہ سوچتے سوچتے وہ وہیں بیٹھ گیا۔۔۔ اس نے دوبارہ ادھر نگاہ

ڈالی تو وہ وجود وہاں سے غائب تھا اور پھر اس کی نگاہیں ڈھونڈتیں ہی رہ گئیں لیکن اب اسے ہر درخت کی شاخ خالی ہی نظر آئی۔۔۔

اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے وہیں لیٹ گیا۔ صبح چھٹ چکے بادلوں نے پھر سے اچانک اس پہ اندھیرا تان دیا تھا لیکن یہ بادل ضرورت سے زیادہ ہی کالے تھے۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی گئیں۔۔۔ وہ نیند میں تھا لیکن اپنے اردگرد اسے کچھ لوگوں کے عجیب سی زبان میں بات کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

وہ کسی انجانی زبان میں ایک ساتھ کوئی منتر دہرائے جارہے تھے۔ وہ آنکھیں نہیں کھول پا رہا تھا لیکن اسے ان کی آوزیں صاف سنائی دے رہی تھیں اور کچھ دیر بعد خاموشی چھا گئی۔۔۔ اس نے خود کو اس نیند سے جگانے کی بھرپور کوشش کی اور اپنے دماغ کو جھنجھوڑ کے کسی طرح زبردستی خود کو اس گہری نیند سے جگا ہی لیا۔ اس نے یہ عمل اپنی لوسڈ ڈریمز کی پریکٹس سے سیکھا تھا کہ انسان اپنی مرضی کا خواب دیکھتے ہوئے یا کسی خواب کو اپنی مرضی کی صورتِ حال میں ڈھالتے ہوئے یا کسی خوفناک صورتحال سے بچنے کے لیے خود کو کیسے جگا سکتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان یہ جانتا ہو کہ وہ ایک خواب دیکھ رہا ہے اور اس بھیانک خواب کو ختم کرنے کے لیے اسے خود ہی اپنے دماغ کو قابو کر کے خود کو نیند سے جگانا ہوتا ہے۔

کچھ لوگوں میں یہ صلاحیت قدرتی ہوتی ہے لیکن زیادہ تر لوگوں کو اس کی مشق کرنی پڑتی ہے اور ایسا اس نے پہلے بھی کئی بار کیا تھا۔ اسے نیند میں بھی یہ احساس تھا کہ اس کے گرد پھیلا یہ خوفناک اندھیرا، گرجتے ہوئے بادل، اور اس کے گرد کسی انجانی زبان میں منتر پڑھتے، چکر لگاتے لوگ اس کے خواب میں ہیں اور پھر اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ شروع شروع میں آنکھ کھولنے پر بھی اسے اندھیرا، چنگھاڑتی بجلی اور وہ لمبے چوغے پہنے لوگ ہی دکھائی دیے لیکن اس نے ہار نہ مانی اور بھرپور کوشش کے بعد بالآخر مکمل آنکھیں کھول کر خود کو جگانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔۔۔ نیند سے آنکھیں اب بھی بوجھل تھیں لیکن دماغ جاگ چکا تھا اور تب اس نے غور کیا کہ وہ اندھیرا، چنگھاڑتے بادل اور پراسرار لوگ سب غائب تھے۔۔۔

شفاف آسمان پر ڈھلتے دن کی روشنی، اور اردگرد درختوں کا سبزہ تھا۔ وہ سب سے اوپر سیڑھی پہ پڑا ہوا تھا۔ اسے وہاں سے اترنا تھا اور پھر اس نے حواس بحال کرتے ہوئے سیڑھیاں اترنا شروع کر دیں۔ اسے ذہنی اور جسمانی تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ آخری سیڑھی اترتے ہی وہ زمین پہ گر پڑا، اب اسے کوئی ہوش نہ تھا۔ اب نہ اس پہ کسی دماغی مشق کا دباؤ تھا نہ ہی کسی پراسرار خواب کا خوف۔۔۔ جنگل کا اندھیرا اور اس کے دماغ پہ چھایا اندھیرا ساتھ ساتھ بڑھتے گئے۔۔۔ وہ اسی طرح پڑا رہا اور ہوش میں آنے کے بعد اس کے کانوں میں جو پہلی آواز پڑی وہ کتوں کے بھونکنے کی تھی اور پھر کچھ لوگوں کے باتیں کرنے کی۔۔۔ آنکھیں کھلنے پہ اس نے خود کو فارسٹ سیکیورٹی اسٹاف کے نرغے میں پایا۔ وہ اب بھی زمین پر پڑا تھا۔ ایک آفیسر اس کی نبض چیک کر رہا تھا۔ دن کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ اس سے کچھ گز دور کچھ آفیسرز شکاری کتوں کو لیے کسی چیز کو گھیرے کھڑے تھے۔ وہ ایک کٹی پھٹی لاش تھی۔۔۔ سر! اس کا بھی دل غائب ہے۔۔۔ وہاں کوئی اپنے سیکیورٹی آفیسر سے مخاطب تھا۔ وہ جہاں تک نظر دوڑا سکتا تھا اس نے دیکھا۔ رات وہ آخری سیڑھی سے قدم زمین پہ رکھتے ہی وہیں لیٹ گیا تھا مگر اب وہاں کسی سیڑھی کا نام ونشان نہ تھا۔ عاص! کیا تم ٹھیک ہو؟ آنکھیں بند ہونے سے پہلے اپنے ایک ساتھی آفیسر کی آواز میں یہ آخری جملہ اسے اپنے بہت قریب سے سنائی دیا تھا۔

اس نے سیکیورٹی سٹاف کی وردی میں نیشنل پارک کے شروعاتی کنارے پہ بنے سیکیورٹی آفیس میں قدم رکھا اور ڈرار کو اپنی چابی سے کھول کر وہاں موجود

الماری کی چابی نکالی اور پھر الماری سے فائلز نکال کے جلدی جلدی کچھ ڈھونڈنے لگا۔ وہاں موجود اس کے ایک ساتھی نے اسے دیکھ کے پوچھا۔ اب کیسی طبیعت ہے؟ عاص! کسی مدد کی ضرورت ہے؟ مجھے جنگل میں گم ہو جانے والے ان سب لوگوں کی فائلز چاہیئے جن کی ڈیڈ باڈیز سے ان کے دل نکالے گئے تھے۔ اس نے جواب دیا۔ سب خیریت ہے نا؟ سٹیو نے پوچھا۔ سٹیو! میں نے ان سیڑھیوں پہ کچھ دیکھا تھا۔

عاص کی اس بات پہ اسٹیو چونکا، سیڑھیاں؟ عاص تم ان سیڑھیوں پہ چڑھے تھے؟ تم جانتے ہو کہ ہیڈز کو پتہ چل گیا تو تمہارا ٹریننگ لائسنس کینسل ہو سکتا ہے۔ تم اس نافرمانی پہ نوکری سے بھی نکالے جا سکتے ہو۔ تم جانتے نہیں ہو کیا کہ ہمیں ان سیڑھیوں پہ جانے کی اجازت نہیں ہے۔ سٹیو کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ کیوں نہیں ہے اجازت؟ تم نے کبھی اس بارے میں سوچنے کی، اس بات کو جاننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ آخر ایسا کیا ہے جو ہم سیکیورٹی سٹاف تک سے چھپایا جاتا ہے؟ کیوں کسی کو تلاش کرتے ہوئے اگر ہم کسی سیڑھی پہ چڑھ جائیں تو ہمارے ساتھ آئے شکاری کتے اس گمشدہ انسان کی بو کھو دیتے ہیں؟ کیوں جنگل کے شروع میں ہی کھوئے لوگوں کی لاشیں جنگل کے اندر بیس بیس تیس تیس میل دور پڑی ملتی ہیں؟ اور کیوں ان لاشوں کے آس پاس ہی وہ سیڑھیاں دکھائی دیتی ہیں؟ اگر کوئی جنگلی جانور ان گمشدہ انسانوں کو چیر پھاڑ ڈالتا ہے تو کھاتا کیوں نہیں؟ ان کی لاشوں سے دل ہی کیوں غائب ہوتا ہے؟

اور سب سے بڑھ کر یہاں کی ان پراسرار وارداتوں کو عام لوگوں سے کیوں چھپایا جاتا ہے؟ یہ لاعلمی ان کی جان کے لیے بھی خطرناک ہو سکتی ہے۔ تم یہی سب جاننے کے لیے جنگل کے اندر تینتیس میل تک چلے گئے تھے؟ اگر تمہارے ساتھ کچھ ہو جاتا تو؟ وہ تو ایک لڑکی کی رپورٹ پر ہم اس کے منگیتر کو ڈھونڈتے ہوئے وہاں تک پہنچے تھے لیکن وہیں تمہیں بھی بیہوش پایا جہاں اس لڑکے کی لاش تھی۔ کیا تم اسے جانتے تھے؟ سٹیو نے پوچھا۔ نہیں! میں نہیں جانتا وہ کون تھا اور وہاں کیسے آیا؟ تم لوگ اس لڑکی سے پوچھ تاچھ کرو، عاص نے جواب دیا۔ اس لڑکی نے ہمیں جو فون نمبر اور پتہ درج کروایا تھا وہ غلط تھا۔ جس دن تم جنگل میں گئے تھے اس نے ایک رپورٹ درج کروائی کہ اس کا منگیتر تین چار دن کا کہہ کر نیشنل پارک آیا تھا اور اب اسے دو ہفتے ہو چکے ہیں اس کا فون بھی بند ہے۔ ہم نے اس لڑکی سے اس کے منگیتر کے کچھ کپڑے منگوا کر کتوں کو سنگھائے اور جب ہم ان کے پیچھے پیچھے اس لڑکے کی لاش تک پہنچے تو کچھ دور تمہیں بھی بیہوش پایا تھا لیکن عاص وہاں کوئی سیڑھیاں نہیں تھیں۔ تم وہاں موجود ہونے کی وجہ سے پہلے ہی شک کے دائرے میں ہو اور اب تم ان سیڑھیوں کا ذکر کرو گے تو کوئی تم پہ یقین نہیں کرے گا۔ سٹیو نے اسے مختصراً ریسکیو ٹیم کے اس تک پہنچنے کی روداد بیان کی۔ مجھے اس کا کوئی ڈر نہیں کیونکہ میرا اس لڑکے یا اس کے کیس سے کوئی لینا دینا نہیں۔ مجھے اس وقت ان لوگوں کے کانٹیکٹ چاہیئے جن کے رشتہ داروں کی ڈیڈ باڈیز ہمیں بنا دل کے ملیں تھیں۔۔۔ اس نے فائلز سے کچھ فون نمبرز اور پتے ایک کاغذ پہ درج کرتے ہوئے سٹیو کو کہا، اور اس لڑکے کی منگیتر کا بھی پتہ کرو۔ عاص! تم نے ایگزیکٹلی ان سیڑھیوں پہ کیا دیکھا تھا؟ سٹیو کو تجسس ہوا۔ ابھی میں کسی بات کی تہہ تک نہیں پہنچا ہوں پھر بات کرتے ہیں۔ اس نے فائلز الماری میں رکھ کر لاک کیں اور چابیاں سٹیو کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

میں مان ہی نہیں سکتا کہ اسے کوئی جانور اٹھا کے اتنی دور لے گیا ہو۔ ہم سب رات کو ایک ساتھ کیمپ میں سوئے تھے۔ صبح اٹھے تو کیمپ کے باہر گھاس پر کراس اور ٹک گیم کا نقشہ بنا ہوا تھا دو ہوریزینٹل اور دو ورٹیکل لائنز کو کسی سفید چونے کی مدد سے کھینچا گیا تھا اور ان کے اندر ٹک کے نشان کی جگہ ایک ایک پتھر اور کراس کی جگہ لکڑی کی ٹہنیوں سے بنائے پتلے پڑے تھے۔۔۔ جیسے

کسی سیدھی چھوٹی ٹہنی کا ایک سرا دو شاخہ ہو کو پتلے کی ٹانگوں کی صورت نظر آتا ہو اور اوپر والے سرے سے کچھ نیچے ایک سیدھی لکڑی کو دھاگے کی مدد سے باندھ کر جیسے اس کے بازوں کی شکل دی گئی تھی اور یوں وہ چھوٹی ٹہنیوں سے بنایا ہوا ایک انسانی پتلا نظر آتا تھا۔ ان نو خانوں میں سے کچھ خانوں میں وہ لکڑی کے پتلے ایک لکیر بنا رہے تھے جیسے وہ لکڑی کے پتلوں والا شخص وہ کھیل جیت گیا ہو۔۔۔

ہم حیران تھے کہ یہ کس نے کیا ہے لیکن ہم سب اس حرکت سے انجان تھے۔ تبھی ہمارے اس دوست کا ذکر آیا، ہم نے اسے آوازیں دیں پر اس کا کوئی پتہ نہ تھا ایک دن اسے ڈھونڈتے رہنے کے بعد ہم نے واپس آ کر اس کی مسنگ رپورٹ لکھوائی۔ اور ایک ہفتے بعد اس کی بنا دل کی لاش ہمیں ملی۔۔۔ وہ خاموش ہوا تو عاص بولا، لیکن آپ لوگوں کی کیمپنگ سائیڈ پہ ایسے کسی کھیل، پتھروں اور ٹہنیوں کے نشان نہیں ملے۔ ہم بھی حیران ہوئے تھے یہ ذکھ کر کہ ایک دن پہلے وہاں وہ سب تھا لیکن جب ہم وہاں سیکیورٹی آفیسرز کے ساتھ دوبارہ گئے تو ہمارے بون فائر کے نشان تو تھے لیکن وہ گیم وہاں نہیں تھی۔ میں نے اپنے کیمرے سے کھینچی تصویر بھی دکھائی لیکن ہمیں کہا گیا کہ یہ بالکل غیر متعلقہ ہے، وہ بولا۔ کیا میں وہ تصویر دیکھ سکتا ہوں؟ عاص کے سوال پہ اس لڑکے نے اپنے موبائل پہ لی وہ تصویر عاص کے سامنے کر دی اور بولا، اب آپ بتائیں کہ کیا یہ عجیب نہیں؟ یہ کسی قدیم دور کی جادوئی رسموں جیسا نہیں؟ لکڑی کی ٹہنیوں سے بنائے پتلے، انسانی قربانی اور پھر لاش سے اس کا دل نکال لینا۔۔۔

کیا کوئی جنگلی جانور یہ سب کر سکتا ہے؟ میں نہیں مانتا۔۔۔ عاص نے اس تصویر کو بغور دیکھا، اسے موبائل واپس کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے نکل آیا۔

میرے دونوں بچے میری آنکھوں کے سامنے کھیل رہے تھے۔ وہ شرارتی ضرور تھے لیکن بہت سمجھدار تھے۔ انہیں نظروں سے اوجھل نہ ہونے کی ہدایت بھی تھی اور وہ خود بھی جنگل میں اکیلے دور جانے سے ڈرتے تھے۔ میری سات سالا بیٹی میری طرف مونہہ کیے آنکھیں بند کر کے گنتی گن رہی تھی اور میرا چھ سالہ بیٹا میرے سامنے موجود ایک درخت کے پیچھے جا چھپا تھا۔ بیٹی گنتی ختم کر کے اسے ڈھونڈ رہی تھی اور بیٹا تھوڑی تھوڑی دیر بعد گردن نکال کے اسے دیکھتا اور مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کرتا۔۔۔ کچھ دیر بعد میری بیٹی نے مجھے آ کر کہا کہ ممی! پلیز میری مدد کریں اور مجھے بتائیں کہ ولیم کہاں چھپا ہے؟ میں نے ہنستے ہوئے کہا، بے ایمانی بری بات ہے، کھیل میں چیٹنگ بالکل نہیں کرتے، خود ڈھونڈو، وہ مونہہ بسورتی چلی گئی اور میں اس درخت کی طرف دیکھنے لگی جس کے پیچھے ولیم چھپا تھا مگر اب وہ سر نکال کے نہیں دیکھ رہا تھا شاید اس نے اپنی بہن کو آتے دیکھ لیا تھا وہ درخت کے پیچھے گئی اور مایوس لوٹ آئی۔ مجھے تھوڑی حیرت ہوئی کہ ابھی چند لمحے پہلے تک وہ اسی درخت کے پیچھے تھا۔ شاید اس نے ایما کو آتے دیکھ کر جگہ بدل لی ہو۔۔۔ مما! میں تھک گئی ہوں۔

میری بیٹی نے میرے پاس آ کے کہا تو میں نے بھی اونچی آواز میں کہا، اوکے ولیم! چلو کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ پہلے آ کر کچھ کھا لو تم دونوں، باہر نکل آ۔۔۔ تم جیت گئے ہو۔۔۔ نو ممی! میں نہیں ہاری تو وہ کیسے جیتا؟ میں بس تھک گئی ہوں۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا اوکے بابا! چلو ولیم! ابھی کوئی ہارا جیتا نہیں بس باہر آ جا۔۔۔ مگر کوئی جواب نہ ملا تو مجھے فکر ہوئی اور میں نے آگے بڑھ کر درختوں کے پیچھے دیکھا اور پھر اپنے شوہر کو آوازیں دینے لگی۔۔۔

جیمز! جیمز! اور پھر ہم نے اسے ہر جگہ تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔۔۔

اور پھر ڈیڑھ ہفتے کے بعد اس کی لاش وہاں سے بیس میل دور ایک بہت اونچے درخت کی سب سے اونچی شاخ پہ انکی ملی جبکہ ہمارا کیمپ جنگل کی سرحد سے محض تین یا چار میل کی دوری پہ ہی تھا تو وہ وہاں کیسے

پہنچا؟ اس کی لاش بالکل تازہ تھی، اس کا سینہ چاک تھا پور سٹ مارٹم کے مطابق اس کے سینے سے اس کا دل غائب تھا اور اس کے ایک ہاتھ کی انگلی بھی کٹی ہوئی تھی۔۔۔ بالکل صاف اور سیدھا کٹ جیسے کسی تیز دھار چاقو سے کاٹی گئی ہو۔ اس کے فیونرل کے دن اسے تابوت میں آخری بار پڑے دیکھ کر میں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو میں نے محسوس کیا کہ اس کے سر کے بائیں جانب بال کٹے ہوئے ہیں۔۔۔ اس کے بال لمبے تھے اور ایک جگہ سے پورا گچھا کاٹ لیے جانے پہ وہاں کی کٹنگ صاف دکھائی دے رہی تھی۔۔۔ میں آج تک نہیں جان پائی کہ کسی جانور نے کیا اسے محض ایک انگلی اور بالوں کے ایک گچھے کے لیے مار ڈالا اور اس کا دل؟؟؟ میرا دل کسی جانور کی بات پہ مطمئن نہیں ہوتا۔۔۔ نہ ہماری کسی سے کوئی دشمنی تھی۔ کسی کو اسے مارنا ہوتا بھی تو سیدھے سیدھے مار دیتا۔ یہ دل، انگلی اور بال؟؟؟ حقیقت کچھ اور ہی ہے جو میں نہیں جانتی۔۔۔ وہ عورت اتنا کہہ کر ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔۔۔

مجھے افسوس ہے مسز جیمز! آپ کے تعاون کا بہت شکریہ! خدا آپ کو صبر عطا کرے۔۔۔ عاص یہ کہہ کر اس کے گھر سے باہر آ گیا۔۔۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔۔۔ نیشنل پارک میں ہوئی وارداتوں سے متاثرہ خاندانوں میں سے اکثر کی لگ بھگ یہی رائے تھی کہ یہ انسانی یا حیوانی نہیں شیطانی چکر ہے۔ کسی نے وہاں پتھروں اور لکڑی کے پتلوں کا ذکر کیا، کسی نے راتوں میں چیخوں کا تو کسی نے پرچھائیوں کا لیکن ان سب میں دل نکال لینے والی بات کے علاوہ ایک اور بات بھی مطابقت رکھتی تھی۔ اور وہ تھی لاش کے ملنے کے ایک سے دو میل کے اندر اندر ان سیڑھیوں کا دیکھے جانا۔۔۔ اب باری تھی ان سیڑھیوں کے عینی شاہدین سے ملنے کی۔۔۔

میں تو انہیں دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ ناممکن ہے اور پراسرا بھی۔۔۔ اس پہ نظر پڑتے ہی میرے دل نے مجھے وہاں سے چلے جانے کو کہا اور میں اپنے دل کی نہیں ٹالتا۔۔۔ ایک بوڑھے نے اسے بتایا۔ میں نے جب اس پہ قدم رکھا تھا میرے دل میں گھبراہٹ شروع ہو گئی تھی اور میرا دل کیا کہ میں وہاں سے بھاگ جاؤں اور میں نے بھی سیڑھیاں مکمل چڑھنے کا ارادہ بدلا اور اتر آیا۔ ایک لڑکے نے اسے بتایا۔ انہیں وہاں دیکھ کے دماغ میں پہلا سوال یہی آیا تھا کہ اتنی صاف سیڑھیاں تو ہمارے گھروں میں بھی موجود نہیں ہوتیں اور وہ سیڑھیاں بالکل کسی خوبصورت سے گھر کی لگ رہی تھیں لیکن حیرت انگیز طور پہ وہاں کوئی گھر نہیں تھا میرے شوہر نے جلدی سے وہ دس پندرہ سیڑھیاں پھلانگیں اور میں نے ان پہ چڑھنے سے پہلے اپنے شوہر کی تصویر کھینچنے کا ارادہ کیا وہ بھی کسی پرندے کی طرح دونوں بازو کھولے ہنس کر تصویر کھنچوانے کے لیے تیار ہو گئے۔۔۔ مگر میں نے جیسے ہی کیمرے کا بٹن دبایا تو ایک چیخ سنی اور کیمرہ لینز میں دیکھا کہ میرے شوہر کا ایک ہاتھ کٹ کر زمین پہ آ گرا ہے اور یہ انہی کی چیخ تھی وہ تڑپ کر وہیں گر گئے اور میں خوف اور دہشت کے مارے چیختی ہوئی انہیں نیچے آنے کو کہنے لگی اور وہ بھی تکلیف اور دہشت میں لپٹے سیڑھیاں اترنے لگے۔۔۔

اور بالآخر وہ نیچے آئے اور ہم وہاں سے گرتے پڑتے بھاگ آئے۔۔۔ وہ بہت ہی بھیانک اور پراسرا چیز ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے میرے شوہر کا ہاتھ ان کے جسم سے الگ ہو کر ایسے گر پڑا جیسے کسی نے تیز تلوار کے ایک وار سے کاٹ دیا ہو لیکن کاٹنے والا دکھائی دیتا تھا نہ کوئی تلوار۔۔۔ میرے شوہر نے بتایا تھا کہ انہیں کسی تلوار جیسی چیز کی ہوا میں اٹھنے اور وار کرنے کی واضح آواز بھی سنائی دی تھی مگر کچھ دکھائی نہ دیا تھا لیکن میں نے اسے نہیں سنا تھا۔ یہ بتاتے ہوئے جینی کے چہرے پہ ایک خوف پھیلا ہوا تھا جو عاص واضح طور پہ دیکھ سکتا تھا۔ آپ کو میں نے جو کچھ بتایا ہے وہ حرف بہ حرف سچ ہے۔ ثبوت کے طور پہ میں آپ کو وہ تصویر دکھاتی جس میں میرے شوہر کا ہاتھ الگ ہو کر نیچے گر رہا تھا۔

وہ تصویر کتنے دن تک میرے کیمرہ میں موجود رہی اور جب میں نے اسے پولیس کو اپنی بات کا یقین دلانے کے لیے دکھانا چاہا تو میرے کیمرے نے کام کرنے سے انکار کر دیا اور معلوم ہوا کہ اس میں موجود تمام تر تصاویر خود بخود ڈیلیٹ ہو چکی ہیں۔ جبکہ وہ پولیس کو دکھانے سے پہلے تک اس کیمرہ میں موجود تھیں۔ اب آپ کو چلنا چاہیے، میرے شوہر گھر آنے والے ہیں۔

میں نہیں چاہتی کہ اس واقعہ کا ذکر بھی ان کے سامنے ہو، اس بات کو ایک سال ہو چکا ہے لیکن وہ آج بھی اس کے ذکر سے کئی کئی دن خوف میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہی وجہ تھی جو میں نے آپ کو ان سے ملنے سے منع کیا لیکن پھر بھی آپ کے اسرار پہ ان کی غیر موجودگی میں آپ سے بات کرنے کے لیے راضی ہوئی۔۔۔

سچ پوچھیں تو میں بھی اپنے دل کا خوف کسی کو بتانا چاہتی تھی لیکن میرے شوہر نے مجھے اس بات کا ذکر بھی کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ وہ اس واقعے کے بعد سے بہت وہمی ہو گئے ہیں، انہیں لگتا ہے کہ یہ کسی ووڈو کا معاملہ ہے یعنی سفلی وغیرہ۔۔۔ ابھی وہ ذکر کر ہی رہی تھی کہ ڈور بیل بجی اور جینی نے گھبرا کر عاص کو دیکھا۔ پریشان مت ہوں میں ہینڈل کرتا ہوں۔۔۔ وہ دونوں دروازے کے پاس آئے، جینی نے دروازہ کھولا تو سامنے اس کے شوہر نے سیکیورٹی یونیفارم میں کھڑے عاص کو مشکوک انداز سے دیکھا تو عاص نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔۔۔ میرا نام عاص ہے میں ایک بچی کی گمشدگی کی رپورٹ کی تحقیق کے سلسلے میں آیا تھا۔ آپ کی بیوی تو اس بارے میں لاعلم ہیں کیا آپ کچھ جانتے ہیں؟ جی نہیں! نووارد نے جواب دیا۔۔۔ چلیں آپ کو کچھ بھی پتہ چلے تو ہمیں مطلع کیجیے گا۔ عاص نے یہ جملہ جینی کو دیکھتے ہوئے ادا کیا اور جینی سر ہلاتے ہوئے بولی، جی ضرور آفیسر! اور وہ شکریہ کہتے ہوئے ان کے گھر سے نکل آیا اور جینی اپنے شوہر کے بچے کھچے شک کو زائل کرنے کے لیے بات بنانے لگی، آج کل کس قدر بچے گم ہو رہے ہیں۔ پتہ نہیں کیا بنے گا۔۔۔ اور دروازہ بند کرتے ہوئے عاص پہ ایک آخری نظر ڈالتے ہوئے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ اس کا شوہر عاص کی آمد کی اصل وجہ نہیں جان سکا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے عاص دروازہ بند کرتی جینی کو دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ اس کے شوہر پہ اس واقعے کی کس قدر دہشت طاری ہے اور ہوتی بھی کیوں نہ؟ یہ ایک نہایت مافوق الفطرت واقعہ تھا۔

وہ دن رات اپنے کمپیوٹر پر اور کبھی کسی نہ کسی لائبریری میں بیٹھا ووڈو، جنگل، لکڑیوں کے پتلے، پتھروں کی ترتیب، انسانی عضا کی لاشوں سے گمشدگی سے متعلق مطالعے میں مصروف رہتا۔ اس وقت بھی وہ لائبریری میں بیٹھا کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا کہ ہیزل میز بجاتے ہوئے اس کے سامنے آ بیٹھی۔ تم کہاں غائب ہو؟ ایسا بھی کیا جنون پڑھائی کا؟ کب سے واپس آئے ہو ایک بار بھی اپنی شکل نہیں دکھائی، میرا ڈنر اور تحفہ بھ بھول گئے، ہیزل ن شکوہ کیا۔ اوہ! معاف کرنا ہیزل، میں تھوڑا مصروف تھا۔ ایک شرط پہ معاف کروں گی میرے ساتھ ابھی لنچ پہ چلو۔ او کے بس پانچ منٹ دے دو مجھے، وہ یہ کہتے ہی پھر سے کتاب میں مشغول ہو گیا اور کسی چیز کو اپنی نوٹ بک میں درج کرنے لگا۔۔۔ فارسٹ ہیڈن رچولز۔۔۔ ہیزل بس اتنا ہی پڑھ پائی۔ عاص! یہ کیا لکھ رہے ہو؟ کچھ خاص نہیں بس میرے پراجیکٹ کا کام ہے، اس نے جواب دیا۔ پراجیکٹ؟ لیکن یہ جنگل، خفیہ جادوئی رسمیں؟ یہ کیسا پراجیکٹ ہے؟ اس نے حیرت سے پوچھا۔۔۔ سب بتاتا ہوں اور اس نے کچھ لکھتے ہی ہیزل کو چلنے کا اشارہ کیا اور کتاب بند کر کے اس کے ساتھ باہر آ گیا۔

اوہ! تو تمہارے ساتھ یہ سب ہوا جنگل میں؟ تو انش اور جوزف ٹھیک کہہ رہے تھے تمہارے بارے میں کہ تم کسی ایسی چیز کی کھوج میں ہو جو بہت خطرناک ہے۔ ہیزل کی بات کے جواب میں عاص نے پوچھا، تمہیں جوزف اور انش کہاں ملے؟ وہ میں تمہارا پتہ

کرنے تمہارے ڈیپارٹمنٹ آئی تھی تو ان سے ملاقات ہوگئی۔۔۔ اس وقت ہیزل کے تصور میں انش اور جوزف خون کے پیالوں کو مونہہ کو لگاتے ہوئے ابھرے تھے۔ آس پاس لال رنگ کے چوغے پہنے کچھ لوگ کھڑے تھے اور وہ دونوں برہنہ ایک مورتی کے سامنے کھڑے اپنے ہاتھ میں پکڑے پیالوں میں موجود خون پی رہے تھے۔ اس نے یہ تصور جھٹکا اور ہچکچا کر عاص کو دیکھ کر مسکرانے لگی جیسے عاص سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔

تمہیں دوست ہونے کے ناطے ایک مشورہ دوں گی۔ ان سب چیزوں سے دور رہو، ٹھیک ہے تمہاری ماورائی نفسیات میں بھلے کچھ پراسرار موضوع آتے ہیں لیکن جنگل کی سیڑھیوں کی بجائے تم کوئی اور موضوع چن لو جیسے۔۔۔ عاص نے اس کی بات مکمل نہ ہونے دی اور بولا، نہیں! میری کھوج اسی بات کے متعلق ہوگی جو عام انسانوں سے چھپائی جاتی ہے اور جس میں ہاتھ ڈالنے کی ہمت کوئی نہیں کرتا۔ میں بھی ڈر کے پیچھے ہٹ گیا تو کیا فائدہ میری اس تعلیم کا؟ عاص! کیا ہو تم؟ ویچ ہنٹر؟ ایگزارسسٹ؟ کرائم انویسٹیگیٹر؟ تم نے تو پیرا سائیکالوجی کو کچھ زیادہ ہی سیریس لے لیا ہے۔ مجھے تمہارا اعتراض سمجھ نہیں آ رہا ہیزل؟ عاص نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔۔۔ اوکے! آئے ایم سوری! میں تو بس اس لیے کہہ رہی تھی کہ تم اس ٹاپک کے پیچھے اپنے دوستوں اور فیملی کو ہی بھلا بیٹھے ہو، ہیزل نے بات بنائی۔ فیملی تو دور یا پاس ہر وقت میرے ساتھ ہے اور دوست اپنے ہی دوستوں کے ساتھ پارٹیز میں مصروف رہتے ہیں، اس نے ہیزل پہ جملہ کسا۔ اچھا؟ تو چلو عنقریب میں بھی تمہیں ایک پارٹی میں بلاؤں گی، ہیزل نے کہا۔ معاف کرنا! تمہاری پارٹیز میرے مطلب کی نہیں ہوتیں، عاص نے انکار کیا۔ مجھے یقین ہے! کہ یہ ضرور تمہارے مطلب کی ہوگی، ہیزل نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

عاص! بیٹا تم وہ فارسٹ ریسکیو کی نوکری چھوڑ دو۔۔۔ ثمر فون پہ تھی۔ اماں! آپ کو کیا ہوگیا ہے؟ دو سال سے کر رہا ہوں۔۔۔ میرا کافی خرچہ نکل آتا ہے۔۔۔ عاص نے جواب دیا۔ بیٹا! خرچے کی فکر مت کرو، ہم ابھی زندہ ہیں، ہم جو کچھ کماتے ہیں وہ سب تمہارا ہی تو ہے، زیان نے کہا۔ بابا! آپ دونوں کو چانک کیا ہوگیا ہے؟ فون کے سپیکر سے عاص کی آواز ابھری تو ثمر نے زیان کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تو زیان نے کہا، اچھا یہ بتاؤ کہ تمہاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟ اپنے اسی ریسرچ پراجیکٹ میں مصروف ہوں، عاص نے جواب دیا۔ ٹاپک کیا ہے؟ زیان نے ثمر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ بابا! فارسٹ میں نظر آنے والی سیڑھیوں پہ تحقیق کر رہا ہوں۔

زیان! تم اس ویک اینڈ پہ گھر آ سکتے ہو؟ ثمر نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ اس ویک اینڈ تو مشکل ہے، بلکہ اگلے دو ہفتے تک شاید نہ آ سکوں۔۔۔ اماں! خیریت تو ہے؟ آپ لوگ مجھے کچھ پریشان لگ رہے ہیں، عاص نے ان کے لہجوں سے ان کی پریشانی بھانپ لی تھی۔ عاص! تم سے کچھ بہت ضروری بات کرنی ہے۔ جس کے لیے ہمارا تم سے ملنا ضروری ہے۔ اگر تم نہیں آ سکتے تو ہم وہاں آ جاتے ہیں لیکن تب تک بس تم ایک وعدہ کرو ہم سے، تم اس جنگل میں دوبارہ نہیں جاؤ گے اور اس ٹاپک پہ فی الحال کوئی مزید تحقیق نہیں کرو گے۔۔۔ زیان نے اسے تنبیہہ کی۔ کیا مطلب؟ آپ اس جنگل اور ان سیڑھیوں کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ اور مجھے منع کیوں کر رہے ہیں؟ عاص کے سوال پہ زیان اور ثمر خاموش ہوگئے۔۔۔ بابا! اماں! آپ مجھے سن سکتے ہیں؟ ہاں بیٹا! زیان کی آواز ابھری۔ بابا! میں اس ویک اینڈ آ رہا ہوں، عاص راضی ہوگیا۔ اللہ حافظ، بیٹا! اور دونوں طرف سے کال منقطع ہوگئی۔ فون بند کرتے ہی رنگ ٹون دوبارہ بجی، زیان نے کال اٹینڈ کی اور فون کرنے والے کی بات کو خاموشی سے سنتے ہوئے ثمر کو دیکھا۔۔۔ ثمر بھی زیان کے تاثرات پڑھ کر پریشان ہوگئی۔

ادھر عاص رائٹنگ ٹیبل پر پڑے اپنے پراجیکٹ کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیئے؟ آخر اس کے ماں باپ اس کے ان سیڑھیوں کے تحقیقی کام کو لے کر اتنے متفکر کیوں تھے؟ وہ ایسا کیا جانتے تھے؟ آج سے پہلے تو انہوں نے کبھی اسے اس جنگل میں ملازمت سے نہیں روکا تھا، اور نہ اس نے انہیں اپنے ساتھ ہونے والے واقعے کے بارے میں کچھ بتایا تھا۔ تو پھر وہ اتنے گھبرائے ہوئے کیوں تھے؟ اس نے پراجیکٹ کی ہارڈ کاپی اٹھائی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

ویلڈن عاص! مجھے تمہارے پراجیکٹ کی سافٹ کاپی مل چکی تھی اور میں نے اسے پڑھا بھی تھا لیکن جواب دینے کا وقت نہیں ملا۔ اچھا کیا جو تم خود چلے آئے۔ ڈاکٹر ویلمارٹ اپنے آفس میں موجود عاص سے مخاطب تھے۔ عاص تم نے اس ٹاپک پہ بہت محنت کی ہے۔۔۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ تم نے جو نتائج نکالے ہیں ان میں کوئی سچائی نہیں۔

دیکھو! ان سیڑھیوں کی پرسراریت، متاثرہ لوگوں کے بیانات سب اپنی جگہ لیکن تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ سیڑھیاں جادوئی رسم کا حصہ ہیں؟ اور ان کی موجودگی متاثرہ شخص پہ سحر طاری کر کے اسے نقصان پہنچاتی ہے؟ عاص کو اپنے پروفیسر کے اس ردِعمل کی امید نہیں تھی۔ وہ بولا، ڈاکٹر ویلمارٹ! میں نے ان متاثرہ لوگوں کے پاس سے ملنے والے سارے شواہدات اکٹھے کیے ہیں اور ووڈو میں ان پتھروں، لکڑی کے پتلوں کا جو بھی کردار ہوتا ہے اس کے سبھی ریفرینس بھی دیے ہیں۔ انسانی دل، بال، انگلی اور ناخن، یہ سب ووڈو کے کس کس عمل میں اور کیونکر استعمال ہوتے ہیں، میں نے ان کی تفصیل پہ بھی بہت کام کیا ہے۔ میں لوگوں کے بیانات اور شواہدات سے اسی نتیجے پہ پہنچا ہوں کہ یہ سیڑھیاں سفلی اور شیطانی رسموں میں ایک پلیٹ فارم کی طرح استعمال کی جاتی ہیں۔ تبھی ان سیڑھیوں پہ کسی عام انسان کا چڑھنا پسند نہیں کیا جاتا اور دوسری دنیا کی وہ شیطانی طاقتیں عام انسان کو ان سیڑھیوں سے دور رکھنے کے لیے نقصان پہنچاتی ہیں۔ عاص! تم ماورائی نفسیات کے ماہر ہو، فکشنل لٹریچر رائٹر نہیں۔۔۔ تمہارا یہ پراجیکٹ ریسرچ کم اور الف لیلیٰ کی کہانی زیادہ لگ رہا ہے۔ ہمارے اسی قسم کے مفروضات کی وجہ سے سائنس ہمیں سیریسلی نہیں لیتی۔۔۔

ہر ماورائی کیس کو مافوق الفطرت الیمے کی طرح لینا درست نہیں۔۔۔ ڈاکٹر ویلمارٹ نہ جانے اس کی ساری تحقیق اور شواہدات کو رد کیوں کر رہے تھے؟ لیکن آپ ہی تو کہتے ہیں کہ جو چیز سائنس کی سمجھ سے بالاتر ہو، ضروری نہیں کہ ہم اس کے وجود کو جھٹلا دیں۔۔۔ اور میرے سارے ریفرنسز اور واقعات اور ووڈو ہسٹری، سب کچھ اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ وہ سیڑھیاں شیطانی۔۔۔

عاص! میرا مشورہ مانو تو یہ موضوع بدل دو۔۔۔ تمہارے پاس ابھی بھی بہت وقت ہے کسی اور ٹاپک پہ کام کرنے کے لیے۔۔۔ ڈاکٹر ویلمارٹ نے عاص کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کاٹ دی۔ ان کے الفاظ پہ عاص بھونچکا رہ گیا۔ اسے ان سے اس قدر حوصلہ شکنی کی امید ہرگز نہیں تھی۔

ڈاکٹر ویلمارٹ! یہ کوئی قصے کہانیاں نہیں، لوگوں کے ساتھ پیش آئے حقیقی واقعات ہیں۔ مجھے اپنی بات ثابت کرنے کے لیے آپ کے ساتھ کی ضرورت ہے۔

عاص! میں تمہارا پروفیسر ہونے کے ناطے تمہارا ساتھ دے بھی دوں تب بھی تم ایکسٹرنلز کے سامنے اپنا ڈیفنس نہیں کر پا گے اور فیل ہو جا گے۔ ان کاغذوں کے پلندے سے کچھ ثابت نہیں کر سکتے تم۔۔۔ تب تمہیں پھر سے ایک نیا موضوع چننا پڑے گا۔ تمہیں اس سب سے نہ گزرنا پڑے اسی لیے تمہیں مشورہ دے رہا ہوں۔ ابھی بھی دیر نہیں ہوئی، لیو اٹ! اٹس آ پیس آف ٹوٹل کریپ! چوز این ادر ون۔۔۔ مجھے نکلنا ہے، امید کرتا ہوں تم میری بات پہ غور کرو گے، سی یو۔۔۔

اور ڈاکٹر ویلمارٹ عاص کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے آفس سے نکل گئے۔ گردن جھکائے بیٹھے

عاص نے ایک نظر میز پر پڑے اپنے پراجیکٹ کو دیکھا اور اسے اٹھا کے وہ بھی اسی تیزی سے ان کے پیچھے باہر نکلا تو ہیزل کی آواز نے اسے روک دیا۔۔۔ عاص! ڈاکٹر ویلمارٹ کے پیچھے جاتا عاص اس کی آواز پہ متوجہ ہوا۔۔۔ انش نے بتایا تم یہاں ہو تب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ عاص نے ہیزل کی بات سنتے ہوئے ڈاکٹر ویلمارٹ کی طرف دیکھا جو کوریڈور سے بائیں طرف مڑ کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ عاص! میں تم سے بات کر رہی ہوں، ہیزل نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔ ہاں! معاف کرنا! کہو۔۔۔ خیریت؟ عاص نے سنجیدگی سے پوچھا۔ تم بتاؤ کہ سب خیریت ہے؟ بہت پریشان لگ رہے ہو۔۔۔ ہیزل کی بات پہ عاص کو جیسے کوئی سننے والا مل گیا تھا۔۔۔ ہیزل! میری ساری محنت، ساری ریسرچ، ساری پڑھائی سب۔۔۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا کہے۔۔۔ او کے ریلیکس! کہیں بیٹھ کے آرام سے بات کرتے ہیں۔

کافی شاپ میں بیٹھے ہیزل نے کافی مگ اٹھانے آئی ویٹرس کو پھر سے دو کپ کافی کا آرڈر دے دیا اور وہ مسکراتی ہوئی سر ہلا کے چلی گئی تو عاص بولا۔ اب تم مجھے بتا۔۔۔ کہ آخر ہر کوئی میری اس ریسرچ کے پیچھے کیوں پڑا ہے؟ سب مجھے کیوں روک رہے ہیں؟ میرے ریسکیو ساتھی، میرے والدین حتی کہ میرے پروفیسر نے بھی میرا کام ریجیکٹ کر دیا۔۔۔ ہوں! تم ابھی اپنے دماغ پہ اتنا زور نہ دو۔۔۔ کچھ دن کی بریک لو۔۔۔ ویسے بھی میں تمہیں ایک پارٹی میں مدعو کرنے آئی تھی۔ اس ویک اینڈ تم میرے ساتھ سپائرل کاسل چل رہے ہو۔۔۔

ہیزل کی آفر پہ عاص بولا، معاف کرنا میں اس ویک اینڈ اماں بابا سے ملنے جا رہا ہوں، ان سے ملنا زیادہ ضروری ہے، شاید وہیں جا کر مجھے سارے معاملے کا پتہ چل سکے۔ لیکن اس ویک اینڈ تو وہ دونوں خود یہاں آ رہے ہیں۔۔۔ گرینڈ پا نے انہیں انوائٹ کیا ہے اپنی ایک خاص تقریب میں۔۔۔ ان کی تقریب اتوار کو ہے اور میری پارٹی ہفتے کو۔۔۔ تم میرے ساتھ پارٹی میں چلو اور جب تک ہم واپس آئیں گے اگلے دن انکل آنٹی بھی یہاں پہنچ چکے ہوں گے اور تم انکل آنٹی سے بھی مل لینا۔ اور پھر ہم پانچوں ایک ساتھ گرینڈ پا کے چارٹرڈ پلین میں نیویارک چلے جائیں گے۔۔۔ ہیزل خاموش ہوئی تو وہ بولا۔۔۔ لیکن یہ پروگرام کب بنا؟ آج صبح ہی میری ان سے بات ہوئی تھی تب تک تو انہوں نے مجھے ایسا کچھ نہیں بتایا۔۔۔ ہاں! تمہارے فون کے بعد ہی گرینڈ پا نے انہیں فون کیا تو پتہ چلا کہ انکل آنٹی تم ہی سے بات کر رہے تھے، ہیزل نے بتایا۔ ایک منٹ۔۔۔ اسے ہیزل کی بات پہ بے یقینی سی ہوئی تو وہ زیان کا نمبر ملانے لگا۔۔۔ ویٹرس کافی رکھ کے جا چکی تھی۔ ہیزل کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے عاص کے چہرے کے تاثرات بغور دیکھ رہی تھی۔ بابا!۔۔۔ وہ بس اتنا ہی بولا تھا اور پھر زیان کی بات سن کر، جی بہتر! کہہ کر فون بند کر دیا۔ کیوں پھر؟ کیا کہا انہوں نے؟ ہیزل نے پوچھا۔۔۔ وہی جو تم نے کہا تھا۔۔۔

وہ اتوار کو کیلیفورنیا پہنچ رہے ہیں لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آئی کے انکل بہرام یہاں کیلیفورنیا میں دعوت کیوں نہیں دے رہے؟ یہاں تم لوگوں کا گھر ہے۔۔۔ عاص نے بیک وقت جواب اور سوال کیا۔ بھئی ان کی سیاسی تقریب ہے، اب اتنے بڑے بڑے سیاستدان ہوں گے تو ان کی آسانی اور وقت کو دیکھتے ہوئے گرینڈ پا وہیں بروکلین میں ہی سب انتظامات کر رہے ہیں۔ ہیزل نے کیلیفورنیا کی بجائے نیویارک میں تقریب کی وجہ بتائی۔۔۔ اچھا خیر وہاں جانے کے لیے تو ہم سب گرینڈ پا کے ذمے ہیں لیکن تمہیں سپائرل کاسل لے کے جانا میری ذمہ داری ہے۔۔۔ میں تمہیں دوپہر دو بجے تمہارے ہاسٹل سے پک کروں گی، دو گھنٹے کا سفر ہے ہم چار بجے تک سپائرل کاسل ہوں گے۔۔۔ ہیزل پھر سے کافی پینے لگی۔۔۔ وہ بھی کافی کے گھونٹ بھرنے لگا۔

ان دو اچانک آ جانے والی دعوتوں کو اپنی آج

کی پریشانی سے وقتی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اس نے بھی کوئی حجت نہیں کی۔۔۔ وہ جانے کے لیے تیار تھا۔

ہفتے کی شام ٹھیک چار بجے وہ دونوں سپائرل کاسل پہنچ چکے تھے۔ سپائرل کاسل ایک بہت قدیم اور تاریخی عمارت تھی جہاں صرف کچھ چیدہ، چنندہ، اور معاشرے کے ممتاز لوگوں کی ہی رسائی ممکن تھی۔ وہ یہاں اکیلے آنے کا کبھی سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ اس بہت بڑی اور قدیم قلعہ نما عمارت کے نام سے ہی اس علاقے کا نام بھی منسوب تھا۔

جب پہلی بار عاص کی نظر اس عمارت پر پڑی تو اس نے کہا۔۔۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ یہاں کے لوگ مجھے اندر گھسنے بھی دیں گے؟ اوہ ہو! اسٹاپ اٹ عاص! تم میرے ساتھ ہو۔۔۔ میرے خاص دوست اور مہمان اور یہاں مہمانوں کی بہت خاطر کی جاتی ہے تم بے فکر ہو کر میرے ساتھ آ۔ اس نے عاص کا بازو تھاما اور سپائرل کاسل کی طرف بڑھ گئی۔۔۔ اینٹرنس پہ اس نے ایک گارڈ کے کانٹر پر نصب مشین پہ اپنی شہادت کی انگلی رکھی۔۔۔ اس کا فنگر پرنٹ سکین ہوا اور وہ آگے بڑھنے لگی۔۔۔ تو بانسرز نے آگے بڑھ کر عاص کا راستہ روک لیا۔۔۔ ڈونٹ وری، ہی از وِدی، آ سپیشل نیو ممبر آف دی کلب۔ اور عاص نے نوٹ کیا کہ ایسا کہتے ہوئے اور سنتے ہوئے ہیزل اور گارڈ کے چہرے سے بہت گہری اور معنی خیز مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ گارڈ نے اپنا ہاتھ ہٹا کر گویا انہیں اندر جانے کی اجازت دی جبکہ عاص پلٹ کر اس گارڈ کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پہ اب بھی ایک پراسرار مسکراہٹ اور آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

انہیں اندر ایک بہت بڑے شاہی ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا، ایک ویٹر ایک ٹرے میں طرح طرح کے مشروب لے کے ان کے پاس آیا۔ ہیزل نے جھٹ سے ایک گلاس اٹھایا لیکن عاص نے نو تھینکس کہہ کر ویٹر کو چونکا دیا تو ہیزل ویٹر سے مخاطب ہوئی۔۔۔ نو کوئسٹیلز پلیز۔۔۔ اونلی موکٹیل فار جینٹلمین! اور وہ مسکرا کر ہاں میں سر ہلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔۔۔ کہا تھا نہ کہ تمہاری پارٹیز میری ٹائپ کی نہیں۔۔۔ مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا، عاص نے ہیزل سے کہا تو وہ مسکرا کر بولی، بس تھوڑا سا انتظار! یہاں بہت کچھ ہونے والا ہے، تم بہت کچھ ایسا دیکھو گے جو پہلے تم نے کبھی ڈنس نہیں کیا ہوگا۔ اتنے میں ویٹر اس کا ڈرنک لے کر آ گیا۔ عاص نے اسے پینے سے پہلے سونگھا۔۔۔ کچھ نہیں ہے! میرا یقین کرو۔۔۔ ہیزل نے اسے مشکوک دیکھ کر کہا تو عاص نے بھی ایک گھونٹ بھرا۔۔۔ ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ اس نے جواب دیا۔ ویسے ہے کیا؟ ہیزل نے ابرو اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ شاید پینا کولاڈا! عاص نے جواب دیا، تمہارا مطلب ورجن پینا کولاڈا؟ ہیزل نے یقین دہانی چاہی۔۔۔ یس! عاص نے جواب دیکر گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

اس ڈرائنگ روم میں آنے والوں میں سے کچھ کے چہروں نے آنکھوں اور کچھ نے پورے چہروں پہ ماسک پہن رکھے تھے اور کچھ کے چہرے ان دونوں کی طرح ہی عیاں تھے۔ عاص کے سوال پہ ہیزل نے بتایا کہ یہاں ایسی معروف اور ممتاز شخصیات بھی ہیں جو اپنی شناخت سب میں ظاہر نہیں کرنا چاہتیں۔ کیوں؟ عاص نے سوال کیا۔ کیونکہ تمہارے جیسے عام لوگوں کے بھی یہاں پائے جانے کے چانسز موجود ہوتے ہیں جو ہمارے کلب کا حصہ نہیں تو ایسے میں کسی کانٹرورسی کا حصہ بننے سے بچنے کے لیے یہ طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ ہیزل نے وضاحت کی۔ کلب؟ کیسا کلب؟ جب کل تم اس کلب کا حصہ بنو گے تو سب جان جاؤ گے اور اگر تم خوش قسمت ہوئے تو ممکن ہے آج ہی سب جان جاؤ اور اس کا حصہ بننے پہ راضی ہو جاؤ۔۔۔ ہیزل نے جواب دیا۔ کیا یہاں کا ممبر بننے کی پہلی شرط امیر ہونا یا اثر و رسوخ کا مالک ہونا نہیں؟ عاص نے سوال کیا۔ ہاں! جو پہلے سے امیر اور طاقتور ہیں ان کے لیے۔۔۔ لیکن جو نہیں ہیں ان کے لیے پہلی شرط امیر اور اثر و رسوخ کا مالک بننے پہ راضی ہونا ہے۔۔۔

ہیزل کی عجیب بات پہ عاص نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ میں سمجھا نہیں۔۔۔ سمجھ جاؤ گے

اور تبھی ایک شخص نے ان سب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہاں تشریف لانے کا بہت بہت شکریہ! اس سال شکار میں حصہ لینے والے خوش نصیب ہتھیار تھام لیں اور باقی حاضرین بھی تشریف لے آئیں۔ اور پھر عاص اور ہیزل بھی سب لوگوں کے سنگ سپائرل کاسل کی عمارت کے عقبی میدان میں چلے آئے جس کے سامنے دور دور تک جنگل تھا۔ عاص اور ہیزل وہاں موجود کرسیوں کی سب سے آخری لائن کی آخری نشست پہ بیٹھے تھے۔ اور پھر عاص نے دیکھا کہ تین عدد بچوں کی آنکھوں پہ پٹیاں باندھے انہیں وہاں لایا گیا۔۔۔ آٹھ سے دس سال کے وہ بچے جن میں ایک لڑکی اور تین لڑکے شامل تھے بہت سہمے ہوئے خاموش کھڑے تھے۔

عاص کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ پھر آگے کی نشستوں سے تین عدد لوگ اٹھے، اپنے لباس اور چال ڈھال سے وہ حد ممتاز اور مہذب نظر آتے تھے۔ انہوں نے میز پر پڑے ہتھیاروں میں سے اپنی اپنی پسند کے ہتھیار چنے، کسی نے رائفل اٹھائی، کسی نے نیزہ، تو کسی نے تیر کمان اور وہ تینوں ایک جگہ جا کر کھڑے ہوگئے۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

عاص نے گھبراتے ہوئے ہیزل سے پوچھا۔

شش۔۔۔ خاموش رہو۔۔۔ ہیزل نے اسے چپ رہنے کو کہا۔ ان چاروں بچوں کا رخ جنگل کی طرف موڑ کر ان کی آنکھوں کی پٹیاں اتار دی گئیں۔۔۔

وہ چاروں ایک دوسرے کو کن انکھیوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں سے گھبراہٹ صاف عیاں تھی۔ رن! اور ایک شخص کی آواز پہ وہ چاروں جنگل میں بھاگ کھڑے ہوئے۔۔۔ وہاں موجود کا جوش و خروش بھی بڑھ گیا۔۔۔

ہاتھ میں ہتھیار لیے ایک عورت اور دونوں مردوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔۔۔ آل دا بیسٹ! اور یہ کہتے ہی وہ بھی جنگل میں بھاگ کھڑے ہوئے۔۔۔ اور بھی سامنے موجود تین بڑی بڑی اسکرینز پر ان شکاریوں کے ماتھوں پہ بندھے کیمروں سے فلمبند ہونے والے شکار کی لائیو فوٹیج دکھائی دینے لگی اور وہاں کے لوگ نہایت جوش و خروش سے شرطیں لگانے لگے۔۔۔ عاص کا دماغ چکرا رہا تھا۔ وہ بے حس انسان بچوں کا شکار کر رہے تھے۔ نہ جانے وہ معصوم بچے کون تھے؟ کہاں سے لائے گئے تھے؟ اس نے ساتھ بیٹھی ہیزل کو کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی نشست خالی تھی۔۔۔ اس نے اپنا دھیان اسکرین پہ چلتے مناظر کی طرف کیا جہاں پہلے ایک بچے کو اور پھر ایک لڑکی کو ان درندوں نے جا لیا تھا اور اپنے اپنے طریقوں سے ان کو قتل کر دیا تھا۔۔۔

پھر کچھ دیر میں تیسرے بچے کو بھی مار دیا گیا اور یہاں یہ لائیو فوٹیج بند کر دیا گیا۔ اس چوتھے بچے کا کیا بنا؟ کیا وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا؟ کاش ایسا ہی ہوا ہو۔۔۔ عاص کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ شام ڈھل چکی تھی ان سب لوگوں کو ایک اوپن آڈیٹوریم میں لایا گیا جہاں ایک اسٹیج پہ لال رنگ کے پردے اور لال قالین موجود تھا۔ ہیزل کا کہیں پتہ نہ تھا۔ عاص نے ماسک بانٹتے ایک شخص کی ٹرے سے اپنے لیے ایک ماسک اٹھا کے پہن لیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے دل کا خوف اور گھبراہٹ اس کے چہرے سے عیاں ہو جائے اور وہ یہاں سب کی نظروں میں آ کر کسی مصیبت کا شکار ہو جائے۔ اسے اپنے ماں باپ کے بڑھاپے کا سہارا بننا تھا۔ انہیں اپنی جوان موت سے مزید کسی غم سے روشناس نہیں کروانا تھا۔ اگر وہ دنیا میں اکیلا ہوتا تو شاید اتنی بزدلی کا مظاہرہ کبھی نہ کرتا۔۔۔ لیکن یہاں کسی قسم کا ریکشن دینا بہادری نہیں بیوقوفی تھی اور اس جگہ کی حقیقت کا پردہ فاش کرنے کے لیے اس کا یہاں سے صحیح سلامت زندہ بچ کے نکلنا بہت ضروری تھا۔

لائٹس کم ہو چکی تھیں۔ صرف اسٹیج پر پڑتی روشنی میں اس نے دیکھا کہ بہت سی لڑکیاں اور لڑکے نیم برہنہ حالت میں کوئی رقص کرنے لگے ہیں۔ وہ بہت عجیب رقص تھا اور موسیقی نہایت بھیانک تھی، جس میں بھیانک آوازوں اور ہیوی میٹل کا استعمال کیا گیا تھا۔ اور پھر اس نے دیکھا کہ ان لڑکیوں کے بیچ و بیچ ہیزل کی انٹری ہوئی جو بلکل برہنہ حالت میں تھی۔ وہ ناچتے ہوئے

ہوش وحواس سے بیگانی معلوم ہوتی تھی مگر ایسا نہیں تھا کیونکہ وہ اپنے ناچ کے زاویے باقی ناچنے والوں سے بالکل میل کھاتے ہوئے تبدیل کرتی جارہی تھی نہ جانے وہ ناچ کونسی قسم تھی۔

جتنی دیر یہ تماشہ چلتا رہا عاص کا دماغ اس ماحول اور بھیانک موسیقی سے چکراتا رہا۔ اور پھر اسٹیج پہ دو برہنہ لڑکوں کو لایا گیا، ہیزل ناچتے ہوئے کبھی ایک نوجوان کے جسم پہ چاقو سے وار کرتی تو کبھی دوسرے کے مگر وہ وار بہت چھوٹے تھے اور پھر ان کے خون پہ اپنی زبان پھیرتی۔ اب اس نے سامنے پڑے ایک جگ سے دو پیالوں میں سرخ رنگ کا کوئی مشروب انڈیلنا شروع کیا اور ناچتے ہوئے وہ ان دونوں کے ہاتھوں میں تھما دیا ان دونوں نوجوانوں نے وہ پیالے مونہہ سے لگا لیے۔۔۔ اور عاص نے غور کیا کہ وہ دونوں نوجوان اور کوئی نہیں جوزف اور آش ہیں۔۔۔ اور ان کے ہاتھوں میں پکڑے جام کوئی مشروب ل ہیں بلکہ خون ہے جس کے ٹپکتے قطروں کو اسٹیج پہ ناچتے سبھی لوگ باری باری آ کر چاٹتے اور اپنے مخصوص انداز میں ناچنے لگتے۔

ہیزل ان دونوں لڑکوں کو پکڑ کے ایک ساتھ اسٹیج کے درمیان لائی دونوں کا ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے انہیں ایک دوسرے کے قریب کر دیا۔ عاص کے لیے یہ سب ناقابل برداشت تھا۔ وہ وہاں سے اٹھا اور اندر کی طرف بھاگ گیا۔ اس کا دماغ چکرا رہا تھا۔ ایک ویٹر نے اس کے آگے ٹرے کی جن میں سے اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر مونہہ سے لگا لیا۔۔۔ یہاں بس اکا دکا لوگ ہی تھے جو اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

وہ خود کو سنبھالتے ہوئے وہاں سے ہٹ گیا۔ اب وہ جس طرف آ نکلا تھا، وہ سپائرل کا سل کا بہت بڑا ہال تھا اس کی نظر سامنے اٹھی جہاں تین سیڑھیاں موجود تھیں بہت شاندار سفید سیڑھیاں جن پہ سفید رنگ کا صاف قالین تھا اور ان کے دونوں اطراف سنہرے رنگ کے خوبصورت نقش ونگار سے مزین ریلنگ تھی۔ دائیں اور بائیں جانب موجود سیڑھیاں سپائرل کی طرح گولائی میں گھوم کر اوپر جا رہی تھیں جبکہ درمیان والی سیڑھیاں سیدھی تھیں۔ اسے یہ منظر کچھ جانا پہچانا لگا۔ اس نے یہ سیڑھیاں پہلے بھی کہیں دیکھی ہیں؟ لیکن وہ تو سپائرل کا سل پہلی بار آیا ہے۔ اسے جنگل کی وہ سیڑھیاں یاد آ گئیں۔ ہاں! یہ بلکل ویسی ہی تھیں۔۔۔ بلکہ وہی تھیں۔۔۔ مگر یہاں؟ یہ سب کیا تھا؟ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے سامنے کی سیدھی سیڑھیوں کے اوپر موجود گیلری کا پردہ ہٹا اور عاص نے دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا ابیت ناک بت موجود ہے جس کا چہرہ اور پیر کسی بکرے طرح لیکن باقی جسم اور ہاتھ انسان جیسے تھے۔ اس کے سر پہ دو سینگھ موجود تھے اور اس بت کا ایک بازو ہوا میں اٹھا ہوا تھا جس کے ہاتھ کی بند مٹھی میں دو انگلیاں جوڑ کر کھڑی تھیں۔ اس بت کے دائیں بائیں چمگادڑ جیسے بڑے بڑے پر سمٹے ہوئے نیچے کی طرف آ رہے تھے۔ عاص اس شیطانی بت کو دیکھ کر پیچھے ہٹتا جا رہا تھا اور لوگ شیطان کے نام کے نعرے لگاتے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ وہ سب یقیناً باہر کی تقریب ختم ہو جانے کے بعد اندر آ چکے تھے اور اب ان کی نظریں سیڑھیوں کے اوپر اس شیطان کے بت پر مرکوز تھیں۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے دیوانوں کی طرح آگے بڑھ رہے تھے۔ اور تبھی ان سیڑھیوں کے اوپر شیطان کے بت کے سامنے اس آخری بچے کو لایا گیا جو عاص کے خیال سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا لیکن ایسا نہیں تھا اور پھر ایک آواز ابھری۔۔۔

حاضرین یہ ہے آج کا وہ آخری خوش قسمت بچہ! جو ہم انسانوں سے بچ کر قربانی کے لیے چنا جاتا ہے اور اسے خود شیطان نے چنا ہے اپنے لیے۔۔۔ تو آئیں اور اس یادگار لمحے کا بھرپور لطف اٹھائیں۔۔۔ اور پھر اگلہ منظر دیکھنے کی تاب عاص نہیں لا سکا۔۔۔ بس اس نے بند ہوتی آنکھوں سے سفید قالین پر سے گرتی خون کی لال دھاروں کو دیکھا جسے اپنی زبان سے چاٹنے کے لیے وہاں موجود بڑے بڑے عزت دار اور رئیس لوگ جانوروں کی طرح ٹوٹے پڑ رہے تھے۔۔۔ عاص! عاص! مگر وہ کچھ سننے سمجھنے سے محروم تھا۔

اسے لگ رہا تھا وہ آسمانوں میں ہے، بادل اس کے آس پاس اسے گھیرے ہوئے ہیں اور وہ آنکھیں بند کیے لیٹا ہے۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے ہیزل کا چہرہ تھا۔ اوہ شکر ہے عاص تم ہوش میں تو آئے، یہ لو پہلے جوس پیو۔۔۔

عاص نے اپنے اردگرد دیکھا۔ چھت بہت نیچے تھی، دیواریں بھی تنگ تھیں، فضا میں مدھم سا شور تھا، وہ تو کسی پرائیویٹ ہوائی جہاز میں ہے۔۔۔ وہ اٹھ کے بیٹھ گیا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ میں تو سپائرل کاسل میں تھا۔۔۔ وہاں وہ بچے، وہ شکار، وہ خون، اور تم۔۔۔ وہ اچانک چونکا اور ہیزل کے حلیے پہ غور کیا، وہ اس پارٹی ڈریس میں نہیں تھی۔ تم مجھے کہاں لے کر گئی تھی ہیزل؟ کون تھے وہ لوگ؟ کیا ہو رہا تھا وہاں؟ اور تم کس قسم کا رقص کر رہی تھی؟ وہاں انش اور جوزف۔۔۔ کیا تھا وہ سب؟ عاص بوکھلایا ہوا تھا، اس نے درد سے پھٹتا اپنا سر تھام لیا۔۔۔

ٹیک اٹ ایزی عاص! مجھے پتہ ہے یہ صدمہ بہت بڑا ہے لیکن اپنے آپ کو سنبھالو ورنہ تمہاری طبیعت پھر سے خراب ہو سکتی ہے۔ سر میں درد ہو رہا ہے نا؟ ایک منٹ۔۔۔

ہیزل نے فوراً ہی پاس پڑے ایک چھوٹے سے باکس سے سر درد کی گولی نکال کر جوس کے گلاس کے ساتھ عاص کو تھما دی۔ اس نے گولی اپنے حلق میں اتار کر ایک ہی گھونٹ میں گلاس خالی کر دیا۔۔۔ میں یہاں کیسے آیا؟ کیا ہم نیویارک جا رہے ہیں انکل بہرام کی پارٹی کے لیے؟ ہیزل! اب تم یہ جان لو کہ میں تمہارے ساتھ کہیں بھی جانے میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔ تمہاری پرائیویٹ پارٹیز، بہرام انکل کی سیاسی کامیابی کی پارٹی یا کہیں بھی۔۔۔ نہ ہی میں اپنے ماں بابا کو وہاں جانے دوں گا۔۔۔ اماں بابا کہاں ہیں؟ کیا وہ کیلیفورنیا نہیں آئے؟ وہ تو ہمارے ساتھ نیویارک جانے والے تھے نہ؟ عاص متواتر سوال کیے جا رہا تھا۔۔۔

عاص! پلیز ریلیکس ہو جاؤ، مجھے معلوم ہے کہ تمہارا غم بہت بڑا ہے، ماں باپ کی موت کوئی معمولی بات نہیں لیکن۔۔۔ ہیزل بول رہی تھی کہ عاص نے اسے ٹوک دیا، کیا بکواس ہے یہ؟ کیا بول رہی ہو تم؟ کس کے ماں باپ کی موت؟ کون سا غم؟ ہوش میں تو ہو تم؟ عاص! ہوش میں تو تم نہیں تھے۔۔۔ کل جب ہم سپائرل کاسل جانے کے لیے نکلے تھے تو راستے میں گرینڈ پا کا فون آیا اور انہوں نے بتایا کہ انکل زیان اور ثمر آنٹی کا نیو یارک میں بہت برا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ دونوں موقع پہ ہی جاں بحق ہو گئے ہیں۔۔۔ تمہارے اعصاب یہ صدمہ برداشت نہیں کر پائے اور تم بے ہوش ہو گئے۔۔۔ میں نے گاڑی واپس موڑی اور ہم واپس آ گئے۔ کل شام سے ڈاکٹرز تمہیں ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ امید تھی کہ اب تم جلد ہوش میں آ جاؤ گے۔۔۔ گرینڈ پا نے ہم دونوں کے لیے اپنا پلین بھجوا دیا اور میڈیکل سٹاف اور اب ہم نیویارک جا رہے ہیں۔

ہیزل کی باتیں عاص کے سر پہ ہتھوڑے برسا رہی تھیں۔۔۔ وہ ہونقوں کی طرح اس کی ساری بات سنتا رہا اور پھر چلا اٹھا۔۔۔ اماں، بابا کا ایکسیڈنٹ۔۔۔ نیویارک میں؟ وہ وہاں کیسے؟ اور ہم دونوں سپائرل کاسل گئے تھے۔ وہاں وہ سب شیطانیت میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اور تم اس سب کا حصہ تھی۔۔۔ تم جھوٹ بول رہی ہو۔۔۔ یہ سب جھوٹ ہے۔۔۔ اسے قابو کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

عاص! تم نے یقیناً بیہوشی کی حالت میں کوئی برا خواب دیکھا ہے۔۔۔ تم غشی کی حالت میں بھی نہ جانے کیا کچھ بول رہے تھے۔۔۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ تمہارے والدین کی موت کی خبر کا تمہارے دماغ پہ کافی اثر ہوا ہے۔ تم تقریباً چوبیس گھنٹوں سے بیہوش ہو۔۔۔ کچھ دیر پہلے جب تمہارے ہوش میں آنے کے آثار پیدا ہو رہے تھے تو ڈاکٹر کی اجازت سے تمہیں نیویارک لے کے جانے کا فیصلہ کرنا پڑا کیونکہ انکل، آنٹی کی تدفین میں پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے، لہٰذا اب مزید انتظار کرنا ٹھیک نہیں۔۔۔ باقی سارے انتظامات وہاں گرینڈ پا کر چکے ہیں بس تمہارا انتظار ہے کہ تم انہیں آخری بار دیکھ سکو۔۔۔ ہیزل نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو یہ سب سن کے اسے اپنی دماغی حالت پہ شک ہونے لگا۔۔۔

کیا واقعی اس نے کوئی بھیانک خواب دیکھا تھا؟ لیکن اماں بابا؟؟؟اس کے آنسوں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ سپائرل کاسل کے خواب اور حقیقت سے فی الحال اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن زیان اور ثمر کی موت کی خبر اسے کسی بہت برے خواب جیسی ہی لگ رہی تھی۔ وہ سر پکڑے اور اپنی گردن جھکائے دبی دبی آواز میں چلا رہا تھا۔ ہیزل نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔۔۔ عاص! تمہاری طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں، ابھی تمہیں ہوش میں رہنا ہے۔۔۔ کم از کم انکل آنٹی کی تدفین تک خود کو سنبھالو۔۔۔ آج کیا دن ہے؟ عاص نے اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں اٹھا کے ہیزل کو دیکھا۔۔۔ اتوار! ہیزل نے جواب دیا تو عاص نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے تیکھے انداز میں پوچھا، اماں بابا تو اتوار کو یعنی آج کیلیفورنیا آنے والے تھے نہ؟ اور پھر ہم تینوں تمہارے اور انکل بہرام کے ساتھ ایک ساتھ نیویارک جانے والے تھے۔۔۔ تو بھلا وہ دونوں ڈائریکٹ نیویارک کیسے پہنچ گئے؟ اور انکل بہرام بھی پہلے سے وہاں ہیں؟ گرینڈپا کو کسی کام سے کل ہی نیویارک چلے جانا پڑا تو انہوں نے زیان انکل اور ثمر آنٹی کو ڈائریکٹ وہیں بلوا لیا تھا۔ تو وہ بھی کل نیویارک پہنچ گئے تھے اور بروکلین کے ٹرنل سے گزرتے ہوئے ان کی گاڑی کی بریکس فیل ہو جانے کی وجہ سے ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔۔۔

انہیں ایئر پورٹ سے پک کرنے والے گرینڈپا کے نوجوان ڈرائیور کی بھی موت واقع ہو گئی۔۔۔ کوئی نہیں بچا۔ ہیزل نے عاص کی طرف دیکھا جو اسے اب بھی بے یقینی سے تک رہا تھا۔

زیان اور ثمر کی تازہ قبروں پہ پھول رکھتے ہوئے عاص بے حد نڈھال تھا۔ آسمان پہ کالی گھٹائیں نے اپنی گرج سے قبرستان کی خاموشی میں خلل ڈالنا شروع کر دیا تھا۔۔۔ دن ڈھلنے میں ابھی وقت تھا مگر روشنی نہیں تھی۔ فضا میں چھائے اندھیرے سے زیادہ اسے اپنی زندگی میں چھائے اندھیرے کا احساس اچانک ستانے لگا تھا۔ قبرستان سے نکل کے اس نے بہرام سے ہاتھ ملایا تو بہرام نے پوچھا؟ کہاں جا رہے ہو؟ میں ورجینیا واپس جا رہا ہوں، عاص نے جواب دیا۔ ابھی؟ اس وقت؟ ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں کچھ دیر ٹھہر جا، تھوڑا آرام کرو، پھر تم، میں اور ہیزل ایک ساتھ کیلیفورنیا واپس چلے جائیں گے۔۔۔ بہرام نے اسے روکنا چاہا۔۔۔ نہیں! میں کیلیفورنیا نہیں، ورجینیا جانا چاہتا ہوں اپنے گھر، اپنے ماں باپ کے گھر۔۔۔ میں ابھی کچھ دن وہیں رہنا چاہتا ہوں، پلیز! عاص بضد تھا۔ بہرام نے ہتھیار ڈال دیے، ٹھیک ہے بیٹا! اپنا خیال رکھنا اور کسی بھی چیز کی ضرورت ہو، مجھے فون کر لینا۔ جی! بہت شکریہ۔ اللہ حافظ! اور اتنا کہتے ساتھ ہی وہ اپنے راستے ہو لیا۔۔۔

اس نے پہلی بار ورجینیا جانے کے لیے ہوائی جہاز کا ٹکٹ لیا تھا۔۔۔ ٹرین کے لمبے سفر کو جھیلنے کی اس میں سکت نہیں تھی اور نہ ہی اب پہلے جیسے ٹرین کے سفر سے لطف اندوز ہونے والے حالات تھے۔ دو ہی دن میں سب کچھ بدل گیا تھا۔ اپنے گھر پہنچ کر وہ سب سے پہلے زیان اور ثمر کے کمرے میں گیا۔ ان کے خالی کمرے اور وہاں ان کے استعمال کی چیزیں دیکھ کر اس کا دل بھر آیا۔۔۔ اس کی نظر ان کے بستر پر پڑی تو اسے لگا جیسے وہ دونوں وہیں آرام کر رہے ہیں، وہ بھی بستر کے بیچوں بیچ جا کے لیٹ گیا۔۔۔ اور اسے یوں محسوس ہوا کے ان دونوں نے اپنا ایک ایک بازو اس کے گرد حائل کر دیا ہے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔۔۔ اس کے تصور میں زیان اور ثمر کی فون پہ کی گئی گفتگو گھوم رہی تھی۔۔۔ وہ دونوں اسے کچھ بتانا چاہتے تھے، کوئی ضروری بات۔۔۔

نہ جانے کیا تھی وہ بات جو وہ اس سے ملنے کے لیے اتنے بے چین تھے لیکن زندگی نے انہیں اتنی مہلت ہی نہیں دی۔ اگلے دن اس نے فون چیک کیا تو آنسرنگ مشین پہ زیان اور ثمر کے آفسز سے کچھ میسجز تھے۔ یہاں کسی کو خبر نہیں تھی کہ وہ دونوں اب اس دنیا میں ہی نہیں ہیں۔ نہ زیان کے آفس میں، نہ ہی ثمر کے بینک میں۔۔۔ اس نے ثمر کی ایک انڈین دوست اور بینک میں ساتھ کام کرنے والی برندہ کا فون نمبر نوٹ کر کے اپنے

موبائل فون سے ایک میسج ٹائپ کیا، برندہ آنٹی! میں عاص ہوں، اماں، بابا اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔۔۔ اس کے میسج ٹائپ کرتے کی دیر تھی کہ عاص کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون ثمر کی دوست برندہ کا تھا۔ کچھ دیر بعد برندہ اپنے شوہر گرمیت کے ساتھ عاص کے گھر پہ تھی۔۔۔

تعزیت کے بعد جب وہ گھر سے جانے لگی تو عاص سے بولی! بیٹا ہو سکے تو تم کل بینک آ جانا۔۔۔ ثمر کے اکاؤنٹس اور کچھ جاب سے مطلق آفیشل پیپر ورک کے لیے۔۔۔ ڈونٹ وری اٹس جسٹ آ فارمیلیٹی۔ جی آنٹی! میں کل آپ سے ملتا ہوں۔۔۔ اگلے دن وہ برندہ کے آفس میں موجود تھا جہاں برندہ نے ایک دس بارہ انچ کا باکس عاص کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

نیویارک جانے سے پہلے ثمر اور زیان میرے پاس آئے تھے اور مجھے یہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ ہمیں کبھی بھی کچھ بھی ہونے کی صورت میں یہ عاص کو دے دینا لیکن ہمارے گھر پہ یا فون پہ اس باکس کے بارے میں عاص سے کوئی بات نہ کرنا۔ ان دونوں کو شک تھا کہ ان کے فون ٹیپ کیے جاتے ہیں بلکہ انہیں تو یہ بھی شک تھا کہ شاید ان کے گھر میں بھی خفیہ وائس ریکارڈرز لگائے گئے ہیں۔ اسی لیے میں نے کل تمہارے گھر پہ اس کا ذکر نہیں کیا اور آفیشل پیپر ورک کے بہانے تمہیں یہاں بلایا ہے۔ خاص طور پہ تمہیں ثمر کی یہ امانت دینے کے لیے۔۔۔ میں نہیں جانتی اس باکس میں کیا ہے؟ لیکن ثمر نے کہا تھا کہ یہ تم گھر پہ مت کھولنا، اسے کسی پارک یا کسی ایسی جگہ بیٹھ کے کھولنا جہاں تمہارے علاوہ دوسرا کوئی نہ ہو۔ میں یہ تو نہیں جانتی کہ یہ سب اس نے کیوں کہا تھا لیکن میرے پوچھنے پہ اس نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ زندگی رہی تو تمہیں آرام سے بتاؤں گی۔

عاص بیٹا! ان کے ساتھ نہ جانے کیا معاملہ تھا؟ لیکن ان کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اپنی موت کے لیے تیار تھے۔ اور اب تو مجھے بھی لگ رہا ہے کہ ان دونوں کی موت ایکسیڈنٹ نہیں قتل ہے۔ تم اپنا خیال رکھنا اور میری کسی بھی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو مجھ ضرور بتانا۔ برندہ کے خاموش ہونے پر عاص نے خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھا اور اس کا شکریہ ادا کر کے وہ وہاں سے چلا آیا۔۔۔ اس کا رخ اپنے گھر کے قریب موجود اسمتھ مانٹین لیک کی جانب تھا۔ وہ جھیل کے ایک ایسے کنارے پہ موجود بینچ پہ آ بیٹھا جہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے جلدی جلدی باکس کھولا تو اندر ایک ٹیپ ریکارڈر تھا۔ اس نے پلے کا بٹن آن کر دیا۔۔۔ زیان کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔۔۔ السلام علیکم عاص بیٹا! اس ٹیپ ریکارڈر کا تمہیں ملنے کا مطلب ہے کہ اب ہم اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ایک بات یاد رکھنا، ہماری ساری دعائیں اور نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہمیشہ رہیں گی۔ پہلے اس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے تم سے بات کرنے کا مقصد تمہیں بتا دیں۔۔۔ جب فون پہ ہم نے تمہیں ان سیڑھیوں کے بارے میں تحقیق سے روکا اور تم سے تفصیلاً بات کرنے کے لیے تمہیں گھر آنے کو کہا تب تک ہم دونوں یہ نہیں جانتے تھے کہ ہمارے فون ریکارڈ کیے جا رہے ہیں لیکن جب ہمیں اندازہ ہوا کہ ایسا ہو رہا ہے تو ہمیں یہ اندازہ لگانے میں بھی دیر نہیں لگی کہ ہماری جان کو خطرہ ہے اور ہمیں تم سے ملنے سے پہلے مارا جا سکتا ہے۔ اسی خیال کے پیش نظر ہم اپنی باتیں ریکارڈ کر کے برندہ کے حوالے کر رہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ ہماری یہ امانت تم تک ضرور پہنچائے گی۔ اب بات کرتے ہیں تمہاری پیرا سائیکالوجی ریسرچ کی۔۔۔ عاص اس دنیا میں ایسی بہت سی سچائیاں ہیں جس کو عام انسان دیکھ نہیں پاتا لیکن کچھ سوجھ بوجھ رکھنے والے خوش قسمت لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا واسطہ دنیا کی ایسی خطرناک حقیقتوں سے پڑتا ہے جسے وہ دوسروں کی طرح نظر انداز کرنے کے بجائے ان سچائیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے ڈٹ کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہمیں فخر ہے کہ تم ان میں سے ایک ہو۔۔۔ پہلے تو ہم جان ہی نہیں پائے کہ تم کس چیز کی کھوج میں ہو لیکن جب ہمیں بتایا گیا تو ہمیں تمہاری جان کی دھمکی

دے کے تمہیں اس کھوج سے باز رکھنے کو کہا گیا۔۔۔ کیونکہ تم اپنی ریسرچ میں جن نتائج پہ پہنچ رہے تھے وہ محض مفروضے نہیں بلکہ حقیقت تھی اور ان کی دنیا کی حقیقت ہماری دنیا کے سامنے سرِ عام کھل جانے کے ڈر سے وہ بوکھلا گئے تھے۔ اب تم جاننا چاہو گے کہ وہ کون ہیں؟ تو بیٹا وہ لوگ ایسی خفیہ تنظیم کا حصہ ہیں جو خدا کو نہیں مانتے، ان کا خدا شیطان ہے۔

وہ لوگ دنیا سے تمام مذاہب کا خاتمہ کر کے صرف شیطان کا مذہب لاگو کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا انسانیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ دنیا سے انسانی آبادیوں کا خاتمہ کر کے بس ایک مخصوص تعداد تک کی انسانی آبادی کو دنیا میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لیے وہ طرح طرح کے نت نئے طریقے اپنا کر کہیں لوگوں کو غربت، بھوک و افلاس سے مار رہے ہیں، تو کہیں موسم کو کنٹرول کر کے نقلی زہریلی بارشیں پیدا کر رہے ہیں تو کہیں نقلی طوفان، اور کہیں قحط سالی۔۔۔ اور جو ترقی یافتہ اور ترقی پزیر قومیں ہیں وہاں نئی پالیسیز کے ذریعے ٹیکس بڑھا کر اور روزگار میں کمی کے مواقع بڑھا کر اپنی طاقت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ہاں! وہ بہت طاقتور ہیں۔۔۔ دنیا کی بڑی بڑی بزنس کمپنیز اور سیاستدان ان کے ماتحت ہیں۔ اور ان کا مقصد زمین پہ شیطان کی حکومت ہے۔ اور جیسا کہ تم جانتے ہو کہ شیطان کا بھلائی سے کوئی لینا دینا نہیں، اس کا تعلق صرف برائی اور گناہ سے ہے۔ وہ انسان کو روپے پیسے، رتبے، شہرت، اختیارات کا لالچ دے کر خرید رہا ہے اور گمراہ انسان ان مادی چیزوں کے پیچھے اپنی انسانیت بیچ رہے ہیں۔ اس گروہ میں شامل، شیطان کے پیروکار بظاہر نہایت پڑھے لکھے، اعلیٰ عہدوں پہ فائز، نفیس اور مہذب نظر آنے والے وہ لوگ ہیں جو شیطان کی خوشنودی کے لیے ہر وہ گناہ کرتے ہیں جسے دیکھ کر انسانیت کانپ اٹھے۔۔۔ اور ان گناہوں کو یہ ان شیطانی رسوم کا نام دیتے ہیں جو ان کی مخصوص خفیہ تقریبات میں ادا کی جاتی ہیں۔ اور ان رسومات کا براہ راست تعلق قبالہ یعنی قدیم کالے سفلی علم سے ہے۔

تم نے جنگل میں کیا دیکھا اور محسوس کیا ہم نہیں جانتے لیکن ہمیں بس اتنا ہی بتایا گیا ہے کہ تم ان کی مقدس، جادوئی رسوم میں استعمال ہونے والے ڈورویز کی حقیقت دنیا کے سامنے آشکار کرنے والے ہو اور اگر تم نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ تم یقیناً یہ سوچ رہے ہو گے کہ ہم دونوں اس خفیہ تنظیم کے لوگوں کے بارے میں کیسے جانتے ہیں اور انہوں نے ہمیں ہی کیوں اپروچ کیا؟ وہ ہمیں بنا بتائے بھی تمہیں نقصان پہنچا سکتے تھے اور ہمیں اس کی خبر تک نہ ہوتی تو بھلا ہمیں پہلے سے آگاہ کر کے تمہیں روکنے کی رعایت کیوں دی گئی؟ تو اس کے پیچھے ایک بہت لمبی کہانی ہے تمہارے اجداد کی کہانی۔۔۔ کیان خاندان کی کہانی۔۔۔ اور اتنا کہہ کر زیان خاموش ہو گیا تو ثمر کی آواز ابھری۔۔۔

عاص بیٹا! یہ تو تم جانتے ہو کہ تم عاص خاندان کی نویں نسل ہو اور اس خاندان کی نسل ایک بیٹے سے ہی چلتی آ رہی ہے۔ تمہاری پیدائش سے پہلے تک یہ خاندان دنیا کے امیر ترین خاندانوں میں شمار ہوتا تھا، تعلیم، روپیہ پیسہ، ذہانت، خوبصورتی، کسی چیز کی کمی نہیں تھی اس خاندان میں، تو بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ یہ خاندان اس شیطانی تنظیم کی نظروں میں نہ آتا جو دنیا کے قابل ترین لوگوں کو اپنے گروہ کا حصہ بنا کر انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہے۔۔۔ اور یہاں سے شروع ہوئی کیان خاندان کی آزمائش!

جب تمہارے دادا آہل عیات کیان نے تمہاری دادی ایمن کیان کے لیے پاکستان کی سب سے خوبصورت اور مہنگی ترین سوسائٹی بنانے کا کام شروع کیا۔۔۔ ثمر نے ایمن اور آہل کی شادی سے اپنی اور زیان کی شادی تک کی پوری کہانی عاص کو سنا ڈالی۔۔۔ اور ایچ۔او۔ای یعنی ہیون آن ارتھ کے ان سارے واقعات کا تذکرہ بھی کر ڈالا۔۔۔ عاص! یہ وہ کہانی تھی جس کا حصہ ہم خود رہ چکے ہیں۔۔۔ لیکن اس کہانی کی تہہ در تہہ ایک ایسی حقیقت پوشیدہ تھی جس سے ہم سالوں انجان رہے۔

ثمر نے خاموشی اختیار کی تو زیان نے بولنا شروع کیا۔ میرے بابا آہل عیات کیان نے جب ایچ اوای کی بنیاد رکھی تب ہمارے گروپ آف کمپنیز میں نو کمپنیز شامل تھیں اور میرے دادا عیات کیان اور بابا آہل عیات کیان کے علاوہ صرف ایک انسان ایسا تھا جو ان کے سارے کاروبار کی دیکھ ریکھ کرتا تھا اور وہ تھا بہرام رائے۔۔۔ میرے دادا عیات کیان اس بہت بھروسہ کرتے تھے۔ وہ تھا تو ایک ملازم، لیکن تمام کاروبار کو بہت شوق اور لگن سے سنبھالنے کی وجہ سے دادا نے اسے ملازم کی نہیں بلکہ ایک دوست کی سی اہمیت دے رکھی تھی۔ کیان خاندان کا برسوں پرانا ایک اصول تھا کہ وہ کاروبار میں شراکت داری کے قائل نہیں تھے۔ لیکن کیان گروپ آف کمپنیز کے بے شمار ڈائریکٹرز اور مینیجرز میں سے بہرام کی حیثیت سب سے ممتاز تھی۔ اسی لیے اسے کیان گروپ کی ہر کمپنی کے نفع ونقصان کی ساری معلومات رہتی تھی۔

پاکستان میں اپنی طرز کی منفرد اور بہترین سوسائٹی تعمیر کرنے کے لیے اچھے خاصے سرمائے کی ضرورت تھی اور بہرام کے مشورے پر میرے بابا آہل عیات کیان نے اپنی کچھ کمپنیز ایک بہت بڑے کاروباری شخص کے پاس ایک طرح سے گروی رکھ دیں۔۔۔ جس کے بدلے اس شخص نے سرمائے کاری کے لیے اچھی خاصی رقم فراہم کی اور پھر وہ سوسائٹی تعمیر ہونے لگی۔۔۔ اس نئے پراپرٹی بزنس میں مگن میرے بابا کیان گروپ آف کمپنیز سے تقریباً بالکل ہی کنارہ کش ہو گئے تھے اور میرے دادا نے اپنے بیٹے کے آرکیٹیکچرل شوق اور اس کی اپنی بیوی کی محبت میں بنائے جانے والی سوسائٹی میں دلچسپی کے پیش نظر انہیں تنگ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ عیات کیان عمر رسیدہ تھے اور اپنے اکلوتے بیٹے کے ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے اتنے بڑے کاروبار کو اکیلے نہیں سنبھال سکتے تھے۔ تو ایسے میں بہرام رائے ہی کیان گروپ کا کرتا دھرتا تھا اس لیے میرے بابا اس کے مشوروں پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کرتے تھے۔ اسی کے کہنے پہ آہل عیات کیان نے ان کاغذات پہ سائن کیے جن میں کیان گروپ کی کچھ کمپنیز کے بدلے انہیں پاکستان میں اسٹیٹ بزنس کے لیے سرمایہ ملنا تھا۔ کیان گروپ کی قانونی کاغذی کارروائیاں بہرام رائے کے ہاتھ میں ہوتی تھیں اور کئی سالوں کے اس اعتبار کی وجہ سے اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اور بہرام پہ یہی اعتبار کیان خاندان کو بھاری پڑا۔

کاغذات کے مطابق کیان کمپنیز کے بدلے صرف کیش سرمایہ ہی نہیں ملنا تھا بلکہ لیبر میں بھی مدد کی جانی تھی، یعنی میرے بابا نے اپنی آرکیٹیکچرل فرم کے جن ماہر آرکیٹیکٹس اور انجینیئرز، وغیرہ کو چنا تھا اس میں سرمایہ دینے والے بزنس مین کے ریکمینڈ کیے گئے کچھ لوگ بھی تھے۔ میرے بابا اس سرمایہ کار کو براہ راست خود نہیں جانتے تھے بلکہ اس سے ملوانے والا شخص بہرام رائے تھا۔ اب بہرام رائے کا اس شخص سے کیا تعلق تھا؟ میرے باپ دادا کو اس بارے میں زیادہ معلومات نہ تھیں۔ اور پھر جب دس سالوں میں اس سوسائٹی کی تعمیر مکمل ہوئی تو اسی سرمایہ دار کے چنندہ بندوں کی مدد سے اس سوسائٹی کے گھروں کو پوری دنیا میں بیچا گیا اور یہ پہلی بار تھا جب پاکستان کی کسی بھی سوسائٹی کو ورلڈ کلاس انٹرنیشنل سوسائٹی کا درجہ ملا تھا اور جب وہاں پوری دنیا سے لوگ آ کر آباد ہوئے تب وہاں پراسرار اموات کا ایک نا ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اور ٹھیک چھ سو ساٹھ دنوں میں چھ سو ساٹھ اموات ہوئیں۔ اس دوران میرے بابا جب بھی پاکستان سے کینیڈا آتے بہت پریشان اور بیمار دکھائی دیتے تھے۔ لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ اصل بات کیا ہے؟ اور پھر ایک دن میرے بابا آہل عیات نے میرے دادا عیات کیان کو اپنی پریشانی کی بھیانک وجہ بتائی تو کچھ دن بعد ہی ان کی موت واقع ہوگئی اور جب میرے دادا نے یہ بات میری مما، ایمن کیان کو بتانا چاہی تو وہ بھی اس دنیا سے چلے گئے۔ ان اموات کے بعد ہم نے اس آسیب زدہ سوسائٹی کو مساجد کی تعمیر اور اذان کی آوازوں سے کس طرح پاک کیا، اس کے بارے میں تمہاری ماں نے ابھی تمہیں سب بتایا ہے۔۔۔ اب بات کرتے ہیں کیان خاندان کے

زوال کی! ایچ او ای کے لیے گروی رکھے سب کاروبار اس سرمایہ کار کے ہاتھوں بک چکے تھے۔ کیونکہ ایچ او ای بنانے کے لیے اندازے سے زیادہ سرمایہ لگ چکا تھا۔۔۔ جس کا ادا کیا جانا ابھی آہل عیات کیان کے لیے ممکن نہ تھا اور سیٹلمنٹ کے طور پہ انہیں کئی کمپنیز سے ہاتھ دھونا پڑا، جس کا میرے بابا کو بے حد افسوس تھا۔

ہم ایک لمبے عرصے تک بابا کی موت کی وجہ ان کے دن رات کام کرنے اور کاروباری تفکرات سے بگڑی صحت کو سمجھتے رہے تھے۔ میری شادی ہو چکی تھی۔ مما کینیڈا کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی اپنا اینیمیشن پروڈکشن ہاؤس کھول چکی تھیں۔ میں نو کمپنیوں میں سے بچی ہوئی ان تین کمپنیوں کو اکیلا سنبھال رہا تھا۔ ابھی مجھے بزنس کا اتنا تجربہ نہیں تھا کہ میرے پریکٹیکل لائف میں آنے سے پہلے ہی بابا اور دادا کا انتقال ہو گیا تھا اور مجھے ان سے کچھ بھی سیکھنے کا موقع نہ ملا تھا۔ ایسے میں بہرام رائے ہی وہ ایک شخص تھا جو میری رہنمائی کرتا تھا۔ اور پھر ایک دن جنب میں اور ثمر تمہیں لے کر مما کے ساتھ کینیڈا والے اپنی جدی پشتی گھر سے پاکستان جان کے لیے نکل رہے تھے کہ بہرام رائے نے آ کر ایک بری خبر سنائی۔۔۔ ہماری فارماسوٹیکل کمپنی ناقص ادویات بنانے اور بیچنے کے الزام میں سیل کر دی گئی ہے اور ہماری آرکیٹیکچرل فرم ناقص میٹریل کی دھاندلی میں ملوث پائی گئی ہے اور اس کے دیگر پراجیکٹس میں لگا ہمارا سارا سرمایہ ڈوب چکا ہے۔۔۔ ہم بینک کرپٹ ہو چکے ہیں۔۔۔ اور اسی نقصان کی کسی حد تک بھرمائی کے لیے ہمارے دادا پردادا کا یہ کینیڈا والا محل نما گھر بھی نیلام ہونے والا ہے۔۔۔ یہ ہمارے لیے بہت بڑی خبر تھی۔

پاکستان میں ایچ او ای کا پراجیکٹ پہلے ہی نقصان میں جا رہا تھا۔ اور اس سوسائٹی کی مینٹیننس کے لیے بھی کیان گروپ کی انہی کمپنیوں کے منافع سے پیسہ آتا تھا جو اب دیوالیہ ہو چکی تھیں۔ اب صرف کیان خاندان کا ایک واحد بزنس بچا تھا اور وہ تھا الیکٹرانکس کا، جس کی پوری ذمہ داری بہرام رائے کے سپرد تھی۔ اب اپنی ناتجربہ کاری اور اس نقصان سے دل برداشتہ ہو کر میں اتنا خوفزدہ ہوا کہ میں نے وہ الیکٹرانکس کا بزنس چلانے سے انکار کر دیا۔ اور پھر ہم میں یہ طے پایا کہ میں صرف اپنی ماں کی پرائیویٹ اینیمیشن پروڈکشن ہاؤس کی کینیڈین برانچ کی ذمہ داری اٹھاؤں گا اور اماں پاکستانی برانچ کو دیکھیں گی اور کیان گروپ کی آخری الیکٹرانکس کمپنی تجربہ کار بہرام رائے دیکھے گا۔۔۔ اور یوں ہمارا کینیڈا کا وہ شاندار گھر نیلام ہو گیا لیکن مزید نقصان کو پورا کرنے کے لیے ایچ او ای کو بھی مختلف لوگوں کے ہاتھوں بیچنا پڑا۔ اب ہمارے پاس کیان خاندان کی ایک آخری کمپنی بچی تھی جو بہرام رائے کے سپرد تھی لیکن ایک دن اس کمپنی کے بھی جلد دیوالیہ ہونے کی خبر ہم تک پہنچی۔۔۔

آپ کے پاس اب ایک آخری راستہ ہے۔۔۔ بہرام نے ایمن کیان کو کہا۔۔۔ آپ کو ٹیرسٹر ہالی سے ملنا ہوگا۔۔۔ اور اگلے دن بہرام نے ایمن کیان کی میٹنگ ٹیرسٹر ہالی سے فکس کروائی۔۔۔ وہ اس کے محل کے شاندار ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی جب وہ جوتوں کی کھٹ کھٹ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

ایمن کیان! بہت نام سنا ہے آپ کا۔۔۔ آہل عیات کیان اکثر آپ کا ذکر کرتے تھے۔۔۔ آخر آپ ہی تو وہ ہستی ہیں جن کے لیے انہوں نے ایک پوری سوسائٹی بنا ڈالی۔ آپ تو خود کو بہت خوش قسمت تصور کرتی ہوں گی؟ اس نے بارعب لہجے میں بات کی لیکن ایمن اس کی امارت کے رعب میں آئے بنا بولی۔ جی نہیں! میں خود کو بہت بدقسمت تصور کرتی ہوں کہ اسی سوسائٹی کے لیے کیان گروپ آف کمپنیز کو آپ کے ہاتھوں سونپنا پڑا جس کے عوض آپ نے سرمایہ فراہم کیا تھا اور وہ سرمایہ واپس نہ کرنے کی صورت میں ہمیں ان سے ہاتھ دھونا پڑا اور وہ ہمیشہ کے لیے آپ کی ہو گئیں۔۔۔

مجھے افسوس ہے مس ایمن کیان! وہ بولا تو ایمن سنجیدہ لہجے میں بولی، مسز ایمن کیان۔۔۔ اوہ! تو آپ اب بھی مسز ہی کہلانا پسند کرتی ہیں؟ چلیں جیسے آپ کی خواہش، تو مسز کیان! مجھے افسوس ہے آپ کے کاروباری

نقصان کا بھی اور آپ کے شوہر اور ان کے والد کے انتقال کا بھی۔۔۔ اگر مسٹر آہل میری بات مان لیتے تو نہ ان کی کمپنیز ہاتھ سے جاتیں اور شاید نہ ہی ان کی زندگی۔۔۔ اس نے گہری نظروں سے ایمن کو دیکھا تو وہ چونک گئی۔ کیا مطلب ہے آپ کا؟ مجھے یہی امید تھی مسٹر آہل سے کہ انہوں نے آپ کو کبھی بھی کچھ نہیں بتایا ہو گا۔۔۔ چلیں کوئی بات نہیں، میں بتائے دیتا ہوں۔ آپ جانتی ہیں کہ ایچ اوای میں سرمایہ کاری کے لیے میں نے مسٹر آہل کو اربوں روپے دیے۔۔۔ اور ایسا میں ہر کسی کے ساتھ نہیں کرتا۔ کچھ خاص لوگوں پہ ہی میری یہ نظرِ کرم ہوتی ہے اور کیان خاندان تو ویسے ہی بہت خاص ہے۔ نسل در نسل اکلوتی اولاد اپنی ذہانت اور قابلیت سے اپنے خاندان کا نام روشن کرتی آئی تھی۔ کاروباری دنیا میں بہت پائے کی ساکھ رکھنے والے گروپ آف کمپنیز کے جانشین اور آپ کے شوہر آہل عیات کیان بھی ایک نہایت خوبصورت اور منفرد شخصیت کے مالک تھے۔

جب مجھے پتہ چلا کہ وہ اپنی جان سے پیاری بیگم کے وطن میں ایک چھوٹی سی دنیا بنانا چاہتے ہیں تو میں انہیں سرمایہ دینے کے لیے فوراً تیار ہو گیا۔۔۔ بس میری ایک ہی شرط تھی، ہالی نے ایمن کو دیکھا۔۔۔ جی! اور اس شرط کے مطابق آپ نے کیان گروپ کی چھ کمپنیز کو گروی رکھ لیا اور سرمایہ مقررہ وقت پہ واپس نہ ہونے کی صورت میں آپ نے انہیں بنا کسی رعایت فوراً ہی ٹیک اوور بھی کر لیا۔۔۔ ایمن نے اسے بتانا چاہا کہ وہ یہ سب جانتی ہے تو وہ بولا۔۔۔ نہ نہ! مسز آہل کیان! یہ سب تو قانونی فارمیلیٹیز تھیں۔ اصل شرائط تو ہمارے درمیان ہوئے معاہدے کے اندر تفصیلاً درج تھیں جن سے بہرام رائے اچھا طرح واقف تھا مگر شاید اس نے مسٹر آہل کو بتانا ضروری نہ سمجھا اور مسٹر آہل نے ان دستاویزات پہ سائن کرنے سے پہلے انہیں تفصیل سے پڑھنا ضروری نہیں سمجھا۔ جب سالوں پرانے قریبی ملازم کے ہاتھوں سب سونپ دیا جائے تو اس کی وفاداری پہ شک کرنا شریف لوگوں کا شیوہ نہیں۔۔۔ لیکن معاف کیجئے گا یہ اعتبار نہیں! ہے تو یہ بیوقوفی۔۔۔ وہ بھی بہت بڑی اور مسٹر آہل کی اسی ایک بیوقوفی نے انہیں انجانے میں میری شرائط کے دستاویزات پہ سائن کروا دیئے۔۔۔ میسٹر ہالی خاموش ہوا تو ایمن نے پوچھا، کیسی شرائط؟ اب تفصیلات میں پڑنے کا تو میرے پاس وقت نہیں اور امید کرتا ہوں کہ آپ کا وقت بھی کافی قیمتی ہو گا تو چیدہ چیدہ نکات کے بارے میں مختصراً بتاتا ہوں۔

ایک شق کے مطابق مسٹر آہل کی سوسائٹی کا نقشہ تیار کرنے میں ان کی آرکیٹیکچرل فرم کے علاوہ میرے کچھ خاص آرکیٹیکٹس کی ایک ٹیم بھی شامل ہو گی اور ان کی رائے محترم سمجھ جائے گی۔ ایک اور شق کے مطابق مسٹر آہل جو بھی گھر ڈیزائن کریں گے بظاہر اس کا ایکسٹیریئر بھلے دوسرے گھر سے مختلف ہو لیکن ان گھروں کے اندر ایک مخصوص حصہ میری ٹیم کی انٹیریئر ڈیزائننگ کے مطابق ہو گا۔ مسٹر آہل چونکہ خود بھی ایک بہت قابل اور کھلے دماغ کے آرکیٹیکٹ تھے جو دوسروں کے نئے آئیڈیاز کی کھلے دل سے نہ صرف حوصلہ افزائی کرتے تھے بلکہ انہیں عملاً استعمال کرنے کی اجازت بھی دیتے تھے اور ان کی اسی حوصلہ افزائی نے میری ٹیم کے حوصلے اتنے بلند کیے کہ اس یورپین طرز کی خوبصورت سوسائٹی کی عمارتوں کے ایکسٹیریئر اور انٹیریئرز میں بہت حد تک میری طرزِ تعمیر بھی پوشیدہ ہے، ایسا کہتے ہوئے اس نے گردن اکڑا کر ایمن کو دیکھا۔ آپ کا طرزِ تعمیر؟ ایمن نے پوچھا۔ ہاں! وہاں بنائے گئے مونیومینٹس۔۔۔ جن میں مصری طرز کے چھوٹے چھوٹے اہرام، وہاں بنائے گئے مصری خداؤں کے بت جیسے مگرمچھ کے سر والا سوبک جو ہورس اور را کی ایکسٹینشن ہے، پرندے کے سر والا تھوتھ جس نے تصاویر سے مزین تکنیکی زبان کو دنیا کی نظر میں خوبصورت بنایا۔

سانپوں کا باپ گیگ جس کے ایک قہقہے سے زلزلے اور آنسوں سے سمندر بھر جاتے تھے۔ گھوڑے کے سر والا، لال صحرا کا وائلنٹ اور ڈومینیٹنگ سیتھ جو کہ گیگ کے بیٹوں میں سے ایک تھا اور جو اپنے ہی بھائی اوسیریس کے خلاف کھڑا ہو گیا تھا۔ اوسیرس کا بیٹا ہورس

جو جنگ اور شکار کا دیوتا تھا۔ دیوی آئنسس جو ہورس کی ماں اور اوسیرلیس کی بیوی تھی، جس کے آنسو دریائے نیل میں سیلاب لے آتے تھے۔ گیدڑ اور بھیڑیے کے سر والا دیوتا انوبس جو موت کا دیوتا تھا، دیوتاؤں کا باپ را اور پوشیدہ دیوتا مونزا، ان سب کی مورتیاں ایچ اوای میں میرے ہی آرکیٹیکٹس کی بنائی گئی ہیں، وہ نہایت مدبانہ انداز میں ان قدیم دیوتاؤں کا ذکر کرنے کے بعد فخر سے ایمن کی طرف دیکھنے لگا تو ایمن فوراً بولی، معاف کیجئے گا!

آپ شاید کسی اور سوسائٹی کی بات کر رہے ہیں۔ ایچ۔او۔ای ایک مسلم ملک کی مسلم سوسائٹی ہے۔ اس میں بھلا مصری دیوتاؤں کے بتوں کا کیا کام؟ اور میں نے اس سوسائٹی میں کافی وقت گزارا ہے، وہاں ایسا کوئی آرکیٹیکچر نہیں۔ ٹیرسٹر ہالی نے ایک تمسخرانہ قہقہہ لگایا اور ایمن کی طرف دیکھا، مجھے لگا تھا کہ آپ بھی مسٹر آہل کی طرح باریک بین ہوں گی لیکن آپ نے شاید وہاں کے شاپنگ سینٹر اور سوسائٹی کلب کی بیرونی عمارتوں پہ کندہ اسکیچز پہ کبھی غور ہی نہیں کیا؟ اور نہ ہی وہاں کے سینٹرل پارک میں بنائے گئے چھوٹے چھوٹے پلوں اور سیڑھیوں کی ریلینگ پہ موجود اہرام اور علامات اور فواروں کے گرد بنی اشکال پہ؟ ایمن کی آنکھوں کے سامنے سوسائٹی کلب اور شاپنگ مال کے لیے مختص عمارتوں کی بیرونی دیوار پہ کندہ بہت بڑا منظر آ گیا۔۔۔ جس میں واقعی عجیب وغریب اشکال کے جانور نما انسان بھی تھے اور ان عمارتوں کے باہر بنے مصنوعی حوض جن میں مصنوعی آبشاروں اور فواروں سے پانی گر رہا تھا وہ بھی مجسمہ سازی کے نام پہ طرح طرح کے انسانوں اور جانوروں کے بتوں سے مزین تھے۔۔۔

اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا، بظاہر آرٹ کا خوبصورت نمونہ نظر آنے والے ان سکلپچرز کے پیچھے کی حقیقت کچھ اور ہی نکلے گی، ایسا تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اسے فرطِ حیرت میں مبتلا دیکھ ہالی طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔۔۔ جی مسز ایمن کیان! کچھ یاد آیا؟ اور کہیں آپ وہاں کے قبرستانوں کو تو نہیں بھول گئیں؟ جلانے اور دفنانے کے علاوہ ٹاور آف سائلنس کے طرز پہ بنے اس اونچے پلیٹ فارم کو تو آپ نے دیکھا ہی ہوگا، جہاں اگر کوئی چاہے تو اپنے یا اپنے چاہنے والوں کے مردہ جسم کو وہاں گوشت خور پرندوں کی خوراک بننے کے لیے کھلا بھی چھوڑ سکتا ہے۔ نہیں؟ پھر تو اسی پلیٹ فارم کی سیڑھیوں اور پاتھ وے کے داخلی راستوں پہ بنے ستونوں پہ کندہ ڈیزائن اور قبرستان کے بڑے دروازے کو بھی آپ نے غور سے نہیں دیکھا ہوگا؟ ہالی کے الفاظ کے زیرِ اثر ایمن کی نگاہوں کے سامنے ایک ایک چیز گردش کرنے لگی۔۔۔ وہ بت، وہ شکلیں، وہ قدیم علاماتی زبان، سکلپچرز اور ڈیزائننگ کی صورت میں اس سوسائٹی میں ہر جگہ موجود تھیں۔ وہ سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔۔۔ ابھی تو میں نے صرف ایکسٹیریئرز کی بات کی ہے ذرا انٹیریئر کی بات بھی ہو جائے۔۔۔

آپ نے اپنے گھر کے فرش پر بنے شطرنج کے سفید اور کالے خانوں پہ بھی کبھی غور نہیں کیا؟ پھر تو وہاں کے شاپنگ مال، پارکس اور دیگر جگہوں کے فلورز پہ کہاں کیا ہوگا؟ بلیک اینڈ وائیٹ بلاکس کی فلورٹائلنگ تو ہماری سب سے پسندیدہ جگہ ہے آدھا اندھیرا، آدھا اجالا۔۔۔ ہم کالی طاقتوں کو ماننے والے روشنیوں پہ بھی قابض ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔۔۔ ہالی کی بات سے ایمن کے دماغ کی اسکرین پہ اس کے ایچ اوای والے گھر کے فرش کی تصویر ابھرنے لگی، اور پھر شاپنگ مال، پارک حتیٰ کہ قبرستان میں بھی، ہر جگہ کہیں نہ کہیں شطرنج کے بورڈ کی طرح کالی اور سفید ٹائلز فرش کا حصہ ضرور تھیں، شاپنگ مال کا ہال ہو، سوسائٹی کلب کی لابی، اس کے گھر کے کوریڈورز ہوں یا پارکس کے چبوترے، ہر جگہ شطرنج کی بساط بچھی تھی جس پہ انسان مہروں کی طرح حرکت کرتے ہیں۔ اور پھر اس کے ذہن میں اس کی ماں کی آواز ابھری، ایمن! آدھی دھوپ اور آدھی چھاؤں میں نہیں بیٹھتے، ایسے شیاطین بیٹھتا ہے، یا تو پوری دھوپ میں آجاؤں یا پوری چھاؤں میں۔۔۔ اور وہ جو شادی سے پہلے سردیوں کے ایک دن بہت عرصے بعد نکلی دھوپ میں بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

ڈھلتے سورج کی وجہ سے آدھی دھوپ اور آدھی چھاؤں تلے تھی، اپنے لان میں پڑے جھولے سے اٹھ گئی تھی۔۔۔اوہ! وہ صحیح کہتی تھیں۔۔۔تو یعنی اس شطرنج جیسے کالے اور سفید ٹائلز کو جانے انجانے میں اپنے گھروں کی زینت بنانے والے بھی اسی کی طرح اس بات سے نا واقف ہوں گے کہ یہ بھی شیطانی آرکیٹیکچر کا حصہ ہے۔

ویسے تو میں دنیا کے کسی مذہب کو نہیں مانتا سوائے شیطانیت کے! اسی لیے میں نے ایچ اوای میں کسی قسم کی عبادت گاہ تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی، یہ بھی میرے ایگریمنٹ کی ایک شرط تھی، ہالی نے اپنے اختیار کی طاقت جھاڑنے چاہی۔ آج ایمن کو ایچ او میں آہل کے ایک بھی مسجد تعمیر نہ کرنے کی وجہ معلوم ہوئی تھی۔ تو مختلف مذاہب کی آرام گاہیں کیوں بنائی گئیں؟ ایمن نے نہایت روکھے انداز میں سوال کیا۔

وہ عام لوگوں کے لیے بظاہر قبرستان سہی لیکن ہمارے لیے ایک شیطانی قربان گاہ تھی۔ وہ جگہ ہم نے اپنی مخصوص پوشیدہ رسوم کی ادائیگی کے لیے بنائی تھی۔۔۔ ہالی بولا۔ کیسی رسوم؟ ایمن کے سوال پہ وہ بولا، بہت خاص جادوئی رسوم جن کا جاننا آپ کے لیے ضروری نہیں۔ ویسے تو اس سب سے واقف ہونا بھی آپ کے لیے ضروری نہیں تھا لیکن آپ نے ہی تو اس ملک میں ہمارے اچھے بھلے بنتے مرکز کی منصوبہ بندی خاک میں ملائی تھی ورنہ ہمیں اس ملک میں بھی اپنی جڑیں مضبوط کرنے میں اتنی تاخیر نہ ہوتی، وہ افسوس سے بولا۔ اوہ! تو آپ کا مقصد اس ملک میں سرمایہ کاری نہیں بلکہ اس سرمایہ کاری کے ذریعے اپنے گھناؤنے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے ایک ایسی ناپاک جگہ کی بنیاد رکھنا تھی جسے اپنا مرکز بنا کے وہاں بیٹھے بیٹھے اس ملک کی عوام کو اپنے اشاروں پہ نچا سکیں؟ ایمن غصے میں آ چکی تھی۔

ہمارے اشاروں پہ تو جانے انجانے میں آپ کے ہم وطن اب بھی ناچ رہے ہیں، ہماری زیرِ نگرانی کمپنیوں کے مشروبات پیتے اور کھانے کھاتے ہیں، ہمارے بنائے، کپڑے اور جوتے پہنتے ہیں، ہمارے بنائے الیکٹرانکس کو اپنے گھروں کی زینت بناتے ہیں، اور ہماری ہی بنائی بین الاقوامی شہرت یافتہ شوبز شخصیات کی موسیقی پر ناچتے اور گاتے ہیں، لیکن انہیں ابھی علم نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔۔۔ ہالی نے طنز بھری مسکراہٹ ایمن کی طرف اچھالی۔ بھلے وہ سوسائٹی اب میری ملکیت نہیں لیکن وہ اب بھی میرا وطن ہے اور اس پاک سرزمین کو میں آپ کے ناپاک عزائم سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گی۔ اتنا کہہ کر ایمن اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مسز ایمن! اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں، ویسے بھی آپ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں البتہ ہم سے تعاون کی صورت میں آپ اپنے حالات پہلے جیسے ضرور کر سکتی ہیں۔ آپ کو یہ سب بتانے کا مقصد یہی تھا کہ آپ کو ہماری طاقت کا اندازہ ہو جائے۔۔۔ جب تک مسٹر آہل ہم سے تعاون کرتے رہے اور ایچ اوای میں ہونے والی اموات پہ خاموش رہے، زندہ اور خوشحال رہے۔

لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ محض اموات نہیں بلکہ شیاطین کو دی گئی ہماری قربانیاں تھیں جن کے بعد وہاں شیاطین کے کارندے بسیرا کرنے لگے تھے۔۔۔ تو انہوں نے مزاحمت شروع کر دی۔ جب وہ خود ساری زندگی اس خدا کی عبادت سے دور رہے جس مذہب کے وہ پیروکار تھے تو بھلا ہماری عبادات میں انہیں اعتراض کیونکر ہوا؟ میں نے تو انہیں صاف کہا تھا کہ آپ ایک طرح سے بے دین ہی ہیں، تو آپ ہمارے فرقے میں شامل ہو جائیں اور اس ایک گروہ کا حصہ بن جائیں جس کا آئین عنقریب اس پوری دنیا پہ راج کرنے والا ہے۔ اور آج نہیں تو کل آپ کی نسل بھی اسی کی پیروکار ہوگی اگر زندہ بچی تو۔۔۔ اس نے یہ کہہ کر ایک قہقہہ بلند کیا تو ایمن کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔۔۔ اور یہ راج بھی ممکن ہوگا اگر تم لوگ زندہ بچے تو۔۔۔ یہی کہا ہوگا نہ آہل نے بھی؟ ہالی کا ہنستا ہوا چہرا قہر برسانے لگا مگر جلد ہی وہ پھر سے نارمل ہوتے ہوئے بولا۔۔۔ ہاں! بالکل یہی کہا تھا۔ لیکن آپ نے یہ کیسے

جانا؟ وہ اس لیے کہ بھلے آہل اس وقت تک خدائی مذہب کی عملا پیروی نہیں کرتا تھا۔

لیکن تھا وہ ایک اللہ کا ہی ماننے والا اور اسی لیے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں وہ اپنے اصل کی طرف لوٹ آیا تھا، ایمن نے جواب دیا۔ ہوں! بے وقوف نکلا! سمجھایا تھا میں نے اسے کہ جیسا چل رہا ہے سب ویسے ہی چلنے دو، بلکہ ہمارے ساتھ آنے کی صورت میں نہ صرف تمہیں تمہارا کھویا سارا کاروبار واپس مل جائے گا بلکہ پہلے سے زیادہ ترقی اور معاشرے میں اونچا مقام ملے گا اگر تم اپنی صلاحیتوں کو، اپنے علم کو، اپنی قابلیت کو صرف ہمارے گروہ کے لیے استعمال کرو لیکن وہ نہیں مانا اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔۔۔ ہالی کی اس بات پہ ایمن آگ بگولہ ہوگئی۔۔۔ اس کی موت میں تمہارا ہاتھ تھا؟ نہیں نہیں! بالکل نہیں، اس کی موت تو شیطان کو ہی چڑھائی ان چھ سو سر سٹھ قربانیوں میں سے آخری قربانی تھی جس کے بعد ایچ اوای ہمیشہ کے لیے ہمارا مرکز بن جاتا۔۔۔ لیکن بس ایک چوک ہوگئی۔۔۔

موت کے وقت آہل نے کلمہ پڑھ لیا، وہ کلمہ جو ایچ اوای میں مرنے والے کسی بھی شخص کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ جن میں اکثریت فارن نیشنلیٹیز کی تھی اور جو نام نہاد مسلمان تھے انہیں اپنے دین یا کلمے کی اہمیت کا کوئی اندازہ ہی نہ تھا، ہالی نے اعتراف کیا۔ تو تم مانتے ہو اسلام اور کلمے کی اہمیت کو؟ ایمن نے فورا سوال کیا۔ مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں لیکن میں اس دستور کو مانتا ہوں جو اس دنیا میں خوشحالی اور روشن خیالی کے ساتھ رہنے کے لیے میرے اجداد نے مرتب کیا تھا۔ بس ایک مذہب اور ایک راج۔۔۔ وہ چپ ہوا تو ایمن بولی۔

شیطانیت کا مذہب؟ ظلم کا راج؟ روشنی نہیں اندھیر ہے جس کے پیچھے تم چل پڑے ہو۔ مسز ایمن کیان! میرا آپ کو یہ سب بتانے کا صرف ایک مقصد ہے کہ جو ہمارے راستے میں آتا ہے وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور جو ہم میں شامل ہوتا ہے اسے دولت، عزت، رتبہ سب ملتا ہے۔ آپ کے حالات کے پیش نظر وہی آفر میں آپ کو بھی کرتا ہوں، جو بیوقوفی آپ کے شوہر اور ان کے والد نے کی، آپ مت کریں ورنہ نہ صرف آپ کیان خاندان کی اس آخری کمپنی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گی بلکہ شاید اپنی جان سے بھی۔۔۔ جلد بازی نہیں کرونگا۔ سوچنے کے لیے جتنا مرضی وقت لیں۔

میری آفر قبول کرنے سے آپ کے سارے مسائل حل ہوجائیں گے۔ یہ کہتے ہوئے ہالی کھڑا ہوگیا، اور ہاں! آپ سمجھدار ہیں، مجھے یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں ہوگی کہ ہماری اس ملاقات اور یہاں ہوئی سبھی باتوں کے صیغہ راز میں رکھنے کی ذمہ داری مکمل طور پر آپ کی ہے، ہالی نے اپنا جملہ ختم کیا اور اپنے گلے میں پہنی سرخ رنگ کی چمکیلی ٹائی کو صحیح کرتا اپنے جوتوں کی کھٹ کھٹ سمیت کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہاں سے ایمن سیدھا آفس گئی، سامنے بہرام رائے موجود تھا جو اس کے احترام میں اپنی نشست سے کھڑا ہوگیا اور ذومعنی انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔۔۔ میم! میٹنگ کیسی رہی؟ آگ برساتی نظروں سے گھورتے ہوئے ایمن صرف اتنا ہی کہہ سکی۔۔۔ یو آر فائرڈ! پہلے تو بہرام کے چہرے کی مسکراہٹ حیرت میں تبدیل ہوئی لیکن جلد ہی اس کی حیرت کی جگہ اس کی آنکھوں سے برستی کمینگی نے لے لی اور وہ پھر سے مسکراتا ہوا نہایت تحمل کے ساتھ آفس سے نکل گیا، جیسے اسے کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو اور پڑتا بھی کیوں؟ وہ کیان گروپ کی اس آخری دیوالیہ کمپنی سے برطرف ہونے سے بہت پہلے ہی شیطانیت کو اپنا چکا تھا۔ اور کون جانتا تھا کہ وہ کمپنی دیوالیہ ہوئی تھی یا غبن کی مدد سے کی گئی تھی؟ مگر ان لوگوں کو بہرام رائے جیسے مفت خور نہیں بلکہ کیان فیملی کے ذہین ترین، اعلی تعلیم یافتہ اور قابل لوگوں کی ضرورت تھی اپنا دائرہ وسیع کرنے کے لیے، مگر آہل، عیات اور اب ایمن نے بھی اس خفیہ شیطانی تنظیم کا حصہ بننے سے انکار کردیا تھا۔

ایمن پاکستان چلی آئی جہاں وہ دن رات ایک اینیمیشن فلم کی تخلیق میں مصروف رہتی اور پھر ایک دن وہ اپنے آفس میں مردہ حالت میں پائی گئی۔ اس کی اس اچانک موت کی وجہ کے ساتھ ساتھ اس کے کام کا وہ

سب ریکارڈ بھی غائب تھا جس میں وہ دن رات مگن تھی۔ ابتدائی تحقیق کے مطابق ایمن کی کمپنی کے انیمیٹرز نے یہ بیانات دیے تھے کہ وہ کسی ایس خفیہ تنظیم پہ انیمیشن فلم بنا رہی تھی جو شیطان کو ماننے والے تھے اور دنیا پہ راج کرنے اور غلبہ پانے کے عزائم کو لے کر وہ گھناؤنے طریقے اپنا کر دنیا کے قابل ترین لوگوں کو اپنے گروہ میں شامل کرنے کے لیے ورغلاتے اور دھمکاتے تھے اور انکار کی صورت میں انہیں موت کی نیند سلا دیتے تھے۔۔۔

ایمن کے اس آخری پراجیکٹ کے بارے میں زیان اور ثمر جانتے تھے۔ ایمن نے کبھی اپنے بیٹے اور بہو سے کچھ نہیں چھپایا تھا بلکہ ہالی سے میٹنگ کے بعد آہل کی موت کا خلاصہ ہو جانے پر زیان اور ثمر کو ہر بات سے آگاہ رکھنا زیادہ ضروری ہو گیا تھا تاکہ وہ اپنے خاندان کو درپیش خطرات کا تدارک کر سکیں۔ کیان فیملی کی آخری کمپنی کے بند ہو جانے کے بعد اب صرف ایمن کیان کا ذاتی پروڈکشن ہاؤس بچا تھا۔ گھر پہلے ہی نیلام ہو چکا تھا، تو زیان اور ثمر نے کینیڈا کو خیر باد کہہ دیا اور امریکہ چلے آئے جہاں ثمر نے ایک نجی بینک میں جاب کر لی اور زیان ایک سافٹ ویئر انجینیر اور انیمیٹر ہونے کے ناطے ایمن کے انیمیشن پروڈکشن ہاؤس میں جت گیا۔ دن رات کی محنت سے اس نے یہاں پھر سے سارا سیٹ اپ شروع کیا تھا۔

عاص بیٹا! ورجینیا آنے کے بعد ہمارے پاس کچھ نہیں بچا تھا۔ تمہیں یاد ہو گا کہ کیسے محنت کر کے ہم نے اپنا چھوٹا سا گھر بنایا تھا۔ اور بس ہمیں ایک چھت، فیملی چلانے کے لیے روزگار اور تمہاری بہترین تعلیم سے زیادہ کچھ نہیں چاہیے تھا۔ زندگی پہلے جیسی پر آسائش تو نہیں رہی تھی لیکن پرسکون اور پیاری ضرور تھی۔ لیکن پھر بہرام نے ہمیں ڈھونڈ نکالا اور ہم تک پہنچ گیا۔ وہ شاید نہیں جانتا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ وہ میرے خاندان کی تباہی کا ذمہ دار ہے۔ پہلی بار اسے اپنے گھر میں دیکھ کر جی میں آیا کہ اسے دھکے دے کر یہاں سے نکال دوں کہ پھر میرے کانوں میں تمہاری ہنسی کی آواز پڑی تم ثمر کے ساتھ لان میں کھیل رہے تھے۔

تمہارا چہرہ میرے سامنے آیا تو احساس ہوا کہ میں یوں کھلے عام ان لوگوں کی دشمنی مول نہیں لے سکتا۔ میں نے مصلحت سے کام لیا اور خاموش رہا۔ بہرام خود کو میرا سب سے بڑا خیر خواہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور میری ماں کی موت پہ بہت افسردگی ظاہر کر رہا تھا اور میرے یہاں بن بتائے چلے آنے پر بھی شکوہ کر رہا تھا؟ اس نے مجھے کہا کہ بھلے تمہاری ماں ایمن کیان نے کسی بہت بڑی غلط فہمی کی وجہ سے مجھے کمپنی سے نکالا تھا لیکن میں پھر بھی ان سے ناراض نہیں بلکہ کیان فیملی کا سب سے بڑا ہمدرد ہوں اور تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا، جس سے اس کی مراد تھی کہ وہ کیان فیملی کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اس نے کہا تم میرے بچے جیسے ہو اور مجھے تمہیں ان حالات میں دیکھ کے اچھا نہیں لگ رہا۔ اس نے بتایا کہ اس نے کیان فیملی کی وہ آخری دیوالیہ کمپنی کسی بہت بڑے انوسٹر کی مدد سے خرید لی ہے اور بہت محنت کر کے اسے پھر سے چلانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس نے مجھے آفر کی کہ اگر میں چاہوں تو اس کے ساتھ پچاس فیصد کی پارٹنر شپ قبول کر سکتا ہوں۔۔۔ میں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں اپنی ماں کے اس چھوٹے سے پروڈکشن ہاؤس میں بہت خوش ہوں اور مجھے اس سے زیادہ کی طلب نہیں۔۔۔ وہ اس وقت تو وہاں سے چلا گیا لیکن ہماری زندگیوں سے نہیں گیا۔۔۔ وہ وقتاً فوقتاً آتا اور باتوں باتوں میں ہمیں یہ یاد آور کروا تا رہتا کہ ہم دنیا کے کسی کونے میں بھی چلے جائیں وہ ہم سے کبھی لاپرواہ نہیں ہو سکتا۔

ہر بار وہ جب بھی ہم سے ملنے آتا پہلے سے زیادہ ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ نازل ہوتا۔ بہت بار میرا دل کرتا کہ اسے بتا دوں کہ میں اس کی اصلیت اور دھوکہ بازی سے واقف ہوں لیکن ہر بار مجھے ثمر روک لیتی کیونکہ وہ جاتے ہوئے تمہیں جس طرح دیکھتا اور پیار کرتا، اور جس طرح تمہارے متعلق ساری معلومات کا ذکر کرتا تھا، اس کے انداز میں دبی دبی دھمکی کی جھلک ہوتی تھی کہ جیسے اس نے ہماری پچھلی نسلوں کو ختم کیا ہے وہ ہماری اگلی نسل کے ساتھ بھی جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس نے بیشتر بار مجھے اپنے کلب کا حصہ

بننے کی دعوت دی۔ جس کے بعد مجھے اپنی پیدائشی خاندانی دولت، شہرت اور ساکھ واپس مل سکتی تھی۔ اس نے کئی بار مجھے پرآسائش زندگی کی لالچ دے کر اپنے لیے کام کرنے کو کہا لیکن میں ہمیشہ انکار کرتا رہا۔ وہ جو کچھ سالوں میں ہی امریکہ میں بھی اپنا کاروبار پھیلا چکا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے یہاں کا ایک کامیاب بزنس مین اور پھر سیاستدان بھی بن گیا اور اپنے پہلے ہی الیکشن کو جیت کر سیاست میں اپنی جگہ بنالی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں اس نے ہمارا پیچھا پھر بھی نہ چھوڑا تھا۔ یہاں تک کہ ہم بوڑھے ہوگئے اور تم جوان۔۔۔ اور پھر ایک دن اس نے کھل کر مجھے ہمارے خاندان میں اپنی دلچسپی کی وجہ بتائی اور وہ تھے تم۔۔۔

تم دونوں عاص کو مجھے دے دو۔۔۔ بہرام رائے نے ایک دن زیان اور ثمر سے صاف بات کرنے کی ٹھانی۔۔۔ کیا مطلب؟ زیان چونکا؟ آپ اس کا کیا کریں گے؟ دیکھو! میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ عاص تمہارے خاندان کی نویں نسل ہے اور نو کا عدد ہمارے لیے بڑا مقدس ہے۔ سب سے اونچا، سب سے نمایاں، سب سے منفرد، تمہارے آبا اجداد نے دنیا بھر کی الگ الگ اعلیٰ نسلوں کی عورتوں سے شادیاں کیں ہیں، ساتوں براعظموں کے بہترین ڈی این اے نسل در نسل تمہارے خون میں شامل ہوتے گئے ہیں، دنیا بھر کے لوگوں کی الگ الگ خصوصیات اور الگ الگ قابلیت تمہارے خون میں دوڑتی ہے۔ بس آخری دو خواتین یکے بعد ایک ہی ملک سے تعلق رکھتی تھیں اور ان کا تعلق بھی بہت بہترین خاندانوں سے ہے۔ تو یوں ہم تمہاری خاندانی قابلیت کے دل سے قائل ہیں۔ ہم عاص کی تمام تر ذہنی صلاحیتوں کو پالش کریں گے اور اسے اس دنیا کے لیے ایک نہایت کارآمد شہری بنائیں گے، بہرام رائے نے مدعا بیان کیا۔ دنیا کے لیے یا اپنی تنظیم کے لیے؟ زیان نے سوال کیا۔ بہرام رائے چونکا، تو تم جانتے ہو؟ میں نے تو تمہیں بھی اپنے لیے کام کرنے کو کہا تھا لیکن تمہارے انکار پر میں نے اپنی توجہ عاص پہ مرکوز کرلی اور اب جب کہ وہ جوان ہو چکا ہے تو اسے اپنے فیصلے خود لینے دو، کیا پتہ اسے ایک پرآسائش زندگی کی خواہش ہو؟ جو اسے صرف ہم دے سکتے ہیں، بہرام نے کہا تو زیان بولا۔ اسے جو چاہیئے وہ صرف اللہ دے سکتا ہے۔ وہ ہمارا بیٹا ہے، جس کے دادا نے کوئی لالچ قبول نہیں کی، جس کی دادی نے، جس کے باپ نے نہیں کی، وہ خود بھلا کیسے اس دنیاوی دولت کی لالچ میں اپنی انسانیت بیچ سکتا ہے؟ بہتر ہوگا کہ تم آئندہ ہمارے خاندان سے دور رہو۔ عاص کا جواب بھی وہی ہوگا جو ہمارا ہے۔ زیان! تم خوامخواہ جذباتی ہو رہے ہو، ساری دنیا یہی کر رہی ہے۔ تم تو خوش نصیب ہو کہ وسیلہ خود چل کر تمہارے پاس آتا ہے کیونکہ تمہاری نسل نہایت منفرد، قابل اور خاص ہے۔ اور ہم ایسے ہی انسانوں کی قدر کرتے ہیں جو اپنی صلاحیتوں کو ہمارے لیے بروئے کار لا کر ہمارے ساتھ اس دنیا میں ایک منظم راج قائم کرسکیں ورنہ باقی ناکارہ لوگ خود دنیا میں رہنے کے قابل نہیں ہیں ان کا صفایا تو طے ہے، بہرام اطمینان سے بولا۔

دنیا انسانوں کے ہی لیے ہے، شیطانوں کے لیے نہیں۔ کس کا صفایا ہوتا ہے اور کس کا راج؟ کون ایک اللہ کو اپنا خدا مان کے ایک دن زندہ رہنے کو ترجیح دیتا ہے اور کون شیطان کو اپنا خدا مان کے سالوں زندہ رہتا ہے؟ یہ اپنی اپنی خوش نصیبی اور اپنی اپنی بدنصیبی ہے۔ تمہارا شیطان کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ میرا بیٹا چاہے غیر مسلموں کے ساتھ پلا بڑھا ہو لیکن اس کا اپنے خدا پہ ایمان بہت مضبوط ہے۔ تم اپنا وقت برباد مت کرو، زیان نے جواب دیا۔ اتنی جلدی مت کرو ابھی مزید وقت لے لو اور چاہو تو عاص سے بھی پوچھ لو، میں پھر آؤں گا، بہرام وہاں سے چلا تو گیا تھا لیکن ثمر اور زیان کی زندگیوں میں پھر سے خطرے کی گھنٹی بجا گیا تھا۔

عاص! تم جنگل میں موجود پراسرار سیڑھیوں کے اسرار کی تحقیق کے دوران جس نتیجے پہ پہنچ رہے تھے وہ صحیح تھا، وہ سیڑھیاں شیطانی رسومات کی ادائیگی میں ایک پلیٹ فارم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بہت سے قدیم شیطانی رچوئلز میں جب کسی کی قربانی دینا مقصود ہو تو اسے ان سیڑھیوں کے چبوترے پر قتل کیا جاتا ہے۔ شیطان انہی

چبوتروں پہ بلایا اور پوجا جاتا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ وہ سیڑھیاں شیطانی دنیا کے داخلی دروازوں کا کام کرتی ہیں اور بہت سے پراسرار اور نہ سمجھ میں آنے والے واقعات کا تعلق براہ راست یا بلواسطہ ان سیڑھیوں سے ہوتا ہے۔ پھر چاہے وہ سیڑھیاں کسی خفیہ شیطانی عبادت گاہ کی ہوں، کسی دور دراز قبرستان میں کسی چبوترے کی، یا کسی شہر کی زیر زمین ٹنل یعنی سرنگ کی۔۔۔ اگر ان کو کبھی بھی شیطانی رسومات میں انسانوں کی بھینٹ کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے تو وہ شیطانی دنیا کے داخل اور خارجی راستوں کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور بیابان اور ویران جنگلوں میں بسنے والی، ان دیکھی شیطانی مخلوق کی رہائش گاہ بھی۔۔۔ اس لیے کبھی وہ ویران جنگلوں میں دکھائی دیتی ہیں تو کبھی نہیں کیونکہ ان پہ ان دیکھی مخلوقات کا بسیرہ ہوتا ہے۔ ان خفیہ شیطانی رسوم کی رازداری کے پیش نظر اس گروہ سے تعلق رکھنے والے لوگ یہ بالکل پسند نہیں کرتے کہ اس بارے میں عام انسانوں کو معلوم ہو اور بہرام کا تعلق اسی شیطانی تنظیم سے ہے۔ اس نے ہمیں دھمکایا کہ ہم تمہیں اس تحقیق سے روکیں تو ہم نے فون پہ تمہیں جلد ملنے کو کہا تاکہ ہم تمہیں بہرام، اس گروہ اور ان کے ارادوں کے بارے میں بتا سکیں۔ لیکن جب تمہاری کال بند ہوتے ہی بہرام کی کال آئی اور اس نے ہمیں کیلیفورنیا آنے کو کہا کیونکہ اس نے ہمیں بتایا تھا کہ تم ہیزل کے ساتھ کسی تقریب میں جا رہے ہو اور اس کے بعد تم دونوں بہرام کی تقریب کے لیے نیویارک چلے جاؤ گے تو ہمیں تم سے ملنا ہی ہے تو ہمیں آج رات ہی ورجینیا سے نکلنا ہو گا۔ اس کی کال کے بعد ہمیں اندازہ ہوا کہ یقیناً ہماری کالز ریکارڈ کی جا رہی ہیں۔ ہمیں یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ بہرام کا تمہیں ہیزل کے ساتھ بھیج دینے کا مقصد یہی ہے کہ تم ان کی نظروں میں رہو اور ہمیں وہاں بلانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ ہماری تم سے ملاقات نہ ہو سکے ہمیں اندازہ ہو گیا تھا کہ اس سے پہلے کہ ہم تمہیں کچھ بتا سکیں وہ ہمیں مار دینا چاہتا ہے تاکہ ہمارے بعد وہ تمہارا غمگسار، ہمدرد اور خیر خواہ بن کر تمہیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کر سکے اور تم جانے انجانے میں کہیں اس تنظیم کے لیے کام نہ کرنے لگ جا۔ اس لیے ہم نے بہرام کو فون کر کے کہا کہ ہم دونوں کیلیفورنیا جانے کی بجائے سیدھا نیویارک آنے کے لیے راضی ہیں۔ ٹرین کا اتنا لمبا سفر کرنا ہمارے لیے مشکل ہے تو ہم اس دن کی فلائٹ سے نیویارک پہنچ جائیں گے اور زیان سے وہیں ملاقات کر لیں گے۔ وہ مان گیا اور یوں ہمیں دو دن سفر میں گزارنے کی بجائے دو دن کی مہلت مل گئی تاکہ ہم تمہارے لیے یہ سب باتیں ریکارڈ کر سکیں۔

ہم وہاں جانے سے انکار کرتے تو بھی وہ ہمیں یہیں آن لیتے۔۔۔ ہیزل اگر بہرام کے نقش قدم پہ ہوتی تو تم یقیناً اسے دوست نہ رکھتے، لیکن یہ اپنے ماں باپ کی آخری نصیحت سمجھنا کہ کچھ بھی ہو وہ ہے بہرام کی ہی پوتی، تو محتاط رہنا اور خدا کے سوا کسی پہ بھروسہ مت کرنا، اپنے دوستوں اور دشمنوں میں فرق تو وقت بتا ہی دیتا ہے لیکن ضروری ہے ایسے لوگوں کی صحبت سے بچنا۔ تم اپنا اچھا برا سمجھ سکتے ہو۔ ہم تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ وعدہ کرو تم اپنا خیال رکھو گے اور اس تحقیق کو جاری نہیں رکھو گے، اس لیے نہیں کہ تمہاری جان کو خطرہ ہو سکتا ہے بلکہ اس لیے کہ تمہیں ابھی دنیا میں بہت کچھ دیکھنا اور سمجھنا ہے، انسانیت کے کام آنا ہے اور یقین جانو! تمہاری تحقیق کو منظر عام پہ آنے نہیں دیا جائے گا بلکہ سب ثبوت، گواہ، دستاویزات، سب مٹا دیے جائیں گے اور تمہیں جھوٹا، پاگل یا خبطی ثابت کر کے تمہیں اس معاشرے کے لیے بھی سودمند نہیں رہنے دیا جائے گا۔ ہم تمہیں حق بات کہنے سے روک کر تمہیں بزدلی کا درس نہیں دے رہے بلکہ تمہیں اس معاشرے کا مفید فرد دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو تم اپنے اور انسانیت کے دشمنوں کی کمزوریاں پہچانو، ان کے طریقہ واردات کو سمجھو، پھر ٹھیک اسی طرح ان کے خلاف کام کرو جیسے وہ کرتے ہیں یعنی خاموشی کے ساتھ، ان کی نظروں میں آئے بنا، ان پہ اپنا مقصد ظاہر کیے بنا۔۔۔

دنیا کو تم جیسے ہونہار اور سمجھدار لوگوں کی ضرورت

ہے۔ اگر تم نے کسی بیوقوفی سے اپنی جان گنوادی تو ہمیں یہ افسوس نہیں ہوگا کہ کیان خاندان کا آخری جانشین بھی دنیا سے چلا گیا بلکہ یہ افسوس ہوگا کہ کیان خاندان کا آخری جانشین دنیا کے لیے کچھ کیے بنا ہی چلا گیا۔ کبھی کبھار ہمیں لمبی چھلانگ مارنے کے لیے چند قدم پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔ امید ہے تم ہماری نصیحتوں کو ہماری آخری وصیت سمجھ کر دل سے مانو گے۔ ہماری نیک تمنائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں۔ اپنا بہت خیال رکھنا تاکہ دوسروں کا خیال رکھ سکو۔ اللہ حافظ۔! زیان کے بعد ثمر نے بھی اسے دعائیں دیں اور اللہ حافظ کہہ کر بات ختم کردی۔

عاص کی آنکھیں نم تھیں۔ وہ اپنے عظیم ماں باپ کے احترام کا پہلے سے زیادہ قائل ہوگیا تھا۔ جنہوں نے بار بار موقع ملنے پر بھی اپنا ایمان نہیں بیچا تھا۔ وہ چاہتے تو پھر سے وہی شان و شوکت پاسکتے تھے لیکن وہ کسی دنیاوی لالچ میں نہیں آئے اور اپنی سادہ زندگی پہ ہی اکتفا کیا۔ بہرام بھی ان کا خاندانی ملازم تھا؟ یہ بات بھی عاص کو آج ہی پتہ چلی تھی۔ اس کے والدین نے بھی کبھی اس بات کا ذکر کرکے بہرام جیسے شخص کو بھی اس کی نظروں میں نہیں گرایا تھا۔ وہ مصلحتاً خاموش تھے۔ اور ہیزل؟ اوہ! یعنی اس دن وہ سپائرل کاسل گیا تھا۔ وہاں جو کچھ اس نے دیکھا، وہ اسی شیطانی گروہ کی رسمیں تھیں اور اسے وہاں لیجانے والی ہیزل ہی تھی۔ جس کا مطلب ہے کہ وہ بھی اسی تنظیم کا حصہ تھی۔ یعنی ہیزل نے اس سے جھوٹ بولا تھا، اس نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔ آہستہ آہستہ سب واضح ہو رہا تھا۔۔۔

جوزف اور انش کو بھی اسی گروہ میں شامل کیا گیا تھا لیکن کیسے؟ اور پھر اسے سپائرل کاسل کے ہال کی وہ سفید سیڑھیاں یاد آئیں، وہ تو وہی جنگل والی سیڑھیاں تھیں۔ ہاں وہ ہو بہو ویسی تھیں، بلکہ وہی تھیں۔ جہاں اس ماسک پہنے ہوئے شخص نے شکار میں زندہ بچ جانے والے اس آخری بچے کے بارے میں اعلان کیا تھا۔ اس کی آواز اتنی جانی پہچانی کیوں تھی؟ کس کی آواز تھی وہ؟ ڈاکٹر ویلمارٹ؟ ہاں! اس کی چھپی آنکھوں کے علاوہ اس کا چہرہ، اس کے بال، اس کی جسامت، اس کی آواز سب ڈاکٹر ویلمارٹ کا ہی تھا۔۔۔ اوہ میرے خدا! وہ بھی اس شیطانیت کے ماننے والے تھے؟؟؟ اسی لیے انہوں نے اس کی ریسرچ سرے سے ہی خارج کردی تھی۔ زیان نے صحیح کہا تھا اس کی تحقیق کے اصل نتائج وہ دنیا کے سامنے آنے نہیں دیں گے۔ یعنی وہ چاروں طرف سے ان لوگوں میں گھرا ہوا تھا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ امریکن یونیورسٹی کا ہیڈ ہو، امیر ترین بزنس مین ہو یا اونچے درجے کا کامیاب سیاستدان۔۔۔

سب خفیہ طور پہ شیطانیت سے وابستہ تھے۔۔۔

زیان نے ٹھیک کہا تھا۔۔۔ ایسے میں اسے بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ وہ کھلیعام کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ فی الحال اس گروہ کا دھیان خود پر سے ہٹانے کے لیے اسے بظاہر اس موضوع سے دستبردار ہونا ہوگا اور اپنی ڈگری کے لیے اسے کوئی اور موضوع چننا ہوگا۔ زیان کے الفاظ اس کے دماغ میں گونجے، کبھی کبھار ہمیں لمبی چھلانگ مارنے کے لیے چند قدم پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔۔۔ اس کی سمجھ میں سب آرہا تھا۔۔۔ اور اب وہ پیچھے ہٹنے کو تیار تھا۔

آپ نے انکل زیان اور ثمر آنٹی کے ساتھ ٹھیک نہیں کیا، ہیزل بہرام سے مخاطب تھی۔

تم جانتی ہو وہ تاریخ، وہ دن، وہ وقت، وہ سرنگ سب شیطانی رسم کے حساب سے کتنے اہم تھے۔ اگر میں وہ موقع مِس کر دیتا تو ان کی موت شیطان رسم کی بھینٹ نہ ہوتی۔۔۔ کسی اور دن، کسی اور وقت، کسی اور جگہ ان دونوں کا قتل محض قتل ہی ہوتا لیکن وہ تو میری خوش قسمتی تھی کہ میں ان کو ایک ایسی شیطانی جگہ مارنے میں کامیاب ہوا جہاں اس شہری سرنگ کی جگہ قدیم دور میں شیطانی رسومات کی قربان گاہ ہوا کرتی تھی۔ یہ سب کہتے ہوئے بہرام کی آنکھوں میں سفاکی ناچ رہی تھی۔ لیکن اتنی بھی کیا جلدی تھی؟ مجھے عاص کا ارادہ تو جان لینے دیا ہوتا، ہیزل نے گلہ کیا۔ تم ہی نے تو سپائرل کاسل سے فون پہ مجھے بتایا تھا کہ عاص وہ سب دیکھ کے ناخوش ہو رہا تھا تو بس یہی جاننے کے لیے میں نے تمہیں کال کی

تھی کہ [illegible] پہلے اس کے ماں باپ کو [illegible] تم [illegible] لی دوں کہ وہ اسے ہماری اصلیت [illegible] بہرام نے کہا۔ ہاں! لیکن عاص کو یہ نہیں پتا [illegible] اس کے والدین رات کو مرے ہیں۔ میں نے اسے یہی بتایا تھا کہ وہ دن کے وقت ہمارے سپائرل کاسل جانے سے پہلے مرے ہیں۔ اور وہ ان کی موت کی خبر سن کر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں بیہوش ہوگیا تھا، ہیزل نے کہا۔ جانتا ہوں، میں نے تو تمہیں کہا تھا کہ اگر تم عاص میں اتنی ہی دلچسپی رکھتی ہو تو اسے قائل کرلو لیکن تم بھی تو ناکام رہی، بہرام بولا۔ تو لے کے تو گئی تھی اسے سپائرل کاسل مگر وہ تو بہت نازک دل کا نکلا، ذرا سا تار چڑ نہیں دیکھ پایا۔ وہ تو شکر ہے کہ میں نے انکل آنٹی کی موت کی خبر کا بہانہ بنا کے اسے یہ یقین دلا دیا کہ اس نے جو کچھ دیکھا ہے، اس کا خواب تھا۔

ہم تو وہاں گئے ہی نہیں تھے، ویسے گرینڈ پا! آپ نے تو سارا عروج دیکھ لیا ہے، بزنس کا بھی اور سیاست کا بھی، اور معصوم بچوں کا خون پی پی کے کافی لمبی زندگی بھی جی لی۔۔۔ اب میں بھی ایک انٹرنیشنل سپر ماڈل اور ایکٹرس بن کے دو [illegible] شہرت اور شوبز میں نام کمانا چاہتی ہوں۔۔۔ ہیزل کی بات پہ بہرام کا رنگ اڑ سا گیا تھا۔ تمہیں دولت کمانے کی کیا ضرورت؟ میری یہ بے شمار دولت تمہاری ہی تو ہے، وہ لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔۔۔ اوہ گرینڈ پا! دولت تو جتنی ہو کم ہے اور شہرت پانے کے لیے ہی تو میں آپ کی تنظیم کا حصہ بنی ہوں۔۔۔

اب میں انہیں خوش کروں گی تبھی تو وہ مجھے میری خوشی دیں گے نہ؟ اس نے مسکراتے ہوئے بہرام کی طرف دیکھا جو بوکھلایا ہوا تھا۔ تمہارا کیا مطلب ہے ہیزل؟ تم کہیں میری قربانی کی بات تو نہیں کر رہی؟ میں کیا کروں گرینڈ پا! یہ آپ ہی کی شیطانی تنظیم کا اصول ہے کہ کچھ بڑا حاصل کرنے کے لیے اپنے ہی کسی قریبی رشتہ دار کو شیطان کے لیے قربان کرنا پڑتا ہے، ہیزل نے مسکرا کر بہرام کو دیکھا۔

تو تم عاص سے شادی کر کے اسے شیطان کی بھینٹ چڑھاؤ اور بدلے میں اپنی خواہش پوری کرلو، بہرام نے کہا تو ہیزل اطمینان سے بولی، پہلے میں نے ایسا ہے سوچا تھا لیکن اس عاص کو مجھ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے؟ تو میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اپنے سب سے پیارے اور قریبی رشتے کو ہی شیطان کی بھینٹ چڑھاں گی اور آپ کے علاوہ میرا سب سے پیارا ہے ہی کون؟ ویسے بھی شیطان عاص کی قربانی پہ اتنا خوش نہیں ہوسکتا جتنا وہ میرے اکلوتے اور سب سے پیارے دادا جان کی قربانی پہ ہوگا، کیونکہ عاص سے زیادہ تو میں آپ سے محبت کرتی ہوں اور آپ سے تو میرا خون کا رشتہ ہے، جسے میں خونی رشتے میں بدلنے والی ہوں۔۔۔ وہ بھی سفاکی سے ہنسنے لگی۔ تم میرے ساتھ ایسا نہیں کرسکتی ہیزل! میں تمہیں بہت پیار کرتا ہوں، بہرام روہانسا ہو رہا تھا۔ پیار تو میرے بابا بھی آپ سے بہت کرتے تھے۔ آپ کی خوشی کے لیے انہوں نے میری ماں کو پاگل قرار دے کر گھر سے نکال دیا لیکن آپ نے پھر بھی میرے بابا کی ہی قربانی دے دی؟ کیوں؟ کیونکہ آپ کو بھی یہ سب پانا تھا نہ؟ وہ سنجیدہ ہوچکی تھی۔ تم جانتی ہو یہ بات؟ بہرام نے پوچھا۔

پہلے نہیں جانتی تھی لیکن جب سے شیطان کو ماننے لگی تب جانا کہ میری ماں ٹھیک کہتی تھی کہ آپ ہی میرے باپ کے قاتل ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتی تھیں کہ آپ نے انہیں قتل نہیں کیا تھا، قربان کیا تھا۔ آج میں آپ کی وہ قربانی سمجھتی ہوں تو آپ بھی تو سمجھیں نا۔۔۔ میں بھی تو وہی کرنے جا رہی ہوں تاکہ اس کے بدلے میں شہرت کی بلندیوں پہ پہنچ جاؤں۔۔۔ آپ کو خود کو خوش نصیب سمجھنا چاہیے کہ آپ اپنے شیطان کے لیے مر رہے ہیں۔۔۔ ہیزل کے کہنے پہ بہرام بولا، تمہارے باپ نے شیطانیت کو اپنانے اور اپنی بیوی کو شیطان کے لیے قربان کرنے سے انکار کردیا تھا۔ وہ زندہ رہتا بھی تو اس کی زندگی بےمعنی ہوتی بلکہ وہ ہماری راہ میں رکاوٹ بھی بن سکتا تھا اور تب تمہیں اتنا عیش و آرام کیسے نصیب ہوتا؟ اس لیے میں نے اسے ایک خوش نصیب موت دی۔۔۔ بہرام نے وضاحت کی۔۔۔ اور اب

یہی خوش نصیبی آپ کو بھی مبارک ہو، گڈ بائے گرینڈ پا! ہیزل نے شیطان کا نعرہ بلند کیا اور اپنے کوٹ کی جیب سے نکالے چاقو سے بہرام کی گردن پہ وار کر دیا۔

بہرام کی موت کی خبر امریکہ کے ہر اخبار اور نیوز چینل کی زینت بنی۔۔۔ انہیں ان کے کاروباری مخالفین نے یا پھر سیاسی مخالفین نے ہمارے گھر میں گھس کر قتل کر دیا عاص! ہیزل نے روتے ہوئے بہرام کی موت کی خبر اسے فون پہ سنائی۔۔۔ وہ اس کے لہجے کے جھوٹ اور بناوٹی باتوں کی سچائی سے واقف تھا۔ کام کی زیادتی کا بہانہ بنا کر اس نے فیونرل میں آنے سے معذرت کر لی تھی۔

بہرام رائے کی موت کے کچھ ہی عرصے بعد ہیزل ایک سپر ماڈل کے طور پہ ابھر کے سامنے آئی تھی۔ عاص اس کی راتوں رات شہرت اور ترقی کے راز سے واقف تھا لیکن بظاہر انجان تھا۔ عاص جو کہ پیرا سائیکالوجی میں ڈاکٹریٹ کے بعد واشنگٹن کے ایک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کو جوائن کر چکا تھا اور کام کے بہانے کیلیفورنیا سے یہاں شفٹ ہو کر خود کو ہیزل اور ڈاکٹر ویلمارٹ جیسے لوگوں سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا۔۔۔ لیکن ایک ہی پروفیشنل فیلڈ میں ہونے کی وجہ سے اکثر سیمینارز اور ورکشاپس، یا کسی کانفرنس میں ڈاکٹر ویلمارٹ سے سامنا ہو جانے پر وہ بظاہر بہت خندہ پیشانی سے ملتا تھا اور ڈاکٹر ویلمارٹ اس کے رویے کو اس کی کم علمی سمجھ کے مطمئن ہو جاتے تھے کہ وہ ان کی سچائی، اصلیت اور مقاصد سے ناواقف ہے۔

عاص سے یہی لاپرواہی عاص کو اپنے خفیہ مشن میں جٹے رہنے میں مدد کرتی تھی۔۔۔ اس نے زیان اور ثمر کی موت کے بعد سے اب تک ان کچھ سالوں میں شیطانی تنظیم، ان کے مقاصد، ان کی رسومات، ان کے کام کرنے کے طریقوں، حتی کہ پوری دنیا میں ان کے ہیڈ کوارٹرز، اور شیطانی قربان گاہوں کے بارے میں بہت کچھ جان لیا تھا۔ وہ بھی ایک خفیہ تنظیم تشکیل دے رہا تھا۔ ایک ایسی خفیہ تنظیم جو اس شیطانی تنظیم کے ناپاک عزائم سے دنیا کو بچانے کا نیک ارادہ رکھتی تھی۔ اس کی ٹیم میں دنیا کے کونے کونے سے ایسے ہی تعلیم یافتہ اور قابل لوگ شامل ہو رہے تھے جو اس شیطانی گروہ کے خلاف تھے اور دنیا میں ان کے غلبے اور راج کرنے کی منصوبہ بندیوں کے خطرات سے واقف تھے۔

جہاں شیطان کو پوجنے والے پوشیدہ رہ کر اپنی جڑیں پوری دنیا میں پھیلا رہے تھے، اسی طرح عاص کی تنظیم بھی بہت راز داری سے ایک خدا کو ماننے والے قابل لوگوں کو اکٹھا کر رہی تھی تاکہ جس دن شیطانیت اپنے آپ کو طاقتِ واحد سمجھ کر پوری دنیا پہ اپنے قبضے کا اعلان کرے تب خدا کی واحدانیت اور طاقت پہ یقین رکھنے والے انسانیت کے علمبردار بھی ان کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو جائیں۔۔۔

کہنے کو اس حق و باطل کی جنگ میں ابھی وقت تھا۔ لیکن وقت بہت ہی تیزی سے گزرنے والی شے ہے۔۔۔ جیسے خدا کی رحمتیں اچانک نازل ہو جاتی ہیں اور کہیں اچانک کوئی عذاب راتوں رات پوری پوری قوموں کو صفائے ہستی سے مٹا دیتا ہے وہاں کس دن کا سورج انسانوں کی بدلتی تقدیر کا فیصلہ لے کر طلوع یا غروب ہو کوئی نہیں کہہ سکتا۔

وہ پروفیشنلی تو بظاہر ایک امریکن ریسرچ کے لیے کام کرتا تھا لیکن اس نے اپنے گھر کی خفیہ بیسمنٹ میں اپنی تنظیم کا بانی ہونے کی حیثیت سے تمام ثبوت و حقائق اکٹھے کر رکھے تھے۔

اس نے جنگلات میں موجود ان پراسرار سیڑھیوں پر جو ریسرچ کی تھی، وہ بھی اس کی ان دیگر پراسرار تحقیقاتی کاموں میں سے ایک تھی جو فی الحال مصلحتاً منظرِ عام پر نہیں آ سکی تھی لیکن اس کی سافٹ اور ہارڈ کاپی آج بھی اس کی خفیہ بیسمنٹ کی خفیہ الماری کے خفیہ شیلف میں موجود تھی جس پہ کوئی نام درج نہیں تھا بس ایک تصویر تھی۔۔۔

گھنے جنگل کے بیچ و بیچ کھڑی سیڑھیوں کی تصویر۔۔۔